عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

سوانح عمری

جامع شریعت وطریقت

قدوۃ السالکین عمدۃ الواصلین حضرت اقدس

شیخ الحدیث مولٰینا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ

معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کراچی

جلد اول

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

سوانح عمری

شیخ شریعت وطریقت

شیخ عمدۃ الواصلین حضرت اقدس

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

جس میں

حضرت ممدوح کی تعلیم، تدریس، تصنیف، تالیف، خدمات حدیث، معمولات، عبادت، تلاوت، ریاضت، سخاوت اور دیگر امتیازی صفات ذکر کی گئی ہیں، نیز اکابر خاندان خصوصاً والد ماجد اور اعمام گرامی قدر کے احوال اور حضرات اساتذۂ کرام کے حالات سپرد قلم کئے ہیں۔ مدرسہ مظاہر علوم کا تعارف، اکابر مدرسہ کے اخلاص، تقویٰ، قناعت اور علمی عملی فضل وکمال کے احوال جمع کئے ہیں۔

تالیف

محمد عاشق الٰہی بلندشہری عفا اللہ عنہ

ناشر

معہد الخلیل الاسلامی ۲/۴۴۵ بہادرآباد، کراچی ۵

فہرست مضامین

باب نہم

تمت بالخیر

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

سوانح عمری

جامع شریعت و طریقت

قدوۃ السالکین عمدۃ الواصلین حضرت اقدس
شیخ الحدیث مولینا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

جس میں

حضرتِ ممدوح کی تعلیم، تدریس، تصنیف، تالیف، خدمات حدیث، معمولات، عبادت، تلاوت، ریاضت، سخاوت اور دیگر امتیازی صفات ذکر کی گئی ہیں، نیز اکابر خاندان خصوصاً والد ماجد اور اعمام گرامی قدر کے احوال اور حضرات اساتذۂ کرام کے حالات سپردِ قلم کئے ہیں۔ مدرسہ مظاہر علوم کا تعارف، اکابر مدرسہ کے اخلاص، تقویٰ، قناعت اور علمی عملی فضل و کمال کے احوال جمع کئے ہیں۔

تالیف
محمد عاشق الٰہی بلند شہری عفا اللہ عنہ

ناشر
محمد یحییٰ مدنی :- معہد الخلیل الاسلامی ۲/۴۴۵ بہادر آباد، کراچی

نام کتاب ــــــــــ سوانح عمری (جلد اوّل) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ و برد مضجعہٗ

مؤلف ــــــــــ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری المہاجر المدنی حفظہ اللہ تعالیٰ

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

سن طباعت ــــــــــ ۱۴۱۷ھ

ناشر ــــــــــ مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ بہادر آباد۔ کراچی نمبر ۵

*

ملنے کے پتے

کتب خانہ یحیوی نزد مظاہر علوم سہارنپور۔ یوپی۔ ہند

مکتبہ خلیلیہ محلہ مفتی سہارنپور۔ ہند

میں اپنی اس تالیف کو صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا محمّد طلحہ صاحب دام مجدھم جانشین حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی خدمت عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ع
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمّد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہٗ
المہاجر المدنی
المدینۃ المنورۃ

اعتذار

جیساکہ مؤلف نے اپنے دیباچہ میں اظہار فرمایا ہے کہ یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد شروع کی گئی تھی پھر اس میں تعطل ہوگیا۔ اور ایسا تعطل ہوا کہ پہلی جلد ناظرین کے سامنے آنے میں دس سال کی تاخیر ہوگئی۔

جیسے جیسے تالیف ہوتی گئی کتابت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی، لیکن کسی ایک کاتب کی خدمات حاصل کرنے پر قابو نہ رہا، اسلئے مختلف کاتبوں نے مختلف اوقات میں کتابت کی ہے۔ تاخیر کی وجہ سے کتابت میں یکسانیت نہ رہی۔ ناظرین کرام دیکھیں گے تو کتابت بے میل معلوم ہوگی لیکن اضطراری طور پر اس کو گوارا کرنا پڑا، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے اس فرمان پر عمل کیا گیا کہ کسی بھی کتاب کا نقشِ اول جس طرح ممکن ہو سامنے آجانا چاہیئے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس بے میل کتابت کو گوارا کرلیں گے۔ اور ناشر کو معذور قرار دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نقشِ ثانی کے موقعہ پر اس کمی کو پورا کردیا جائے گا۔ و باللہ التوفیق۔

احقر ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلف کی گذارش

الحمد للہ رب العلمین، والصلوۃ والسلام علی سید رسلہ محمد وآلہ واصحبہٖ اجمعین وعلی من خلفہ فی علومہ واعمالہ من الفقہاء والمحدثین، وعلی من نشر علوم الدین وبلّغھا الی أقصی الأرضین من الدعاۃ المخلصین، والعلماء الصالحین والصوفیۃ الکاملین،

امابعد! نبی عربی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انس وجان کے لئے اور سارے جہانوں کے لئے اور سارے مکانوں کے لئے ہے غاروں میں رہنے والے اور پہاڑوں میں بسنے والے اور ہر خطۂ ارض کے سکان سبھی آپ کی امت میں ہیں، امت دعوت میں تو سبھی شامل ہیں۔ اور جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرلیا وہ سب امت اجابت ہیں، آپکی تیئس ۲۳ سالہ محنت سے جزیرۂ عرب کے اکثر حصوں میں آپ کے سامنے ہی اسلام پھیل گیا تھا، پھر آپ کے خلفاء اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محنتیں کیں جنکی کوششوں سے عرب کے بقیہ حصوں اور ملحقہ علاقوں کے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے،

حضرات تابعین کرام اور تبع تابعین اور ان کے اخلاف نے برابر دینی دعوت

جاری رکھی اور جن خطوں میں انسان بستے تھے وہاں تک اسلام کی دعوت پہنچادی اور بہت سی اقوام نے اسلام قبول کیا،

سطح ارضی پر ہندوستان بھی بہت پرانا آباد ملک ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام یہیں اتارے گئے، یہ بہت وسیع ملک ہے کسی زمانہ میں لنکا اور برما اور افغانستان بھی اسی کا حصّہ تھے اور پاکستان تو چالیس پچاس سال پہلے ہی اس سے منفصل ہوا ہے، ہندوستان کا قریب ترین علاقہ جہاں سے سرزمین عرب کے لئے بادبانی کشتیوں سے آنے جانے کی سہولت تھی وہ سندھ کا علاقہ تھا، سندھ میں حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تشریف لانا تاریخی کتابوں میں بالتصریح موجود ہے۔ جب یہ حضرات سندھ میں تشریف لائے تو مشرکین ہند ان سے متاثر ہوئے اور شرک و کفر کو چھوڑ کر توحید کی دعوت قبول کرتے چلے گئے، حجاج بن یوسف ثقفی نے ۹۳ھ میں محمد بن قاسمؒ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا اور اس موقعہ پر مشرکین سے جنگ ہوئی اور سندھ مسلمانوں کے زیر نگین آگیا اور اسلام مزید پھیلتا ہی رہا۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہندوستان پر حملے کئے، سومناتھ کو فتح کیا اور اس کے بعد سے برابر ایمان کی فضائیں بنتی رہیں اور توحید کی ہوائیں چلتی رہیں، حتیٰ کہ شیخ المشائخ حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن چشت سے تشریف لائے، اجمیر میں قیام فرمایا۔ جے پال جادوگر سے مقابلہ ہوا، اسکو بھی مسلمان کیا اور ان کی دعوت پر لاکھوں مشرک مسلمان ہو گئے۔ جہاں جہاں مسلمان گئے اسلامی علوم و اعمال بھی لے گئے۔ جہاں پہونچے قرآن و حدیث اور فقہ کے مدارس کھولتے چلے گئے، نومسلم اقوام میں بھی بڑے بڑے علماء و فضلاء پیدا ہوئے اور انہوں نے علوم اسلامیہ کی بڑی خدمت کی، کثیر تعداد

میں تفسیریں، علماء ہند کی تالیفات ہیں جن کی فہرست "الثقافۃ الاسلامیۃ" میں سید عبدالحی حسنی نے لکھی ہے۔ متون حدیث اور شروح حدیث میں بھی علماء ہند کی کثیر تعداد میں کتابیں ہیں۔ حضرت علی متقی رح المتوفی ۹۷۵ھ کی کنز العمال اور انکے شاگرد محمد طاہر پٹنی رح المتوفی ۹۸۶ھ کی مجمع البحار اور تذکرۃ الموضوعات اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح المتوفی ۱۰۵۲ھ کی شروح مشکوٰۃ لمعات التنقیح، اور اشعۃ اللمعات مشہور و معروف ہیں،

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے اوّل اپنے ہم عصر مشائخ سے دہلی میں علم حاصل کیا، پھر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں تین سال کے قریب رہے مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی رح المتوفی ۱۰۰۱ھ سے حدیث پڑھی جو صاحب کنز العمال کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں شیخ احمد بن محمد رح سے اور شیخ حمید الدین عبداللہ السندھی رح سے علم حاصل کیا۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی اپنی کتاب "الحطہ" میں لکھتے ہیں۔ ھو اول من جاء بہ فی ھذا الاقلیم وأفاضہ علی سکانہ أحسن تقویم ثم تصدی لہ ولدہ الشیخ نور الحق المتوفی ۱۰۷۳ھ (یعنی شیخ عبدالحق سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو اس اقلیم یعنی دہلی اور اسکے علاقوں میں علم حدیث لائے اور یہاں کے رہنے والوں پر نہایت عمدہ طریقہ پر افاضہ کیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ نور الحق خدمت حدیث کے کام میں لگے۔ جن کی ۱۰۷۳ھ میں وفات ہوئی)۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور انکے اولاد اور امجاد اور تلامیذ نے خوب علم حدیث کی اشاعت کی۔ سلسلہ تدریس بھی جاری رکھا اور کتابیں بھی تصنیف کیں۔

شیخ نورالحق ابن شیخ عبدالحق دہلویؒ کی شرح بخاری بنام "تیسیر القاری" اہل علم میں معروف ہے فقہ میں بھی علماء ہند پیچھے نہیں رہے اس علم میں بھی انکی بیشمار کتابیں ہیں جنمیں فتاوی تاتارخانیہ اور فتاویٰ عالمگیریہ قدیم ترین ہیں، انکے علاوہ ھدایہ، شرح وقایہ، کنز الدقائق، قدوری وغیرہ کے اردو عربی تراجم اور حواشی بھی مشہور و معروف ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی اشاعت فرمائی اور اس میں انکے اولاد و احفاد نے بھی خوب حصہ لیا، جب اس خدمت میں کچھ کمی واقع ہوگئی تو اللہ جل شانہ نے احمد بن عبدالرحیم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ کو خدمت حدیث کے لئے منتخب فرمایا، انہوں نے اولاً اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا اور حدیث کے علاوہ دوسرے علوم بھی پڑھے، نیز شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث پڑھی۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بارہ سال تک دھلی ہی میں درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، تقریباً تیس ۳۰ سال کی عمر میں اپنے ماموں شیخ عبیداللہ اور ماموں زاد بھائی شیخ محمد عاشق پھلتی کے ہمراہ حجاز کا سفر کیا اور وہاں دو سال طالب علمی میں گذارے۔ مدینہ منورہ میں اس زمانہ کے شیخ اجل ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی سے صحیحین اور جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک اور مسند امام احمد اور مسند دارمی پڑھ کر اور کچھ سنکر حدیث کی اجازت حاصل کی، شیخ ابوطاہر نے اجازت دیتے ہوئے تحریر فرمایا،

"اجازۃً عامۃً بما تجوز لہ (ای للشیخ ابی طاہر) وعنہ روایتہ من مفروغ ومسموع واصول وفروع وحدیث وقدیم ومحفوظ ورقیم"۔

پھر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور شیخ وفد اللہ مالکی مکی رحمۃ اللہ علیہ سے موطا مالک پڑھا۔ نیز شیخ تاج الدین قلعی مکی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۸ھ کے درس میں بھی حاضر ہوتے رہے، اس وقت وہ صحیح بخاری پڑھاتے تھے، نیز ان سے کتب ستہ اور موطا اور مسند دارمی اور کتاب الآثار امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع کیا اور ان سے تمام کتب حدیث کی اجازت لی۔ شاہ ولی اللہ کی فہم و فراست اور علم و فقاہت سے متاثر ہو کر شیخ ابو طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص حدیث کے الفاظ کی مجھ سے روایت کرتا ہے اور میں اس سے معنی کی تصحیح کرتا ہوں۔

حجاز سے واپس ہو کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے بڑی محنت و دلچسپی سے تدریس حدیث کی خدمت انجام دی۔ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور تلامیذ نے انکے منہج کو اپنایا اور آگے بڑھایا۔ خاص کر ان کے خلف اکبر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۹ھ درس و تدریس اور تالیف و تصنیف اور علوم قرآن و علوم حدیث کے نشر کرنے میں اپنے والد ماجد کے بعد ساٹھ سال تک مشغول رہے۔ اس طویل مدت میں کثیر تعداد میں ان سے تلامذہ نے علم حاصل کیا جنمیں جلیل القدر محدثین کرام اور فقہائے کرام تھے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحق صاحب دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۶۲ھ مسند تدریس پر بیٹھے اور اپنے نانا جان کے حقیقی خلیفہ بنے۔ علم حدیث کی

خوب اشاعت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں انکا فیض جاری رہا۔ اس کے بعد انہوں نے ہجرت کرلی اور مکہ مکرمہ میں تا آخر حیات درس و افادہ میں مشغول رہے۔

جن حضرات نے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث حاصل کیا ان میں شیخ عبد الغنی المجددی الدہلوی ثم المہاجر المدنی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۹۶ھ اور محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری الحنفی المتوفی ۱۲۹۷ھ زیادہ معروف و مشہور ہوئے۔

حضرت مولینا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ دھلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے۔ جب حضرت استاذ مکرم نے مکہ مکرمہ کو ہجرت کی تو ان کے ساتھ ہی روانہ ہوگئے اور تدبر و اتقان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ان سے تکمیل کی۔ اس وقت حدیث کی کتابیں مطبوع نہیں تھیں، مولینا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فجر سے لیکر ظہر تک حرم مکی میں حدیث کی کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کرتے تھے پھر ظہر سے عصر تک شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے۔ حضرت شاہ عبد الغنی المجددی الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حفید تھے۔ ساتویں پشت میں ان کا نسب ان سے جا ملتا ہے[1]۔ شاہ محمد اسحٰق صاحب دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد انہوں نے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبد الغنی تھا جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم تھے۔ سلسلہ سند میں جو شاہ عبد الغنی آتے ہیں وہ شاہ عبد الغنی بن ابو سعید بن صفی القدر المجددی الدھلوی ہیں۔

دھلی میں بیٹھ کر علم حدیث کو پھیلایا۔ وفات سے چند سال پہلے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، وہاں بھی درس وافادہ کا سلسلہ جاری رکھا یالآخر ۱۲۹۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

دھلی کے زمانۂ تدریس میں حجۃ الاسلام حضرت مولٰینا محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند المتوفی ۱۲۹۷ھ اور فقیہ و محدث امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۲۳ھ اور حضرت علامہ مولانا محمد یعقوب النانوتویؒ اولین شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند (جن سے حضرت حکیم الامت مولٰینا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے حدیث پڑھی) اور ملا محمود دیوبندیؒ (دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس) نے شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی۔ شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ نے ان حضرات کو نہ صرف حدیث پڑھائی بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اور ان کے خاندان کا جو منہج تھا اس کی بھی تعلیم دی۔ فقہی مسلک میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود تو پختہ حنفی نہیں تھے لیکن ان کے کام کو سنبھالنے والے خلف اکبر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پھر شاہ محمد اسحٰق صاحب اور پھر شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم پکے حنفی تھے۔ ان حضرات سے کابراً عن کابر حضرات اکابر علماء دیوبند کو علم بھی پہنچا اور عمل بھی، حنفیت میں پختگی بھی شریعت و طریقت کی جامعیت بھی، تقویٰ بھی اور اخلاص بھی، توکل بھی اور انابت بھی، خوف و خشیت بھی، حق گوئی اور بیباکی بھی، ایثار و قربانی بھی، رسوم و بدعات اور اعمال شرکیہ کی تردید بھی اور اصحاب فتن کی سرکوبی بھی، سنتوں کا احیاء بھی، تفسیری خدمات

بھی، حدیث و فقہ میں مہارت بھی، اور علوم عالیہ اور علوم آلیہ کی تدریس بھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

یہ حضرات حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے اور تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اور امام ربانی حضرت گنگوہی اور ان کے شیخ حضرت الحاج امداد اللہ صاحب التھانوی قدس اللہ اسرارہم نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے علاقہ میں جنگ آزادی کو شرعی جہاد بنا کر عَلَم جہاد بلند کیا۔ جب ان حضرات کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور انگریزوں کا پورا پکا تسلط ہندوستان پر ہو گیا تو یہ حضرات مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے فکر مند ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے ان حضرات کے قلوب میں یہ بات ڈالی کہ اب دینی مدارس اور دینی کتب ہی کے ذریعہ اسلامی علوم و اعمال کی حفاظت ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو اس طریقہ سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے لہذا مدارس کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلا مدرسہ دیوبند میں قائم کیا گیا۔ جو مدرسہ عربی دیوبند کے نام سے موسوم تھا جو بعد میں دار العلوم کے نام سے مشہور رہا۔ چند اکابر نے چھتہ کی مسجد (دیوبند) میں مدرسہ مذکورہ کی بنیاد ڈالی، ان حضرات میں سرفہرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کا اسم گرامی معروف ہے۔ مدرسہ کی بنیاد ۱۵ ار محرم ۱۲۸۳ھ کو ڈالی گئی اور مولینا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سرپرستی فرمائی اور ملا محمود دیوبندی کو تدریس کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ سب سے پہلے

طالبعلم حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی تھے۔ استاذ بھی محمود اور شاگرد بھی محمود، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ پھر چھ ماہ کے بعد شہر سہارنپور میں یکم رجب ۱۲۸۳ھ میں مدرسہ مظاہر علوم کا اجراء ہوا۔ مدرسہ ھذا کے بانی حضرت مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے مخصوص ترین افراد میں سے تھے۔ مدرسہ قائم فرمانے سے پہلے اپنے گھر پر طلباء کو پڑھاتے تھے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام بھی خود ہی فرماتے تھے، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور' ان دونوں مدرسوں کو اوّلیت کا شرف بھی حاصل ہے اور مرکزیت کا بھی، ان دونوں مدرسوں کے بعد بکثرت مدارس قائم ہوتے چلے گئے اور یہ سلسلہ ابتک جاری ہے، اور ان ہی مدرسوں کا فیض ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بانیان اور اساتذہ نے اس منہج کو پوری طرح قائم رکھا جو انھیں بتوسط شاہ عبد الغنی اور شاہ محمد اسحٰق اور شاہ عبد العزیز شاہ ولی اللہ صاحب سے پہونچا تھا، رحمہم اللہ

چونکہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا منہج و مسلک ایک ہی ہے' اس لئے دونوں مدرسوں کے علماء و فضلاء، اور مشائخ کو دیوبندی کہا جاتا ہے اور دونوں جگہ کے فارغین کو دیوبندی مکتب فکر کا حامل اور داعی مانا جاتا ہے، علماء دیوبند نے تفسیر و حدیث، فقہ، عقائد، اصول فقہ، اصول حدیث اور دیگر تمام علوم پر اپنی توجہ مرکوز کر دی اور خاص کر علم حدیث پر تو بہت ہی زیادہ زور دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، مولینا

انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شارح مسلم مولانا
شبیر احمد صاحب عثمانی اور انکے تلامذہ نے اتقان و امعان کے ساتھ حدیث کا درس دیا،
اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہانپوری
اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا
محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی اور مولانا عبداللطیف صاحب پرقاضوی اور مولینا
محمد زکریا صاحب کاندھلوی (شیخ الحدیث) قدس اللہ اسرارھم نے حدیث کا درس
دیا۔ آخر الذکر یعنی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب الکاندھلوی
قدس سرہ ۱۳۳۴ھ میں فارغ ہوئے۔ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ
صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھا۔ پھر ۱۳۳۵ھ میں
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے دوبارہ حدیث کی کتابیں
پڑھیں۔ اور اسی سال جامعہ مظاہر علوم کے ابتدائی مدرس مقرر کیے گئے۔ اور
اسی سال حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملکر شرح ابوداؤد
شریف کی تالیف میں شرکت کی اور ۱۳۴۱ھ میں استاد حدیث بھی بنا دیئے
گئے۔ بذل المجہود کی تالیف کا سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔ آپ نے بڑے
انہماک کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی۔ اور جب حضرت مولانا خلیل احمد
صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو آپ بھی حضرت قدس سرہ
کے ساتھ حجاز چلے گئے۔ یہ سفر ۱۳۴۴ھ کا ہے، ۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود
شرح ابوداود کا ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر اختتام ہوا۔ جب حضرت سہارنپوری
قدس سرہٗ نے آپ کو حجاز سے واپس بھیجا تو اجازت بیعت وخلافت

سے مشرف فرمایا اور جامعہ مظاہر علوم کا شیخ الحدیث اور مشیر و ناظم بھی مقرر کیا، یہ لفظ "شیخ الحدیث" آپ کے نام کے ساتھ ایسا مختص ہوا کہ جب علی الاطلاق لفظ شیخ الحدیث بولا جاتا تو عوام و خواص کا ذہن صرف آپ ہی کی طرف منتقل ہوتا تھا۔

آپ حسب تجویز بلکہ حسب الحکم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۶ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں شیخ الحدیث مقرر کئے گئے تھے اور ۱۳۸۸ھ تک برابر صحیح بخاری اور ابوداود شریف پڑھاتے رہے۔ تدریس کے ساتھ ہی آپنے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک، لامع الدراری، الابواب والتراجم اور کتب فضائل آپ کی مشہور و معروف کتابیں ہیں، جن میں تحقیقات علمیہ کو سمو دیا ہے۔ ۱۳۸۸ھ پر آپ کی تدریسی خدمات منتہی ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمالیا، اور مدینہ منورہ ہی یکم شعبان ۱۴۰۲ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران بھی سلسلہ تالیف و تصنیف جاری رہا۔ آپ املاء کراتے تھے اور خدام لکھتے تھے بعض کتب اپنے احباب سے بھی لکھوائیں اور انکے شائع کرنے کا اہتمام فرمایا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آپکی وفات کے بعد آپ کے بہت سے احباب و اصحاب نے صحائف و جرائد میں مضامین شائع کئے اور آپکی خصوصیات و امتیازات کو حیطۂ تحریر میں لائے۔ اور آپ کی ذات گرامی سے متعلق متعدد رسالوں کے مستقل نمبر بھی نکالے

گئے۔ اور حضرت قدس سرہ اس سے پہلے خود اپنی آپ بیتی لکھ چکے تھے، ان حالات میں کوئی مستقل کتاب آپکی سوانح حیات کے بارے میں لکھنے کی چنداں ضرورت تو نہ تھی لیکن بعض احباب و اصحاب نے (جو حضرت قدس سرہ کے متعلقین میں سے ہیں) احقر کو مامور فرمایا کہ تو حضرت والا کی سیرت پر ضرور کتاب لکھ۔ میں نے اپنی نالائقی اور مشاغل کیوجہ سے تعمیل حکم سے معذرت ظاہر کی۔ لیکن انکا اصرار بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر کام کی ابتدا کر دی اور چند ماہ میں تقریباً پہلی جلد تیار ہو گئی اور ساتھ ہی کتابت بھی ہوتی رہی لیکن پھر کام میں تعطل ہو گیا اور تقریباً آٹھ سال اس طرح گذر گئے کہ پہلی جلد جو تسوید و تبییض سے آگے بڑھ کر تقریباً کتابت کے مرحلہ سے بھی گذر چکی تھی زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی۔

ان دنوں پھر بعض حضرات کو خیال آیا اور یاد دہانی فرمائی، انکے فرمانے کی وجہ سے احقر کو بھی اسطرف توجہ ہوئی اور تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر پھر اسکی تکمیل میں مشغول ہو گیا۔ پہلی جلد ناظرین کے سامنے آرہی ہے، اسمیں میرا نام تو برائے نام ہی ہے محنت تمامتر مولانا جمیل احمد صاحب مظاہری بڑنوی حفظہ اللہ تعالیٰ کی ہے جو احقر کے مشورہ سے نقول جمع فرماتے رہے اور ترتیب دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ باقی جلدیں لکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور صاحب سیرت حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، اور اس بارے میں جن حضرات نے جو بھی دامے درمے قدمے قلمے تعاون فرمایا، اللہ جل شانہ انکو ثواب عظیم عطا فرمائے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

العبد الفقیر محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ وعافاہ

وجعل آخرتہ خیرا من اولاہ۔ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

باب اوّل

وطن، خاندان اور نسب

حضرت شیخ الحدیث قدس اللہ سرہٗ کی ذات گرامی کو پہچاننے کے لئے ان کے وطن اور خاندان کا جاننا بہت ضروری ہے گو دو تہائی عمر آپ نے سہارنپور میں گذار دی لیکن پھر بھی آپ سہارنپوری مشہور نہ ہوئے بلکہ کاندھلوی ہی آپ کے اسم گرامی کے ساتھ لکھا اور بولا جاتا رہا، جو قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی کی طرف منسوب ہے، کاندھلہ سے پہلے اس خاندان کا وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر تھا (یہ وہی جھنجھانہ ہے جو میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرشد قطب العارفین الحاج امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی قدس سرہ کا وطن تھا) اس کا ریلوے اسٹیشن نہیں ہے، شاملی یا کاندھلہ ہوکر جانا ہوتا ہے، اس خاندان کے مورث اعلیٰ مفتی ابو سعید قادری ہیں جو شہر رے سے مکران اور مکران سے ہندوستان تشریف لائے یہ شہاب الدین غوری کا زمانہ تھا، ہندوستان میں انھوں نے قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں قیام فرمایا، سلطان غوری نے آپ کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور شیخ الاسلام کا لقب عطا کیا، اور کیرانہ

اور اس کے اطراف کی ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا کام آپ کے سپرد کیا، کیرانہ ہی میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولانا ابو سعید قادری کی ساتویں پشت میں ایک بزرگ مولانا حکیم محمد اشرف جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے (یہ پتہ نہ چل سکا کہ کیرانہ سے شیخ ابو سعید کی نسل سے کونسی اولاد اور کب جھنجھانہ منتقل ہوئی) مولانا محمد اشرف صاحبؒ بڑے پایہ کے عالم تھے ان کا ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے مباحثہ بھی ہوا تھا، ملا عبدالحکیم صاحب نے حقہ کی حرمت پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جب مولانا محمد اشرف صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تصدیق و تصویب کے لئے پیش کیا تو انھوں نے حرمت کے فتوے سے اتفاق نہیں کیا، آپس میں کچھ بحث ہوئی، بالآخر ملا عبدالحکیم نے اپنا رسالہ چاک کر دیا، بادشاہ وقت شاہجہاں نے مولانا محمد اشرف صاحب کے کمالات کی شہرت سُنی تو آپ کے لئے پالکی بھیجی۔ آپ دہلی روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کی طرف سے شہر کے دروازہ پر استقبال کے لئے کچھ لوگ مقرر تھے۔ انھوں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ نے ایک ایسے امیر کی ہمراہی میں جو پہلے سے آپ کا معتقد تھا بادشاہ سے ملاقات کی، بادشاہ کی مجلس میں بہت سے سوالات کئے گئے آپ نے ہر علم و فن سے متعلق سوالات کے خوب شافی جوابات دیئے، سعد اللہ خاں وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ تو ایسا بحر ذخار ہے جس کا کنارہ نہیں، بادشاہ نے علاقہ جھنجھانہ میں دو ہزار بیگھ پختہ زمین کا فرمان تیار کرا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ ہمارا رازق خدا ہے بادشاہ رازق نہیں ہے۔ مجھے جائداد کی کوئی طلب نہیں ہے نہ اس کیلئے آیا ہوں

چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اس لئے اس کی تعمیل کی بجاآوری کے لئے بادشاہ کی طلب پر حاضر ہوگیا ہوں، آپ نے فقر و فاقہ میں متوکلانہ زندگی بسر فرمائی اور شاہی عطیہ قبول نہ فرمایا (بعد میں آپ کے پوتے شیخ محمد ساجد صاحب کے نام وہ جائداد منتقل کرادی گئی)

مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے جانشین ان کے صاحبزادے مولانا حکیم محمد شریف صاحب ہوئے، ان کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا شیخ ابوالحسن (جن کی اولاد کے حالات معلوم نہ ہوسکے) مولانا محمد فیض صاحب، مولانا حکیم عبدالقادر صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب کی اولاد میں مفتی الٰہی بخش صاحبؒ اور مولانا مظفر حسینؒ ہوئے۔ اور مولانا محمد فیض صاحب کی اولاد میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہوئے؛

مولانا محمد فیض صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد صاحب تھے جو ۱۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے، مولانا محمد ساجد صاحب کے ایک فرزند حکیم غلام محی الدین صاحب تھے اور ان کے فرزند حکیم کریم بخش صاحب تھے، حکیم کریم بخش صاحب کے دو صاحبزادے تھے، شیخ غلام حسن، شیخ غلام حسین، شیخ غلام حسین صاحب کے دو صاحبزادے تھے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا محمد اسحٰق صاحب؛

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے تین صاحبزادے تھے، مولانا محمد صاحبؒ (جو پہلی بیوی سے تھے) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (یہ دونوں دوسری اہلیہ سے تھے اور دونوں حقیقی بھائی تھے) حضرت مولانا محمد یحییٰ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ تھے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے،

اس تفصیل کے ساتھ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ تک شجرۂ نسب اس طرح بنتا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی بن حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بن حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بن شیخ غلام حسین صاحب بن حکیم کریم بخش صاحب بن حکیم غلام محی الدین صاحب بن مولانا محمد ساجد صاحب بن مولانا محمد فیض صاحب بن مولانا حکیم محمد شریف صاحب بن مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہم،

مؤلف مشائخ کاندھلہ نے اس کے آگے بھی سلسلۂ نسب درج کیا ہے جو شیخ قطب شاہ بن شیخ مفتی ابو سعید قادری سے گذرتا ہوا ابوالقاسم محمد بن امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اس طرح سے اس خاندان کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد میں ہونیکا شرف حاصل ہے پورا شجرہ نقل کرنے کے بعد صاحب مشائخ کاندھلہ لکھتے ہیں کہ

لیکن کتاب خیر البیان اور بعض دیگر نسب ناموں میں ابوالقاسم محمد اکبر کو محمد بن حنفیہ لکھا ہے اور امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاحبزادہ قرار دیا ہے بظاہر اول صحیح ہے کیونکہ ابوالقاسم محمد بن ابی بکر صدیق کی کنیت ہے۔ محمد بن حنفیہ کی کنیت ابوہاشم ہے

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے جد امجد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب

رحمۃ اللہ علیہ نے کاندھلہ میں جن خاتون سے شادی کی تھی ان کا نام صفیہ تھا اور وہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھیں جو مولانا عبدالقادر بن مولانا محمد شریف صاحب کی اولاد میں سے ہیں۔ اس طرح سے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا پدری اور مادری نسب مولانا محمد شریف صاحب پر جاکر مل جاتا ہے، جس کی صورت یہ ہے۔

مولانا محمد اشرف صاحب
|
مولانا محمد شریف صاحب

سلسلۂ پدری	سلسلۂ مادری
مولانا محمد فیض صاحب	مولانا عبدالقادر صاحب
مولانا محمد ساجد صاحب	مولانا قطب الدین صاحب
حکیم غلام محی الدین صاحب	شیخ الاسلام محمد بخش صاحب
حکیم کریم بخش صاحب	مولانا محمود بخش صاحب
حکیم غلام حسین صاحب	مولانا مظفر حسین صاحب
مولانا محمد اسمعیل صاحب	بی امۃ الرحمن صاحب
مولانا محمد صاحب (از زوجۂ اولیٰ)	بی بی صفیہ (از زوجۂ ثانیہ مولانا محمد اسمعیل صاحب)

مولانا محمد اسمعیل صاحب اور بی بی صفیہ کی اولاد:

مولانا محمد یحییٰ صاحب	مولانا محمد الیاس صاحب
مولانا محمد زکریا صاحب	مولانا محمد یوسف صاحب

مولانا حکیم محمد شریف صاحب کے فرزند مولانا حکیم عبدالقادر صاحب

صاحبزادوں میں مولانا حکیم شرف الدین صاحب کی اولاد تو جھنجھانہ ہی میں

رہی اور وہیں ان کی نسل چلی اور پھلی پھولی، لیکن مولانا قطب الدین صاحب کے تین صاحبزادوں میں سے شیخ الاسلام نے کاندھلہ میں سکونت اختیار کرلی اور شیخ الاسلام کے دونوں بھائی بھی جھنجھانہ ہی میں اقامت پذیر رہے،

مولانا محمد فیض صاحب (بن مولانا حکیم محمد شریف صاحب و برادر مولانا حکیم عبدالقادر صاحب) کی اولاد بھی جھنجھانہ ہی میں رہی اور عرصۂ دراز تک ان کا قیام وہیں رہا۔ ان میں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے کاندھلہ میں سکونت اختیار فرمائی اور وہاں ایک رہائشی مکان تعمیر کرایا۔ جھنجھانہ کے بجائے کاندھلہ میں سکونت اختیار کرنے کا سبب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری شادی بن گئی جس کا اجمالی ذکر ابھی نسب نامہ میں ہوا جو کاندھلہ میں ہوئی تھی، اور مفصل تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے تذکرہ میں آئیگا،

کاندھلہ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے متوطن ہونے کے بعد مولانا محمد فیض کی نسل (جو ان کے ذریعہ کاندھلہ میں مقیم ہوئی) اور مولانا عبدالقادر صاحب کی اولاد جو پہلے سے کاندھلہ میں مقیم تھی ان سب میں بڑے مضبوط روابط ہو گئے اور یہ دونوں خاندان اب ایک ہی خاندان شمار ہونے لگے،

مشائخ کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش قدس سرہ نے بہت شہرت پائی اور ان سے بہت زیادہ علمی عملی ظاہری اور باطنی فیض پہنچا اس لئے وہ مشائخ کاندھلہ کے مورث اعلیٰ شمار ہونے لگے، چونکہ ان کے تذکرہ کے بغیر مشائخ کاندھلہ کا تذکرہ ناقص رہے گا۔ اس لئے مفتی الٰہی بخش صاحبؒ اور ان کے بھتیجے حضرت مولانا

مظفر حسین صاحبؒ اور مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی اُمی بی عاجبہؒ کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ان کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کے دادا اور والد اور چچا کے حالات لکھیں گے ـــــــ ،

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا حکیم محمد شریف صاحب کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا محمد نشین صاحب جن کا سلسلۂ نسب اوپر ابھی مذکور ہوا، دوم مولانا شیخ ابوالحسن صاحبؒ (جن کی اولاد کا حال معلوم نہ ہو سکا) سوم مولانا حکیم عبدالقادر صاحب جن کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا حکیم قطب الدین صاحب اور مولانا حکیم شرف الدین صاحب، مولانا حکیم شرف الدین صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح جاری ہوا کہ ان کے بیٹے حکیم ضیاء الدین اور ان کے بیٹے حکیم گھسیٹا اور ان کے بیٹے حکیم مولا بخش تھے ان کا یہ خاندان جھنجھانہ ہی میں رہا۔ اور مولانا حکیم قطب الدین صاحب کے تین صاحبزادے تھے۔ اول مولانا شیخ الاسلام دوسرے مولانا شیخ محمد مشائخ تیسرے شیخ صدر الدین، اول الذکر جھنجھانہ سے کاندھلہ منتقل ہو گئے باقی دونوں بھائی جھنجھانہ ہی میں اقامت پذیر رہے،

مولانا شیخ الاسلام کا اصل نام محمد بخش تھا، شیخ الاسلام لقب تھا، آپ کی شادی بی بی مامن بنت شیخ بھیکا سے ہوئی تھی۔ یہ خاتون جھنجھانہ کی تھیں ان کے بطن سے شیخ الاسلام کی ایک لڑکی اور چار لڑکے تولد ہوئے، لڑکوں کے نام

یہ ہیں۔ اول مفتی الٰہی بخش تھے جو عمر میں اور علم و فضل میں اپنے سب بھائیوں سے بڑے تھے، دوم شاہ کمال الدین، سوم مولوی محمود بخش، چہارم مولوی امام الدین، مولانا محمود بخش صاحب نے ایک صاحبزادہ اپنی یادگار چھوڑا۔ یہ صاحبزادے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی تھے جن کا زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں یگانۂ روزگار ہونا مشہور ہے، ان کا تذکرہ چند اوراق کے بعد آئے گا انشاء اللہ ان کے تذکرہ سے پہلے ان کے چچا حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات اور کمالات لکھے جاتے ہیں،

ولادت اور تعلیم و تربیت حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد شیخ الاسلام اور مولانا محمد مدرس کی آغوش شفقت میں ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی بہت کم عمر میں قرآن شریف شروع کیا اور بہت جلد ختم کرلیا۔ پھر ان بزرگوں سے فارسی اور عربی شروع کی اور چودہ سال کی عمر میں تمام ضروری علوم متداولہ کی تحصیل سے فراغت پائی۔ لیکن آپ نے اس پر قناعت نہ فرمائی اور والد ماجد کے ہمراہ دہلی پہنچے

حضرت شاہ عبدالعزیز سے تلمذ اس وقت دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ علوم منقول اور معقول کا واحد مرکز سمجھے جاتے تھے اور طریقت و معرفت کا آخری ماویٰ و ملجا تھے۔ دہلی پہنچکر مفتی صاحبؒ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے اور مزید تین سال حصول علم میں مشغول رہے۔ اور تمام علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہوئے فراغت کے وقت ڈاڑھی اچھی طرح نمودار نہ ہوئی تھی اور اس وقت سترہ سال کی

عمر تھی آپ کی ذکاوت و ذہانت خاندانی شرافت اور اعلیٰ قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی آپ پر خصوصی شفقت اور عنایت رہتی تھی، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ممتاز اور مایۂ ناز شاگردوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

تدریس کا آغاز اور فتویٰ نویسی کی مشق

حضرت مفتی صاحب تمام علوم کی تکمیل سے فارغ ہو گئے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید پختگی کے خیال سے اپنی نگرانی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرا دیا۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ نے تمام کتابوں کو حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں پڑھایا، خود حضرت شاہ صاحب بہ نفس نفیس سبق کے وقت تشریف فرما ہوتے تھے اور بغور مفتی صاحب کی تقریر سنتے اور طرز تدریس کو ملاحظہ فرماتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ تدریس کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی کی مشق بھی کراتے تھے۔ اور جو استفسارات حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آتے ان کے جوابات مفتی صاحبؒ سے لکھوا کر بغور ملاحظہ فرماتے تھے، جب حضرت شاہ صاحب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا اور حضرت مفتی صاحب کے فضل و کمال پر پورا اعتماد ہو گیا تب رخصت فرمایا تاکہ دوسری جگہ بطور خود درس و تدریس اور افتاء کا کام انجام دے سکیں اور دین حق کی خدمت میں مشغول ہوں اور مخلوق کو فیض پہنچائیں۔

نواب ضابطہ خاں کے یہاں قیام

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے یہاں سے تو رخصت ہوئے لیکن دہلی سے رخصت نہ ہوئے

بلکہ حضرت شاہ صاحب ہی کے مشورہ اور ارشاد و حکم سے نواب ضابطہ خاں صاحب کے یہاں تشریف فرما ہو گئے۔ ان کے یہاں رہتے ہوئے ایک عرصہ تک فتاوی لکھنے کی خدمت انجام دی اور سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا، طلبہ کی خوراک و پوشاک اور دیگر ضروریات کا انتظام نواب صاحب موصوف نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا، خود نواب صاحب بھی حضرت مفتی صاحب کے درس میں شامل ہوتے تھے اور نیازمندی کے ساتھ کمال ادب اور احترام سے پیش آتے تھے، نواب صاحب کی وفات کے بعد بھی ان کے یہاں کچھ قیام رہا اور ان کے صاحب زادہ نواب شائستہ خاں نے بھی حضرت مفتی صاحب کو پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے یہاں رکھا۔

بھوپال اور کاندھلہ کا قیام کچھ عرصہ کے بعد نواب صاحب کے یہاں سے تعلق قطع فرمایا تو ریاست بھوپال تشریف لیگئے۔ وہاں عہدۂ افتاء پیش کیا گیا اور فتوی نویسی کے ساتھ وہاں بھی درس کا سلسلہ جاری رہا عرصۂ دراز تک بھوپال میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد اپنے وطن کاندھلہ میں مقیم ہو گئے اور زندگی کا باقی حصہ بجز اسفار کے کاندھلہ ہی گذرا،

حضرت مفتی صاحبؒ کے اہم کارنامے

تدریس حضرت مفتی صاحبؒ کو تفسیر، حدیث، فقہ، سیر، تاریخ، منطق فلسفہ، ریاضی و ہیئت، طب و حکمت وغیرہ میں پوری مہارت اور دسترس حاصل تھی اور آپ جملہ علوم و فنون کے مشکلات اور مغلقات کو بسہولت و آسانی

حل فرما دیتے تھے اس لئے ہر علم وفن کے طلبہ کا آپ کے یہاں اجتماع رہتا تھا اور آپ ہر فن کا درس دیتے تھے۔ لیکن زہد وتقویٰ کے باعث میلان طبع علوم دینیہ کی طرف زیادہ تھا۔ اور از خود کسی کو دیگر علوم کی ترغیب نہ دیتے تھے، ہاں اگر کوئی شخص ان علوم کا طالب ہوتا تو آپ اس کو جواب دیکر محروم بھی نہ فرماتے تھے، البتہ علم اخلاق وتصوف اور علم طب آپکے یہاں داخل نصاب اور ہر ایک طالب علم کو ان دونوں کی تعلیم ضروری دیجاتی تھی تاکہ علم اخلاق سے اس کے خصائل وعادات کی درستی ہو اور علم طب کے ذریعہ حلال روزی کما سکے، علم اخلاق وتصوف میں فصوص الحکم اور مثنوی مولانا روم کا درس ہوتا تھا، اور علم طب کی تعلیم ہر ایک کی استعداد کے مطابق ہوتی تھی،

باقی علوم کی تعلیم میں اپنے استاد حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ کے طرزِ تعلیم کی پیروی کرتے۔ حضرت شاہ صاحب کی تقریرات ازبر یاد تھیں، پہلے ان کو بیان فرماتے تھے اور ضرورت پڑنے پر مزید تشریح وتوضیح فرماتے تھے؛

وعظ وتذکیر حضرت مفتی صاحبؒ وعظ بھی بیان فرماتے تھے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ وعظ کہتے تھے کہ ہر عالم وعامی اپنی فہم واستعداد کیمطابق فوائد حاصل کرتا تھا اثناء وعظ میں قصے اور حکایتیں بالکل نہ ہوتی تھیں لیکن خوش بیانی اور باطن کی ترجمانی کے باعث قلوب کو آپکا وعظ متاثر اور مسخر کرتا تھا اور دل کی دنیا کی کایا پلٹ دیتا تھا۔

فتویٰ نویسی حضرت مفتی صاحبؒ کا اہم اور ممتاز ترین مشغلہ ان استفسارات کے جوابات لکھنا تھا جو اطراف وجوانب سے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ یہ

استفسارات محض فقہی مسائل کے متعلق نہ ہوتے تھے بلکہ مختلف علوم وفنون کی مشکلات اور مغلقات بھی سائلین آپ سے حل کرتے تھے، اور آپ اپنے وقت میں علماء اور فضلائے زمانہ کے آخری مرجع شمار ہوتے تھے، اگر ان سب فتاویٰ اور جوابات کو یکجا جمع کیا جاتا تو یقیناً کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جاتیں چونکہ بیشتر سوالات اور اشکالات علماء اور فضلاء کی جانب سے ہوتے تھے اس لئے جوابات بھی انتہائی تحقیق اور تفتیش کے ساتھ لکھے جاتے تھے، قوتِ حافظہ اور مہارتِ تامہ کی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ برجستہ اور قلم برداشتہ جوابات لکھتے تھے؛

ایک مرتبہ علماءِ دہلی میں بعض مسائل پر گفتگو ہوئی اور وہ حضرات آپس میں طے نہ کر سکے، لہذا بادشاہ نے ان کو قلم بند کرا کر دھلی سے ایک شتر سوار کے ہاتھ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں سوالات ارسال کئے اور جوابات طلب کئے. شتر سوار صبح کو دہلی سے چل کر اسی دن مغرب کے وقت کاندھلہ پہنچا اور لفافہ شاہی حضرت مفتی صاحبؒ کے حوالہ کیا جس میں متعدد مشکل سوالات تھے، حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کے جوابات کتابوں کے حوالوں کے ساتھ تحریر فرمائے اور طلباء کے حوالہ کیا تاکہ حوالوں کو اصل کتابوں سے منطبق کریں، مبادا کوئی کمی بیشی ہو گئی ہو اور خود کھانا کھانے گھر تشریف لے گئے. کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو دیکھا کہ سب حوالے ٹھیک اور درست ہیں، لہذا جوابات لفافہ میں بند کر کے اسی وقت شتر سوار کے حوالے کر دیئے، شتر سوار کہنے لگا کہ مجھے شاہی حکم یوں ہے کہ جواب ملنے پر فوراً روانہ ہو جاؤں اور مجھ میں اس وقت سفر کی ہمت وطاقت بالکل نہیں ہے، لہذا عین مہربانی ہو گی اگر رات گذارنے کے بعد صبح کو

لفافہ عطا کیا جائے تاکہ مجھے ابھی سفر نہ کرنا پڑے، چنانچہ رات گذارنے کے بعد علی الصباح لفافہ شتر سوار کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے شام تک دہلی پہنچکر وہ لفافہ دربار شاہی میں پیش کر دیا۔ جب ان جوابات کو علماء کرام کے سامنے رکھا گیا تو سبنے ان کی صحت کو تسلیم کیا اور حیران رہ گئے، کہ ایسے مغلق مسائل کا اتنا مدلل جواب اس قدر تھوڑے سے وقت میں کس طرح لکھا گیا۔

بدعات ورسومات کی تردید } جو خلاف شرع رسوم اور بدعات رائج تھیں ان کے خلاف جد و جہد اور ان کے ازالہ کی کوشش ہمیشہ سے علماء حق کا مقصد حیات رہا ہے جس کی وجہ سے اصل دین اور دین میں نکالی ہوئی بدعات میں ہمیشہ امتیاز رہا اس آخری دور میں چونکہ بدعات کا زیادہ غلبہ تھا اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام متوسلین کو اس طرف خصوصی توجہ کرنی پڑی۔ اور تمام خلاف شرع امور کو واضح طور پہ بیان کرنا پڑا، چنانچہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ نے بھی جو اسوقت مرکز دین سمجھے جاتے تھے ان خلاف شرع رسومات اور بدعات کی تردید میں پوری جد و جہد فرمائی اور ان کے خلاف فتاوی لکھ کر عام کئے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

رفض کی تردید اور روافض کی تکفیر } اس آخری دور میں بعض وزرائے سلطنت شیعیت میں غالی ہو گئے تھے، ان کے متعصب ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سی جگہ روافض کا غلبہ اور رفض کو زور ہو گیا تھا جس کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کو قلمی جہاد

کرنا پڑا اور انھوں نے رد شیعیت میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود شیعیت کے خلاف صدائے حق بلند فرمائی (ان کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" معروف مشہور ہے. اصل کتاب فارسی میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں بھی شائع ہو چکا ہے، اس کتاب کے جواب سے آج تک شیعہ عاجز ہیں)

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ نے بھی شیعیت کے خلاف زور قلم خرچ کیا متعدد فتاوی روافض کے خلاف صادر فرمائے ایک رسالہ کے شروع میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ آیات واحادیث اور اقوال ائمہ سے روافض کی تکفیر ثابت کی اور ائمہ کے ان اقوال کی توضیح کی جن سے روافض کی تکفیر میں تأمل ہوتا تھا اور ایک مستقل رسالہ "تلخیص الصواعق فی رد الروافض" تصنیف فرمایا جسمیں رافضیوں کے تمام باطل معتقدات کی تردید فرمائی اور ان کا بطلان ظاہر فرمایا۔

تالیف وتصنیف

تکمیل مثنوی کا اہم کارنامہ

حضرت مفتی صاحبؒ کثیر التصانیف تھے ان کی بعض تصانیف طبع ہوئی ہیں اور اکثر کی طباعت کا پتہ نہیں چل سکا، آپ کی تالیفات میں تکملہ مثنوی مولانا روم زیادہ معروف ومشہور ہے اور وہ مثنوی شریف کے ساتھ طبع ہو چکا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے بالکل ہو بہو حضرت مولانا روم رح کے طرز سے طرز ملا دیا ہے وہی بحر وہی رنگ

اختیار فرمایا ہے جو مولانا رومؒ کا تھا۔ مولانا روم سے طبعی طور پر بہت زیادہ مناسبت تھی،

مؤلف مشائخ کاندھلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کو حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی روح پرنور سے بھی بیشمار فیوض وکمالات حاصل ہوئے، آپ کو حضرت مولانا معنوی رومی کی بارگاہ میں حضور دائمی کا مرتبہ حاصل تھا۔ اختتام مثنوی پر اپنے ایک قسم کے حالات بیان فرمائے ہیں،

اسی باطنی تعلق اور روحانی مناسبت کی وجہ سے آپکے ہاتھوں مثنوی معنوی کی تکمیل ہوئی،

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا روم رہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مثنوی معنوی کے اختتام کا وعدہ کب پورا ہوگا؟

حضرت مولانا روم نے فرمایا کہ اس وعدے کو پورا کرنے والے تم ہی ہو، اور تمہارے ہی ہاتھوں یہ مبارک کام سرانجام پائیگا، حضرت مفتی صاحب نے اپنی عدم قابلیت اور عدم استعداد کا عذر کیا جو مسموع نہ ہوا اور بار بار حضرت مولانا روم کی جانب سے تقاضا اور مفتی کی طرف سے معذرت ہوتی رہی،

مؤلف مشائخ کاندھلہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ آخر میں ایک خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی مولانا روم بھی حاضر بارگاہ تھے، مولانا روم نے بارگاہ نبوت میں مفتی صاحبؒ کی شکایت کی کہ یہ مثنوی کو پورا نہیں کرتے، ارشاد نبویؐ ہوا کہ پورا کرو، پھر مفتی صاحب نے مثنوی کے اختتام کا ارادہ فرمایا۔

اس کے بعد مفتی صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ میرا ارادہ مثنوی معنوی کے اختتام کو پورا کرنے کا ہے جو قصہ مولانا روم نے ناتمام چھوڑ دیا ہے اگر وہ سنا ہو یا کہیں سے نظر سے گذرا ہو تو مطلع فرمائیں، حضرت شاہ صاحب نے جواب میں دو آیات کریمہ لکھکر بھیجیں کہ ان کو رات کو پڑھ کر خود حضرت مولانا روم سے دریافت کر لو، چنانچہ مولانا روم کی زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ دوات قلم لے کر عشرو مغرب کے درمیان حجرہ میں بیٹھا کرو، باقیماندہ قصہ خود بخود قلم سے لکھا جائے گا[1]،

آخر ۱۲۱۶ھ میں آپنے دفتر ہفتم شروع کیا (جو مثنوی معنوی کا آخری دفتر ہے) قلم برداشتہ لکھتے جاتے تھے اور الہام ربانی کی بدولت صفحات در صفحات قلمبند ہوتے جاتے تھے جس کو خود حضرت مفتی صاحبؒ نے اختتام مثنوی کے آغاز میں اسطرح

---

[1] مولانا روم رحؒ نے آخر میں ایک قصہ شروع کیا تھا کہ ایک شخص کے تین لڑکے تھے اس نے وصیت کی اور قاضی سے کہا کہ میری میراث میرے اس لڑکے کو ملے جو سب سے زیادہ کاہل ہو، یہ کہہ کر وہ دنیا سے سدھارا اور قاضی نے تحقیقات شروع کی کہ ان میں کون سا سب سے زیادہ کاہل ہے، ابھی قصہ پورا نہ ہوا تھا کہ مولانا روم نے آگے لکھنا چھوڑ دیا، ان کے صاحبزادہ مولانا بہاء الدین فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ تک مثنوی آگے لکھنے کا کام بند رہا تو میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ اب کیوں خاموش ہو گئے آگے کیوں نہیں لکھتے، اس پر مولانا روم رحؒ نے فرمایا ؎

ہست باقی شرح این لیکن درون	بستہ شد دیگر نمی آید برون
ہیچو اشتر ناطقہ اینجا بخفت	او نگوید من دہاں بستم زگفت
باقی این گفتہ آید بے زبان	در دل آنکس کہ دارد زندہ جاں

اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کو "آنکس کہ دارد زندہ جاں" کا مصداق بنا دیا اور انھوں نے تمہید کے بعد وہیں سے قصہ لکھنا شروع فرمایا جہاں سے مولانا روم رحؒ نے چھوڑا تھا یعنی تین لڑکوں میں جو کاہل ترین ہو قاضی اسکی تفتیش میں مشروف ہے. فرماتے ہیں ؎ گفت قاضی کاہلِ خود شما، سربسر گوئید تفصیلاً بما .. الی آخر ما قال ۱۲

ذکر کیا ہے،

جذب ذوق و شوق مولانا حسام	می کشد مارا بسوئے اختتام
می تراود خود بخود از لب سخن	آنچہ خواہی اے ضیاء الدین بکن
چوں زمام عقل من در دست تست	ہر کجا خواہی بکش جان مست تست
پرتو خور چوں در آبے اوفتاد	آب دا دِ آفتابے را بداد
روح مولانا جلال الدین روم	مہر برج معرفت بحر علوم
پرتوِ زد چوں کہ بر طور دلم	گشت نورانی تنِ آب و گلم
ہر زمانم آں مہ چرخ بریں	می زند چشمک ببام دل کہیں
اختتام مثنوی آغاز کن	نامۂ سربستہ ام را باز کن

اختتام مثنوی کے اختتام پر حضرت مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں،

گر رہِ حق بایدت ہشیار باش	غفلت از خود دور کن بیدار باش
باش اول بر شریعت استوار	بعد ازاں سوئے طریقت رو بیار
کام اول مستقیم شرع شو	بعد ازاں راہ طریقت را برو
تخلیہ با تحلیہ باید ضرور	تا نمائی بحر عرفاں را عبور
ایں سخن را نیست ہرگز اختتام	پس سخن کوتاہ باید والسلام

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی کے ساتھ وابستگی عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، مثنوی زبانی یاد تھی اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کا درس دیتے تھے پھر ان کے درس کا سلسلہ اتنا مقبول اور عام ہوا کہ اس کے سامنے مثنوی کے باقی سلسلے گویا معدوم ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب نے اخیر زمانہ میں مثنوی معنوی کا اردو نظم میں ترجمہ بھی شروع کیا تھا جب ایک ہزار اشعار کا ترجمہ ہو چکا تو آپ کا انتقال ہو گیا، آپکے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا ابو الحسن صاحب نے مزید ایک ہزار اشعار کا ترجمہ کیا تھا۔ اس طرح دفتر اول کا ترجمہ تیار ہو گیا، (یہ ترجمہ طبع ہو گیا تھا مگر نایاب ہے)

حضرت مفتی صاحبؒ کے نواسے اور شاگرد اور خلیفہ و مجاز مولانا عبد الرزاق صاحب جھنجھانویؒ بھی مثنوی مولانا رومؒ کے عاشق زار تھے، مثنوی شریف از بر یاد تھی، اور اس کے درس کا خصوصی ذوق و شوق رکھتے تھے، مثنوی معنوی کا عام فیضان ان کی ذات گرامی سے جاری ہوا، شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے ان سے مثنوی کی تعلیم اور سند حاصل کی پھر یہ طریق سند عوام و خواص میں مقبول و مشہور ہوا زیادہ مقبولیت کی وجہ یہ ہوئی کہ خود حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنے متوسلین کو خواب میں ملک روم سے مکہ معظمہ پہنچنے اور حضرت حاجی صاحب ممدوح سے مثنوی کی سند حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی چونکہ حضرت مفتی صاحب کو بطور اویسیت بلاواسطہ حضرت مولانا جلال الدین رومی سے مثنوی معنوی کی اجازت حاصل تھی، اس لئے تمام درمیانی واسطے متروک ہو گئے اور یہ مختصر سلسلہ سند جاری اور عام ہو گیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب از مولانا عبد الرزاق صاحب از مولانا الٰہی بخش صاحب از حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہم اللہ تعالیٰ،

حضرت الحاج امداد اللہ صاحبؒ کو بھی مثنوی شریف سے خاص شغف تھا بڑے اہتمام سے اس کا درس دیا کرتے تھے، اس کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ نے اس کے درس کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی درسی تقاریر کو آپ کے برادر زادہ

مولانا شبیر علی صاحبؒ اور آپ کے معتمد خاص مولانا حبیب احمد صاحب کیرانویؒ نے ضبط کیا جو کلید مثنوی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس میں شرح شبیری اور حبیبی دونوں آگئی ہیں،

دیگر تالیفات حضرت مفتی صاحبؒ کی تصانیف کی فہرست حالات مشائخ کاندھلہ میں تفصیل سے لکھی ہے، جن کی تعداد ترپن ۵۳ ہوتی ہے ان میں ایک رسالہ "شیم الحبیب فی خصائل النبی الحبیبؐ عربی میں ہے۔ جس کا ترجمہ شم الطیب کے نام سے حضرت تھانوی قدس سرہ نے کیا، اور پھر اصل اور ترجمہ دونوں کو اپنی کتاب "نشر الطیب" کا جزو بنا دیا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے شیم الحبیب کو مع ترجمہ اشرفیہ شائع فرمایا اور عوام و خواص میں اس کو پھیلایا، شیم الحبیب اور جوامع الکلم دونوں رسالے حضرت مفتی صاحب نے ۱۲۹۰ھ میں بھوپال کے ایک سفر میں تصنیف فرمائے،

دیگر چند کتب کے نام یہ ہیں "الخصائص النبویہ" یہ غایۃ السؤل فی خصائص الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مؤلفہ شیخ شہاب الدین ابن الملقین کا جامع انتخاب ہے، "منتخب حیاۃ الحیوان" یہ علامہ دمیری کی کتاب کا انتخاب ہے "حد البصائر فی عد الکبائر" اس میں کبیرہ گناہوں کا مفصل بیان ہے، شرح قصیدہ بانت سعاد یہ عجیب شرح ہے، ہر شعر کی عربی میں شرح کی، نیز اسی بحر میں فارسی اور اردو اور عربی میں اشعار کا ترجمہ کیا ہے، پھر معارف و حقائق اور دقیق نکات بیان فرمائے۔ الوظائف النبویہ" حصن حصین کا انتخاب ہے، شرح دیوان حافظ، "دیوان نشاط" یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اردو اشعار کا مجموعہ ہے۔ ان کے علاوہ درسی کتابوں کے حواشی ہیں جو اکثر معقولات کی کتب پر ہیں،

بیعت و سلوک اس زمانہ میں تو صرف کتابیں پڑھ لینے کی وجہ سے اپنے کو باکمال سمجھ لیتے ہیں لیکن اکابر قدماء بہت بڑے مفسر اور محدث ہوتے ہوئے بھی اپنے کو اس کا محتاج سمجھتے رہے ہیں کہ کسی مرشد صاحب نسبت سے بیعت ہوں اور نفس کی اصلاح کریں اور ظاہر و باطن کو اعمال و اشغال اور اوراد و اذکار سے آراستہ کریں بڑے بڑے اہل علم کسی مرشد کا دامن تھام لیتے تھے اور ایک شخص بیک وقت مفسر و محدث نیز فقیہ و مفتی اور مرشد و مصلح باطن بھی ہوتا تھا،

حضرت مفتی صاحب نے بھی تکمیل علوم ظاہری کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور عرصۂ دراز تک حضرت شاہ صاحب موصوف کی خدمت میں کمالات باطنی کے حصول میں مشغول اور منہمک رہے اور بارگاہ عزیزی سے خلافت و اجازت کی خلعت گراں مایہ عطا ہوئی اور معرفت و حقیقت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

مفتی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی حیات میں نہ کسی سے رجوع کیا اور نہ کسی سے فیض ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ جس در کے ہو گئے تھے اسی سے وابستہ رہے،

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے وصال کے بعد مفتی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ کمال الدین کی طرف رجوع کیا اور سلسلۂ قادریہ میں ان سے بیعت ہو گئے۔ گو خود مقتدی تھے کسی پیر کی پیروی کی ضرورت نہ تھی مگر ان کا ذوق اور شوق سفر ان کو کسی ایک منزل پر ٹھیرنے نہ دیتا تھا اور سلوک و سفر کے کسی ایک مقام پر قناعت گوارا نہ تھی، برابر اس کے لیے چلتے رہنا اور بڑھتے رہنا چاہتے تھے،

بھوپال کے ایک سفر میں ایک عارف کامل درویش صادق سے ملاقات ہوئی، انھوں نے

حضرت شاہ کمال الدین صاحب کی جانب آپ کی رہنمائی کی، آپ کا شوق ایسا کمزور نہ تھا جسے یہ بات مانع ہو جاتی کہ چھوٹے بھائی کو کیسے پیر بنایا جائے، طالبان حق کو بھلا ایسی باتیں کہاں روک سکتی ہیں؟

حضرت سید صاحب شہید بریلویؒ کی خصوصی سعی اور اصل خواہش یہ تھی کہ تمام اہل علم اور اہل کمال ان سے وابستہ ہو جائیں تاکہ ان کے مجاہدانہ کارناموں میں ان کے بہترین معین و مددگار ثابت ہوں اور ان کی تحریک جہاد ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور حدودِ شریعت سے یک سرمو متجاوز نہ ہو اس لئے حضرت سید صاحبؒ مفتی صاحب سے ملنے کے لئے کاندھلہ تشریف لائے اور ان کو ہمیشہ کے لئے اپنا حلقہ بگوش اور برگزیدہ بنا کر تشریف لے گئے،

حضرت مفتی صاحب ۷ ار ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ کی بارگاہ عالی میں فائز ہوئے اور مزید انوار ایزدی اور کمالات سرمدی سے سرفراز ہوئے۔

حضرت سید صاحب کی بارگاہ سے تکمیل و اجازت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اسی ۱۲۳۵ھ میں سید صاحبؒ کے طریقۂ اذکار اور تعلیم و تربیت سلوک معرفت میں کتاب "ملہمات احمدیہ" تصنیف فرمائی۔ جو حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی کتاب "صراط مستقیم" کا ایجاز و اختصار اور اصلی جوہر اور لب لباب ہے۔

جس طرح حضرت مفتی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرف رجوع کرنے اور ان سے بیعت ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھا، اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ کی طرف رجوع کرنے کو بھی کسر شان نہیں سمجھا؛ مؤلف سیرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں،

مفتی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت تھے، اخلاص و للہیت

کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ شیخ وقت ہونے کے باوجود ۶۰ - ۶۵ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جوان سال خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے جو مفتی صاحب سے تقریباً ۳۸ سال چھوٹے تھے اور اس سن و سال اور بزرگی اور شہرت کے باوجود آپ سے استفادہ کرنے میں تأمل نہیں کیا، مفتی صاحب نے سید صاحب کے طریقہ اذکار میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کا نام "ملہمات احمدیہ" ہے

حضرت مفتی صاحبؒ کی نسبت باطنی نہایت قوی اور نہایت زود اثر تھی جس پر ذرا بھی توجہ فرماتے تھے فوراً اس کی حالت بدل جاتی تھی اور دیر تک طبیعت متأثر رہتی تھی جو بھی آپ کے حلقہ میں چند بار بیٹھ گیا پھر اس ذوق حلاوت کو عمر بھر نہ بھولا،

تلامیذ، خلفاء و مجازین مؤلف مشائخ کاندھلہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے تلامذہ کی فہرست بھی دی ہے۔ جن کی تعداد چوبیس تک پہونچائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا سلسلۂ تدریس سترہ[۸۲] سال کی عمر سے شروع ہو کر بیاسی سال کی عمر تک متواتر جاری رہا، ظاہر ہے کہ ان پینسٹھ سالوں میں سینکڑوں آدمیوں نے علمی استفادہ کیا ہوگا۔ مؤلف مشائخ کاندھلہ نے بعض مشہور شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کے حالات اختتام مثنوی کے آخر میں مذکور ہیں، ان حضرات میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کا اسم گرامی بھی ہے، نیز آپ کے صاحبزادگان مولانا ابوالحسن اور مولانا ابوالقاسم کے اسمار گرامی بھی اس فہرست میں شامل ہیں، آپکے تینوں نواسے حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب جھنجھانویؒ اور حافظ محمد مصطفی شہیدؒ اور حافظ محمد صابرؒ بھی آپکے شاگرد تھے، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اور مولانا حکیم محمد اشرف صاحب بھی آپکے

شاگرد رشید تھے اور دونوں آپ کے برادر زادہ تھے

مؤلف مشائخ کاندھلہ نے مجازین طریقت کے اسمار گرامی بھی شمار کرائے اور چھ حضرات کے اسمار گرامی لکھے ہیں، ان میں حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ جھنجھانوی اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے اسمار گرامی بھی ہیں نیز تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے خلیفہ اور مجاز حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی تھے، ان کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ تھے ان کے خلیفہ قاری محمد اسحق صاحبؒ ہوئے (قاری محمد اسحاق صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی تھے: رحمہ اللہ علیہ)

برطانوی حکومت کی مخالفت

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے خاص شاگرد تھے، پھر مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہٗ سے بھی ۱۲۳۵ھ میں وابستہ ہوگئے تھے۔ اسی لئے آپکے خاندان میں جہاد کا جذبہ بہت زیادہ تھا حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاد کے متعلق متعدد فتاوی تحریر فرمائے اور آپکے دو نواسے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا محمد مصطفیٰ صاحب حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے، مولانا محمد مصطفیٰ صاحبؒ نے وہیں جام شہادت نوش فرمایا۔ اور مولانا محمد صابر صاحب معرکۂ جہاد سے واپس آکر تادم آخر اسی جد وجہد میں مشغول رہے

حضرت مفتی صاحبؒ کے تیسرے نواسے مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب

۱؎ اس باب کے تقریباً تمام ہی مضامین حالات مشائخ کاندھلہ مؤلفہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی سے ماخوذ ہیں، احقر نے کہیں کہیں تقدیم تاخیر کردی ہے اور کہیں کہیں اختصار اور تغییر عبارت سے کام لیا ہے ۱۲

آپ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز طریقت تھے، انھوں نے کاندھلہ میں فن سپہ گری کی تعلیم کے لئے باقاعدہ اکھاڑہ قائم کر رکھا تھا جو اُن کے بعد بھی عرصہ دراز تک قائم رہا۔

حضرت مفتی صاحب کے دونوں صاحبزادے مولانا ابوالحسن اور مولانا ابوالقاسم بھی حضرت سید صاحبؒ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت رکھتے تھے، خاندان میں عموماً حضرت سید صاحبؒ کے حالات و واقعات کا تذکرہ رہتا تھا۔

سیرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں

"اس وقت گھر کے اندر اور باہر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں، ان بزرگوں کے واقعات، مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے، مائیں اور گھر کی بیبیاں بچوں سے طوطے مینا کے قصوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سناتیں، اور یہ کچھ بہت زیادہ پرانی باتیں نہ تھیں، مولانا مظفر حسین صاحب کی آنکھوں دیکھی باتیں اور ان کی صاحبزادی اور عزیزوں کی کانوں سنی حکایات تھیں، سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل کی باتیں ہیں۔"

پھر حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں

"مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ سید صاحبؒ کے حالات کا علم نہ ہوگا۔ آپ کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" سے میری معلومات میں اضافہ نہیں ہوا"

جہاد ۱۸۵۷ء

حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی سے تقریباً ستائیس سال پہلے وفات پائی، کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات ۱۲۴۵ھ میں اور واقعۂ جہاد ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں ہوا، اس تحریک میں ان کو تو حصہ لینے کا موقعہ نہیں مل سکا، البتہ ان کے صاحبزادہ مولانا نور الحسن اور دیگر متعلقین نے اس میں حصہ لیا۔

اس جذبۂ جہاد کی روح رواں اور اصل الاصول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان کی مقدس ہستیاں تھیں اور اس خاندان اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کا روحانی اور ایمانی تعلق قدیم سے وابستہ تھا، اس خاندان کا ہر فرد ولی اللّٰہی خاندان کے ساتھ ہر طرح وابستہ تھا۔ تلمذ اور شاگردی بھی تھی اور عقیدت و وارفتگی و شیفتگی بھی، اس طرح دونوں خاندانوں میں پورا اتحاد اور اعتماد قائم تھا پھر اس تحریک جہاد کو چلانے اور کامیاب بنانے والے دو گروہ تھے، پہلا گروہ وہ جو اس خاندان ولی اللّٰہی سے روحانی تعلق رکھتا تھا جس کے سربراہ پیشوا شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ تھے اور ان کے متوسلین منتسبین حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب[1] صاحب نانوتویؒ وغیرہم تھے۔

---

[1] مشائخ کاندھلہ میں ایسا ہی لکھا ہے، لیکن نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یعقوبؒ نے اس جہاد میں حصہ نہیں لیا اور خاموش رہے (صفحہ ۵۲۴ ج ۸) واللہ اعلم بالصواب

اس خاندان سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید سے روحانی اور ایمانی تعلق کے علاوہ رشتہ داری کا تعلق بھی تھا، حضرت مفتی صاحبؒ کی صاحبزادی کی نواسی حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی اہلیہ تھیں، اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کی بھتیجی حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی اہلیہ تھیں، ان کے علاوہ اور بھی نسلی رشتے ان بزرگواروں سے قائم تھے،

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی (بانی مدرسہ صولتیہ) سے بھی اس خاندان کے رشتہ اور قرابت کے تعلقات وابستہ تھے اور وہ اتحاد و یگانگت تھی جس کی بنا پر ایک ہی خاندان شمار ہوتا تھا (مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے کیرانہ سے علم جہاد بلند کیا تھا)

دوسرا گروہ وہ تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان سے محض شاگردی کا تعلق رکھتا تھا، اس کے سربراہ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادیؒ اور مفتی صدر الدین صاحبؒ تھے (جنھوں نے دہلی دار السلطنت سے علم جہاد بلند کیا تھا) ان دونوں صاحبان سے حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کے خصوصی تعلقات تھے، جن کی بنا پر خاص اتحاد اور اعتماد قائم تھا، مولانا احمد اللہ شاہ صاحب نے اس وقت دہلی میں جو مجلس مشاورت منعقد کی اس میں حضرت مولانا نور الحسن صاحب کا اسم گرامی بھی درج ہے۔ پھر مفتی صدر الدین صاحب کے آگرہ منتقل ہونے کے بعد جو جو مجالس شوری ان کے یہاں منعقد ہوتی تھیں ان میں حضرت مولانا نور الحسن صاحب بھی شریک رہتے تھے۔[۱]

---

[۱] مشائخ کاندھلہ از ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء ۱۲

علالت و وفات حضرت مفتی صاحب نے ساری عمر یادِ الٰہی اور مخلوق کی خدمت گذاری میں صرف فرمائی، زہد و ریاضت اور کثرتِ عبادت کے باعث آخر زمانہ میں ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے رات کو سوتے وقت کوئی مرکب دوا استعمال فرمایا کرتے تھے، اور یہ دوا کھلانیکی خدمت ایک طالب علم کے سپرد تھی۔ حسب معمول ایک رات کو وہ دوا طلب فرمائی اس وقت وہ طالب علم موجود نہ تھا کسی دوسرے شخص نے کوئی اور دوا لاکر دیدی اس کو کھانے کے تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی صاحب پر غشی طاری ہوگئی اور ہوش و حواس معطل ہوگئے، ایک شب و روز اسی حالت میں گذرا، اور اس حال میں بروز یکشنبہ ۵ ؍ جمادی الاخری ۱۲۴۵ھ کو بیاسی سال کی عمر میں بوقت مغرب سفر آخرت اختیار فرمایا۔ اسکنہ اللہ بحبوحۃ جنانہ:

اولاد و احفاد حضرت مفتی صاحبؒ نے چھ اولاد چھوڑیں، دو صاحبزادے حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ اور حضرت مولانا ابوالقاسم صاحبؒ۔

اور چار صاحبزادیاں، بی بی امیرا جن کی شادی مولوی غلام معین الدین عرف کالا بن خیر الدین ساکن تھانہ بھون سے ہوئی جن کی نواسی مسماۃ خیرا شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی اہلیہ تھیں،

بی بی عائشہ، ان کی شادی امام بخش بن شمس الدین ساکن جھنجھانہ سے ہوئی جن کے لڑکے مولانا عبدالرزاق صاحب حضرت مفتی صاحب کے شاگرد رشید اور مجاز طریقت خلیفہ اور جانشین تھے،

بی بی فاطمہ۔ ان کی شادی شیخ محمد حسن بن کریم بخش ساکن جھنجھانہ سے ہوئی اور

ان کے دونوں صاحبزادے مولوی محمد مصطفیٰ صاحبؒ اور مولوی محمد صابر صاحبؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے،

بی بی وزیراً، ان کی شادی حضرت مفتی صاحب کے بھتیجے مولانا محمد اشرف بن مولانا امام الدین صاحب سے ہوئی جو حضرت مفتی صاحبؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے

مولانا ابوالحسن حضرت مفتی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا ابوالحسن صاحبؒ تھے جنہوں نے ہر نوع کے کمالاتِ ظاہری اور باطنی اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ سے حاصل کئے، تمام علوم منقول اور معقول میں یگانۂ روزگار اور ممتاز شمار ہوتے تھے، خصوصاً علم طب میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، عابد و زاہد عارف کامل تھے، بیشتر اوقات ذکر و فکر عبادت و طاعت میں بسر کرتے تھے، سال میں دو ماہ شروع شعبان سے آخر رمضان تک مسجد میں معتکف رہتے تھے، تارک دنیا خلوت نشین ہونے کے باوجود پیری مریدی کے سلسلہ کو متروک رکھا، اگرچہ بہت سے اشخاص اس کے ملتجی اور متمنی ہوتے مگر آپ قبول نہ فرماتے

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب نظم و نثر دونوں خوب لکھتے تھے اور یکتائے زمانہ شمار ہوتے تھے۔ شعر و سخن کا طبعی ذوق اور فطری مناسبت تھی، اشعار شستہ اور فصیح و متین ہوتے تھے، متعدد قصیدے اور مثنوی کہیں جنمیں کتاب "بحر الحقیقت منظوم اردو" بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہوئی، خصوصاً اس کا ایک حصہ "گلزار ابراہیم" تو اس قدر مقبول اور عام ہوا کہ گھر گھر پڑھا جاتا تھا، اور ہر چھوٹے بڑے اور ناسمجھ اور دانا کو درس معرفت اور ذوق حقیقت دیتا تھا، اور ہر پڑھنے والا اپنی استعداد اور صلاحیت کے موافق متأثر اور مستفیض ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مجھے طریق معرفت کا ذوق و شوق اسی مثنوی "گلزار ابراہیم" سے پیدا ہوا۔ مثنوی گلزار ابراہیم

یوم جمعہ ۵ رشوال ۱۲۵۱ھ کو تمام ہوئی

مولانا ابوالحسن صاحبؒ نے بروز چہار شنبہ ۲۱ رجمادی الاول ۱۲۶۹ھ مطابق ۲ رمارچ ۱۸۵۳ء کو وفات پائی

مولوی ابوالقاسم حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے دوسرے چھوٹے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم ہیں، تمام علوم وفنون کی تکمیل والد بزرگوار سے کی، پھر اپنے تقاضے اور اصرار سے سرکاری ملازمت اختیار کی، بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے،

حضرت سید احمد شہید بریلوی نے جب دوآبہ کا دورہ فرمایا اس وقت آپ مرادنگر میں تھانہ دار تھے وہیں ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے تین بھائی تھے، شاہ کمال الدینؒ، مولوی محمود بخشؒ، مولوی امام الدینؒ،

شاہ کمال الدین صاحبؒ کی کوئی اولاد نہیں تھی، مولوی محمود بخش صاحب کے صاحبزادے مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور مولانا امام الدین کے صاحبزادے مولانا محمد اشرف صاحبؒ تھے، شاہ کمال الدین صاحبؒ نے اپنی جائداد اپنے دونوں بھتیجوں مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے نام کردی تھی ان میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے خوب شہرت پائی ان کا زہد وتقویٰ اور اتباع سنت مشہور تھا۔

آپ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے بھتیجے تھے والد کا نام محمود بخش تھا،

ولادت | ۱۲۲۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، حضرت مفتی صاحبؒ سے تعلیم پائی
شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی سے بھی علم حاصل کیا، ان کے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب
سے بھی بہت تعلق تھا اور ان کے مرید بھی تھے، باطنی استفادہ حضرت مفتی صاحبؒ
اور شاہ کمال الدین صاحبؒ سے بھی کیا[1]

خوف وخشیت عبادت وریاضت اور اتباع سنت ریاضات اور مجاہدات اور عبادات وطاعات میں مشغول
اور سرگرم رہتے تھے، رمضان المبارک میں تمام رات
عبادت میں گذارتے اور ایک لمحہ کے لئے نہ سوتے تھے اور
نہ بستر پر لیٹتے تھے، روز حشر کے خوف سے ہر وقت آنسو آنکھوں سے جاری رہتے تھے
کبھی جلال ایزدی کے خوف سے چہرہ کا رنگ زرد ہوجاتا تھا اور کبھی جمال رحمانی
کے تصور سے گلاب کی طرح چہرہ سرخ ہوجاتا تھا، زہد وتقوی خصوصی شعار تھا جو بچپن
سے طبیعت میں ودیعت رکھا ہوا تھا کبھی اتباع سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے
اور اپنے تمام دینی امور اور ظاہری و باطنی مہمات اور مشکلات کو ہمیشہ قرآن و حدیث کے
موافق پورا کرتے تھے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں ہمیشہ سرگرم رہتے تھے، اور
سنت نبویہ کے احیاء میں اپنی ساری مساعی اور پوری جدوجہد کو صرف کرتے تھے اور
کوشش کرتے تھے کہ کوئی کام اللہ رب العزت اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی رضا کے خلاف سرزد نہ ہو[2]

سلسلۂ وعظ وتذکیر اور اسفار تبلیغ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے یہاں درس
وتدریس کا سلسلہ نہ تھا۔ البتہ وعظ فرماتے تھے

---

[1] حالات مشائخ کاندھلہ ۱۲ [2] مشائخ کاندھلہ ۱۲

کبھی اس مسجد میں اور کبھی کسی دوسری مسجد میں اور کبھی گھروں میں وعظ فرماتے تھے انداز بیان سادہ ہوتا تھا جو قلوب میں اتر جاتا تھا، مجلس وعظ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رحمت خداوندی بارش کی طرح آسمان سے برس رہی ہے اور پژمردہ قلوب کو سرسبز و شاداب کر رہی ہے[1]،

ایک دفعہ رامپور تشریف لے گئے، ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا، آپنے اس کا پتہ دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ فیروزپور (پنجاب) میں ہے، وہاں سے فیروزپور تشریف لے گئے۔ اور اس کے خاوند کو تلاش کر کے ہدایت کی کہ آئندہ ہمیشہ خرچ بھیجا کرو[2]

آپ سواری پر بہت کم سوار ہوتے تھے اور اکثر پیدل سفر کرتے تھے۔ اور سامان سفر لوٹا لنگی، مشکیزہ ہوتا تھا، جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے مسلمان کوئی نہ تھا، وہاں کے لوگوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لیے کوئی جگہ بتادو، تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر جگہ بتادی، آپکے پاس روٹی تھی اسکو تناول فرماکر اسی جگہ قیام فرمایا، اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لئے جنگل میں آیا، تو حضرت کو قرآن پڑھتے سنا۔ تمام رات بیتابی سے گذاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہی جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے، اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا اور اس کی بیوی بچے وغیرہ سب مسلمان ہو گئے[3]،

جذبۂ خدمت | عبادت و ریاضت کے ساتھ جذبۂ خدمت بھی خوب

---

[1] مشائخ کاندھلہ ۱۲ [2] ایضاً [3] تذکرۃ الخلیل ۱۲

زیادہ تھا،

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کہیں تشریف لیجا رہے تھے، راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا، بوجھ کسی قدر زیادہ تھا، اس وجہ سے اس سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لیجانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا، اس بوڑھے نے ان سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو، انھوں نے کہا میں کاندھلہ رہتا ہوں، اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں، اور ان کی بہت تعریف کی مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا اور تو اس میں کوئی بات نہیں البتہ نماز ضرور پڑھ لیتا ہے[۱]، اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسے کہتے ہو، مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں، اس پر وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا، اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا، اس نے اس بوڑھے سے کہا بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں، اس پر وہ بوڑھا ان سے لپٹ کر رونے لگا۔ اور مولانا بھی اس کے ساتھ رونے لگے، یہ قصہ ارواح ثلثہ میں لکھا ہے اور اس پر حضرت

---

[۱] اس میں بظاہر تو تواضع ہے کیونکہ اپنی ذات سے متعلق ہے اور ظاہری مطلب یہ ہے کہ نماز تو سب پڑھ لیتے ہیں اس کی کیا خصوصیت ہے کہ نماز پڑھنے سے بزرگ ہو جائے، اور حقیقت میں یہ بڑی معرفت کی بات ہے کیونکہ نماز ہی وہ چیز ہے جو کمال عبدیت کا مظہر ہے اور دین کا ستون ہے اور اعمال صالحہ کا مرکز ہے اگر کوئی شخص نماز اچھی طرح پڑھتا ہو تو اس کی زندگی میں انشاء اللہ اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور وہ واقعی بزرگ ہو جائیگا، یعنی اس کا باطن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا جو بہت بڑی دولت ہے ۱۲ منہ

تھانوی رح نے یہ شعر تحریر فرمایا ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لیجاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگوانا ہوتا تو وہ پوچھ کر لا دیتے تھے، پیسہ اس زمانہ میں کم تھا جو سودا آتا تھا وہ غلہ کے بدلہ خرید کیا جاتا تھا آپ غلہ کبھی کرتہ کے پلے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں باندھ لیتے تھے اور سب کا سودا لا کر دیتے تھے[1]

سادگی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب بالکل سادہ رہتے تھے، ایک گاڑھے کا کرتہ ایک پاجامہ ایک نیلی لنگی یہ آپ کا لباس اور کل اثاثہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ صاحبزادی[2] صاحبہ نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کے لئے سی دیا تو اول تو زیب تن کرنے سے انکار فرمایا پھر بیٹی کی خوشنودگی کے لئے پہن لیا، مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا کہ میرا گاڑھے کا کرتہ دیدو اس میں عجب پیدا ہوتا ہے[3]

ایک مرتبہ پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا۔ اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے، اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی، بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھیرا تھا اور صبح ہی چلا گیا، ضرور وہی چور ہے

---

[1] مشائخ کاندھلہ ۱۲ [2] تذکرۃ الخلیل ۱۲ [3] اقول ہو کقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذہبوا بخمیصتی ہذہ الی ابی جہم واتونی بانجابیۃ ابی جہم فانہا الہتنی آنفا عن صلوتی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴)

لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو آپ نے فرمایا جھنجھانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں لے چلو، اس پر ان لوگوں کو اور بھی شبہ ہوا اور وہ جھنجھانہ ہی کے تھانہ میں لے گئے اور سپاہی کے حوالے کر دیا جس نے آپ کو حوالات میں بند کر دیا، تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور ہو گیا، عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی شرارت ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے، تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو مولانا سے خوب واقف تھے، بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آئے اور آپ کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی، پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا، آپ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو، اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت پانی پت پہنچا دیں[۱]۔

تقویٰ زمانۂ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی، دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے (کیونکہ پھول آتے ہی فصل فروخت کر دی جاتی ہے، پھل کے ظاہر ہونے اور کسی کام میں آنے کے لائق ہونے کا انتظار نہیں کیا جاتا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں بدو صلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بیع ناجائز ہے) اس لئے میں سالن نہیں کھاتا۔ حالانکہ آپ کا یہ کھانا آپ کے استاد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے یہاں سے آتا تھا، حضرت شاہ صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو حیران رہ گئے اور فرمایا ہمیں تو کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا[۲]۔

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ۱۲ [۲] ارواح ثلثہ، مشائخ کاندھلہ ۱۲

حضرت مولانا تھانوی رحؒ نے بیان فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو پہلے مالک کو سب چیز دکھلا دیا کرتے تھے (کہ دیکھو میرے پاس اتنا سامان ہے تاکہ اجرت کا معاملہ درست ہوجائے) پھر اگر بعد میں کوئی خط بھی لیکر آتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھادیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے لہذا تم مالک سے اجازت لے لو[1] (اس زمانہ میں بیل گاڑیوں پر سفر ہوتا تھا)

چھ بار حج کیا مولانا مظفر حسین صاحب نے چھ حج کیے، ایک حج مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ کے ساتھ کیا، اور ایک حج میں اہل وعیال بھی ہمراہ تھے[2]

وفات آپنے ۱۰ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعہ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا[3]، اور حضرت عثمان غنی رضؓ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔ باسٹھ[62] سال کے قریب عمر ہوئی، کرتہ، پاجامہ، لنگی، لوٹا، مشکیزہ آپنے چھوڑا، حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کردیا گیا، اور لنگی مریدین میں تقسیم کردی گئی اور کرتا و پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیجدیا گیا[4]۔

---

[1] ارواح ثلثہ ۱۲ [2] تذکرۃ الخلیل میں ص۹۹ پر لکھا ہے کہ آپ نے سات حج پیدل کیے، پھر ص۱۰۲ پر مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جو حج اہل وعیال کے ساتھ کیا ہو وہ سواری سے کیا ہو، اس طرح کل حج سات ہوجاتے ہوں واللہ اعلم [3] نزہۃ الخواطر ۱۲ [4] مشائخ کاندھلہ

امۃ الرحمٰن عرف اُمّی بی رحمۃ اللہ علیہا

(مولٰینا محمد مظفر حسین صاحبؒ کی صاحبزادی اور مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی نانی)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، امۃ السبحان، امۃ الرحمن، امۃ المنان، اول الذکر اور آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئیں، اور بی امۃ الرحمٰن اولاد والی تھیں اور عبادت میں اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ تھیں، ان کی شادی مولانا ضیاء الحسن ابن مولانا نور الحسن ابن مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب سے ہوئی تھی، بی صفیہ ان ہی کی صاحبزادی تھیں جن کی شادی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب (جد امجد حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحبؒ) سے ہوئی تھی، اکابر علماء حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ وغیرہما ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے ان کے گھر میں حضرت تھانوی کے بہت سے وعظ ہوئے، حضرت بی بی امۃ الرحمن اُمّی بی کے نام سے مشہور تھیں، ان کی نماز کی خوبی اور کثرت ذکر کی تفصیلات خاندان میں معروف مشہور تھی، بیشتر وقت نمازیں گذرتا تھا اور نماز اتنی طویل ہوتی تھی کہ شروع کرنے کے بعد کسی طرح ختم نہ ہو پاتی تھی، معمول تھا کہ سورج نکلنے کے بعد اشراق کی نماز شروع ہوتی تھی، نماز اشراق کے ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد چاشت کی نماز شروع ہو جاتی تھی، پھر کھانا کھا کر آرام فرماتی تھیں اول وقت ظہر کی نماز شروع کرتیں اور اس کے اختتام پر عصر کا وقت قریب ہوتا تھا غرض نمازوں کے درمیان بہت کم وقت بچتا تھا وہ اوراد و وظائف میں گذرتا تھا

یا کچھ دیر آرام فرماتی تھیں اور یہی روزانہ کا معمول اور دستور تھا، نماز شروع کرنے کے بعد پھر وہ دنیا ومافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتی تھیں اور محویت واستغراق میں کسی بڑے سے بڑے حادثہ کی خبر نہ ہوتی تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امی بی کی نماز کی جھلک حضرت گنگوہی کی نماز میں دیکھی اور بس ۔ پانی کی گھڑیا پاس رکھی رہتی تھی اور ہر نماز کے بعد اس میں پھونک مارا کرتی تھیں جس کو حاجتمند لوگ لے جاتے تھے اور دن بھر آنیوالوں کا تانتا بندھا رہتا تھا وہی پانی ہر مرض کی دوا اور ہر مرض کے لئے پیغام شفا تھا،

حضرت امی بی فرماتی تھیں کہ مجھے باداجی نے سات سال کی عمر میں خود بیعت کیا اور نوافل مسنون اور اوراد و وظائف مسنون تبلائے اور رمضان المبارک میں گھر کے گوشہ میں اعتکاف میں بٹھایا، اس کے بعد سے آجتک میں ان کی پابند ہوں

۴ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ بروز یکشنبہ وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ،

ؔ مشائخ کاندھلہ ۱۲

باب دوم

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے جدامجدؒ، والد ماجدؒ اور اعمام گرامی کا تذکرہ

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(جدامجد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ)

تعلیم وتدریس آپ قصبۂ جھنجھانہ میں پیدا ہوئے اور وہی آپ کا آبائی وطن تھا، قرآن پاک حفظ کر کے علوم عربیہ دینیہ کی تکمیل فرمائی اور ۱۸۵۵ء میں بہادر شاہ بادشاہ کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے یہاں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار فرمایا، نہایت عابد وزاہد متقی پرہیزگار اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے ابتداءً مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں ان کی کوئی خاص وقعت نہ تھی، انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا الٰہی بخش صاحب کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے اور سرگرداں پھرے اسی دوران کسی عارف کامل نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کی جانب رہنمائی کی، مرزا صاحب کو جب اپنی پریشانیوں سے بحالی ملی تو پھر آپ کا خصوصی اعزاز واکرام کیا اور اپنی پہلی پنشن لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے اس میں سے کچھ روپے مٹھی میں اٹھالئے جو آخر تک آپ کا ماہانہ مشاہرہ رہا، مرزا الٰہی بخش نے دہلی کو چھوڑ کر

بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، اور چونکہ چونسٹھ کھمبہ[۵۱] کے اندر احاطہ میں اور باہر اپنے لئے رہائشی مکانات تعمیر کرالئے تھے اور اس کے دروازہ پر حضرت مولانا محمد اسمعیل صاحبؒ کا رہائشی مکان تھا، چونسٹھ کھمبہ کے سامنے مرزا صاحب موصوف نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی، جس میں ایک حجرہ مولانا کی رہائش کے لئے اور ایک بڑا کمرہ ٹین پوش اپنی نشست کے لئے بنایا تھا جو بنگلہ کہلاتا تھا، اور اسی مناسبت سے یہ مسجد بنگلہ والی مسجد کے نام سے معروف ہوگئی، مرزا الٰہی بخش نے بھی آپ سے بڑھاپے میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا جو زندگی میں ختم بھی کرلیا، مرزا صاحب آپ کے نیازمند اور پورے عقیدت مند ہوگئے تھے، مشاہرہ کے علاوہ حضرت مولانا کا اور ان کے متعلقین اور خدام و وابستگان کا کھانا مرزا صاحب ہی کے یہاں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ آتا تھا

میوات سے تعلق کی ابتداء اسی دوران جب کہ بنگلہ والی مسجد میں قیام تھا ایک روز نماز کا وقت ہوگیا اور دوسرا کوئی شخص موجود نہ تھا جس کے ساتھ مل کر آپ جماعت کرلیتے، اس لئے کسی نمازی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے کچھ لوگ میوات سے آرہے تھے اور تلاش روزگار کی خاطر دہلی جارہے تھے، آپ ان کو مسجد میں لے آئے، لیکن وہ دین اور مذہب سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے، وہ چونکہ مزدوری کے لئے جارہے تھے اسلئے جو مزدوری ان کو دہلی میں ملتی اسی پر آپ نے ان کو اپنے پاس ٹھیرالیا ان کو دین سکھاتے اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے اور

---

[۵۱] بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی ایک مشہور عمارت جو ۶۴ کھمبوں پر مشتمل ہے اس کے اور مسجد بنگلہ والی (مرکز تبلیغی جماعت) کے درمیان صرف سڑک حائل ہے ۱۲

شام کو ان کو مزدوری کے پیسے اپنے پاس سے ادا کر دیتے تھے، یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی ابتدا تھی کچھ روز کے بعد جب ان لوگوں کو دین کا شوق اور عبادت کا ذوق حاصل ہو گیا تو انھوں نے مزدوری لینی چھوڑ دی اور اب دس بارہ میواتی تعلیم و تربیت کے لئے ہر وقت آپ کے پاس رہنے لگے جن کا کھانا مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں سے آتا تھا اور باقی ہر نوع کی خبر گیری حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خود فرماتے تھے، دس پندرہ طلبا ہمیشہ پاس رہتے تھے جو عموماً میواتی ہوتے تھے اور آپ انکو قرآن شریف اور ضروری مسائل کی تعلیم دیکر واپس بھیجدیتے تھے تاکہ وہ میوات میں جاکر دینی خدمات انجام دیں، آپ کے تلامذہ عابد و زاہد متقی و پرہیزگار، دیندار تہجد گذار، دین و ملت کے مخلص خدمت گذار اور شریعت کے پورے جاں نثار اور مسائل دین سے اچھی طرح واقف کار ہوتے تھے اور ان کو دینی امور میں اچھی بصیرت اور واقفیت ہوتی تھی،

ذکر و عبادت اور آئے گئے مسافروں کی خدمت، قرآن مجید کی تدریس اور دینیات کی تعلیم شب و روز مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا مشغلہ تھا، خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر آنکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھتے، اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچکر ان کو پانی پلاتے، پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی میں اس قابل نہ تھا، عام اجتماع اور ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضاء الٰہی اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے،[۱]

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۲

ہر وقت ذاکر اور باخدا رہتے تھے، مختلف اوقات و حالات کے متعلق حدیث میں جو اوراد و اذکار آئے ہیں ان کی پابندی کرتے تھے اور آپ کو مرتبہ احسان حاصل تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ سے طریق سلوک کے حصول[۵] کی خواہش کی تو حضرت موصوف نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں جو اس طریق کا مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا اس کو بھی پڑھ لوں،

---

[۵] حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ اپنی کتاب "شریعت و طریقت کا تلازم" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے دادا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نے حضرت قطب الارشاد گنگوہی سے عرض کیا کہ مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے اور تنہائی میں تشریف لیجا کر یہ عرض کیا کہ میں بیعت تو ہوں مولانا محمد یعقوب صاحب دہلویؒ سے اور تعلیم حاصل کی مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اور ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا ہی سے اتباع سنت کا شوق تھا اور جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے ہیں جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ، اور بازار میں جاتے وقت یہ، الی غیر ذلک، میں ان کا بہت اہتمام کرتا رہا ہوں اس لئے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا، یہ میری حالت ہے، اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرما دیں، مولانا نے فرمایا جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ انھوں نے فرمایا حاصل ہے، حضرت نے فرمایا بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبۂ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان بوستاں پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضییع اوقات ہے اس لئے آپ کے لئے اشغال مشائخ میں تضییع اوقات اور معصیت ہے (ارواح ثلثہ حکایت ۲۹۹) میں نے یہ قصہ اپنے اکابر سے بھی سنا اور ان میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا جواب یہ سنا تھا کہ جیسا حافظ قرآن یوں کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا وہ بھی مجھے پڑھا دیجئے۔ (انتہی)

مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت اور ورد سے خاص شغف تھا، رات کو خاص اہتمام تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا رہے اور طاعت وعبادت میں مشغول رہے، چنانچہ بارہ ایک بجے تک منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ مطالعہ میں مشغول رہتے اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ بیدار ہو جاتے اور مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سو جاتے، پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد صاحب کو بیدار کر دیتے،

آپ کی طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی بے ہمہ ایسے تھے کہ اللہ نے باہمہ بنا دیا تھا، آپ کی للّٰہیت، خلوص اور بے نفسی ایسی آشکارا تھی کہ دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو اس زمانہ میں ایک دوسرے سے سخت متوحش اور متنفر رہتی تھیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا ان کے پیشواؤں کو آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی[1]،

ازواج واولاد

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے ایک صاحبزادہ حضرت مولانا محمد صاحب پیدا ہوئے (جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے اور مسجد بنگلہ والی کا مدرسہ آپ کے بعد سنبھالا) دوسری شادی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی نواسی سے ہوئی، جس کا واقعہ ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی مفصل بیان کیا جائیگا، ان سے دو[2] صاحبزادے یعنی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب پیدا ہوئے، ان دونوں حضرات کی ایک حقیقی بہن بھی تھی جن کی شادی مولانا رضی الحسن صاحب سے ہوئی تھی مولانا رضی الحسن صاحب نے بھی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے

---

[1] ایضاً ۱۲

دورہ پڑھا تھا، اور حدیث کے اسباق میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے رفیق تھے، بزمانۂ طالب علمی دونوں لال مسجد گنگوہ میں مقیم تھے، بخاری اور ترمذی کی تقاریر جو حضرت گنگوہی قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے اس کو مولانا رضی الحسن اردو میں ضبط فرماتے تھے اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت گنگوہی کی تقاریر کو عربی میں محفوظ کر لیتے تھے، مولانا حافظ محمد اکرام الحسن مولانا رضی الحسن صاحب کے صاحبزادہ تھے جن کے فرزند حضرت مولانا انعام الحسن صاحب موجودہ امیر تبلیغی جماعت بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں اپنے فیوض کے ساتھ بقید حیات ہیں،[۱] اطال اللہ بقاءہ[۲]۔

جھنجھانہ کے بجائے کاندھلہ

کاندھلہ سے تعلق اس طرح پیدا ہوا کہ ۱۲۸۵ھ میں آپ ایک بارات میں کاندھلہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا ایک پرتاثیر وعظ ہوا، اس وقت مولانا محمد مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی اُمّی بی نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ دین اور علم ہمارے خاندان سے برابر کم ہوتا جارہا ہے ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائے، مجھے مولوی محمد اسمٰعیل دیندار ذی علم معلوم ہوتے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی بڑی لڑکی کی ان سے شادی کر دوں تاکہ ان روابط اور تعلقات کے ذریعہ خاندان میں علم اور دین کی بنیادیں مستحکم اور استوار ہو جائیں مگر چونکہ اس وقت حضرت مولانا کی عمر بہت کافی تھی اور ان کی صاحبزادی بہت کم عمر اور کمسن تھی اس لئے ہر ایک کو تأمل تھا۔ مگر اُمّی بی رحمۃ اللہ علیہا نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور زور دیکر اسی وقت حضرت مولانا

---

[۱] از حالات مشائخ کاندھلہ ۱۲ [۲] یہ سطور جس وقت لکھی گئیں تھیں مولانا انعام الحسن صاحب بقید حیات تھے۔ چنانچہ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کر کے رخصت بھی کر دیا۔ آئے تھے دوسرے کی بارات میں اور ساتھ لے چلے اپنی دلہن، اس طور پر کاندھلہ والے خاندان کا رخ دین اور علم دین کی طرف پلٹا اور دینداری نمایاں اور غالب نظر آنے لگی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ بھی اس خاندان کے ساتھ ایسے مربوط اور وابستہ ہوئے کہ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی ہی بن گئے، مولانا حکیم محمد شریف صاحبؒ کے صاحبزادہ مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے پڑپوتے شیخ الاسلام کی اولاد پہلے ہی سے کاندھلہ ہی میں سکونت اختیار کر چکی تھی جن میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی یہ دوسری شادی ہوئی،

مؤلف مشائخ کاندھلہ مذکورہ بالا شادی کا واقعہ تحریر فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ

> "درحقیقت یہ حضرت دادی صاحبہ اُمّی بی کی انتہائی دوراندیشی اور اعلیٰ کارنامہ تھا جس کے باعث مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے خاندان کا رخ پلٹنے نہ پایا اور جس قدر پلٹ گیا تھا وہ بھی راہ راست پر آگیا، اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور ان کے نامور فرزندوں نے اس خاندان کی خبرگیری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جو سرپرستی اور رہنمائی اب تک جاری اور باقی ہے۔"

اُمّی بی صاحبہ کی یہ صاحبزادی جن کا نکاح حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ہوا ان کا نام بی صفیہ تھا (جو حضرات شیخین مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہما کی والدہ ماجدہ تھیں)، انھوں نے شادی کے بعد قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور اس قدر یاد تھا کہ ایک منزل روزانہ بلاناغہ تلاوت کرتی تھیں،

اس کے علاوہ روزانہ کے معمولات یہ تھے،

"درود شریف پانچ ہزار (۵۰۰۰) اسم ذات اللہ پانچ ہزار (۵۰۰۰)
بسم اللہ الرحمن الرحیم انیس سو مرتبہ (۱۹۰۰) یا مغنی گیارہ سو (۱۱۰۰) لا الٰہ الا اللہ
بارہ سو (۱۲۰۰) یا حی یا قیوم دو سو (۲۰۰) حسبی اللہ ونعم الوکیل پانچ سو (۵۰۰) سبحان اللہ
دو سو (۲۰۰) اللہ اکبر دو سو (۲۰۰) لا الٰہ الا اللہ دو سو (۲۰۰) اللہ اکبر دو سو، استغفار
پانچ سو (۵۰۰) افوض امری الی اللہ سو (۱۰۰) حسبنا اللہ ونعم الوکیل سو (۱۰۰)۔
رب انی مغلوب فانتصر سو (۱۰۰) رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین سو (۱۰۰)
لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سو (۱۰۰)

رمضان المبارک میں ہمیشہ چالیس پارہ روزانہ پڑھتی تھیں[1]

بیماری اور وفات حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو کر دہلی منتقل ہوئے، اور کھجور والی مسجد واقع ترا ہا بہرام خاں دہلی میں بغرض علاج قیام فرمایا، مگر چونکہ وقت موعود آچکا تھا اس لئے ۴ر شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ر فروری ۱۸۹۸ء کو انتقال فرمایا "اِنَّ العَاقِبَةَ لِلمُتَّقِینَ" تاریخ وفات ہے

مقبولیت عامہ کا اندازہ اس سے ہوگا کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ساڑھے تین میل ہے) کاندھا دینے کا موقع نہ ملا،

جنازہ میں مختلف جماعتوں کے بکثرت لوگ شریک تھے اور مختلف العقیدہ

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۲

اور مختلف الخیال لوگ اس موقع پر مجتمع تھے، مولانا کے منجھلے صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں اور نماز پڑھانے کیلئے ان کو اشارہ کر دیں اور دوسری جماعت کے لوگ اور ان کے پیشوا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب صورت پیش آئے، اسلئے میں نے کہا کہ میں خود نماز پڑھاؤں گا، چنانچہ میرے پیچھے سب نے اطمینان کے ساتھ نماز جنازہ ادا کر لی اور کوئی اختلاف وانتشار پیدا نہیں ہوا، جنازہ میں اتنا ہجوم اور ایسی کثرت تھی کہ لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے دفن میں کچھ تاخیر ہوئی، اس عرصہ میں ایک صاحبِ ادراک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کر دو میں شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں،

مسجد بنگلہ والی واقع بستی حضرت نظام الدین اولیاء کے ایک گوشہ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے[۱]،

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ کو اپنے دادا جان یاد ہیں؟ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے میری پیدائش سے چند روز بعد انتقال فرمایا اور یوں فرمایا کہ ہمارا بدل آگیا اب ہمیں جانا ہے۔

---

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۔ حالات مشائخ کاندھلہ ۱۲

حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عم اکبر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب قدس سرہ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے جو ایک فرشتہ سیرت انسان تھے حلم و تواضع، رحمت و شفقت اور تشیت و انابت کی مجسم تصویر اور عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (الآیۃ) کا ایک نمونہ تھے، کم گو، بے آزار، عزلت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے، حدیث حضرت گنگوہی قدس سرہ سے پڑھی تھی، متوکلانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، بستی حضرت نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا، جو مدرسہ ان کے والد مرحوم کا جاری کیا ہوا تھا اس میں تعلیم دیتے تھے، اس وقت اس میں قرآن مجید اور اس کے علاوہ ابتدائی دینی تعلیم ہوتی تھی اور زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے جس کا ذکر ان کے والد ماجد کے تذکرہ میں گذر چکا ہے، توکل و قناعت پر مدرسہ کا کام چلتا تھا، دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور دونوں جگہ آپ کا فیض جاری تھا،

مولانا محمد صاحب کی صورت سے تقوے کا سبق ملتا تھا، انوار کی چہرہ پر نہایت کثرت تھی، اکثر وعظ بھی فرماتے تھے مگر بیٹھ کر جیسے کوئی باتیں کرتا ہو، مسلسل تقریر کی صورت نہیں ہوتی تھی بلکہ اخلاق و زہد کی احادیث سناتے اور ان کا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرما دیتے،

حضرت مولانا محمد صاحبؒ نہایت ذاکر شاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے

انتقال سے پہلے سولہ سال تک نماز تہجد فوت نہیں ہوئی، آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی[1]،

مسجد بنگلہ والی میں حضرت مولانا محمد صاحب کے زمانہ میں ۲۰-۲۵ طالب علم رہتے تھے جو خود ہی روٹی پکاتے تھے اور خود ہی جنگل سے لکڑیاں لاتے، حضرت مولانا اپنی کسر نفسی اور سادگی کی وجہ سے خود بھی طلبا کے ان کاموں میں شریک رہتے تھے گویا اصل کرنے والے اور ذمہ دار وہ ہوتے اور طلبا محض معین و مددگار ہوتے طلبہ کی تربیت اتنی اعلیٰ ہوتی کہ طلبا دیندار، پختہ کار، نیک کردار، متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے، آپ میں عمومی خدمت کا عام جذبہ تھا، ہر ایک کی خدمت گذاری اور خبر گیری خود فرماتے تھے، کاندھلہ جب کبھی تشریف لاتے تو ہر ایک سے دہلی کا کام اور ضرورت معلوم کرتے پھر سب کی فرمائشوں کو حسن و خوبی کے ساتھ پورا فرماتے،

قصبہ جھنجھانہ میں آپ کی معقول جائداد اور متعدد مکانات تھے، مگر آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا، سب دوسروں کے قبضہ اور تصرف میں تھی، جب کبھی جھنجھانہ تشریف لیجاتے تو کسی سے کوئی مطالبہ نہ فرماتے از خود اگر کوئی کچھ دیدیتا تو اس کو قبول فرمالیتے۔

ایک مرتبہ آپ جھنجھانہ تشریف لے گئے، آپ کے بڑے مکان میں ایک بڑے میاں رہتے تھے جو بڑے دیندار تھے، قاضی صاحب جن کی نگرانی میں وہ مکان تھا ان بڑے میاں پر بڑی سختی کرتے تھے، رعایا کی طرح خوب خدمت لیتے اور روزانہ زدوکوب کرتے اور گھنٹوں کان پکڑواتے، ان بڑے میاں نے سارا ماجرا حضرت مولانا محمد صاحب سے ذکر کیا، آپ ان کو قاضی صاحب کے پاس لے گئے اور نہایت نرمی کے ساتھ

---

[1] مولانا محمد الیاس صاحب اور انکی دینی دعوت ۱۲

فرمایا کہ قاضی جی ان پر اس قدر سختی نہ کیا کرو، قاضی جی نے غصہ سے کہا کہ آپ مولوی ہیں زمینداروں کے قصوں کو نہیں سمجھتے سختی کے بغیر یہ لوگ قابو میں نہیں رہ سکتے آپنے فوراً دوات اور قلم اٹھایا اور مکان کا ہبہ نامہ بڑے میاں کے نام لکھ کر ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا اب تم اس کے مالک ہو، پھر قاضی صاحب سے فرمایا معلوم بھی ہے جس شخص پر تم زیادتی کرتے ہو یہ صاحبِ خدمت بزرگ ہیں، اگر کبھی بد دعا کر دی تو تباہ ہو جاؤ گے،

طبیعت انتہائی غریب اور غربا پسند پائی تھی اور غربا ہی کے ساتھ ہم نشینی رکھتے تھے، کاندھلہ میں امیر اعزا، کے اختلاط سے گریز کرتے اور بیشتر وقت دیندار غربا کے ساتھ گذارتے، کاندھلہ میں آپ کا زیادہ وقت ملا نظام الدین کے پاس گذرتا جو ایک دیندار بزرگ تھے، یا حضرت گنگوہی کے منتسبین اور اپنے والد کے مریدوں کے پاس وقت گذارتے تھے اپنا اور دوسروں کا بیشتر کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے اور اپنے غریب ملنے والوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں منہمک رہتے

ایک مرتبہ ایک میواتی غریب نے اپنے قرض کی پریشانی کا اظہار کیا، قرض چونکہ بہت زیادہ تھا اس لئے آپنے اس کو چاندی بنانے کا نسخہ بتایا اور یہ تاکید فرمائی کہ قرض اتر جانے کے بعد پھر کبھی اس نسخہ سے چاندی نہ بنانا، چنانچہ اس شخص نے اس نسخہ سے چاندی بنا کر اپنا سارا قرضہ اتار دیا، لیکن اپنی حماقت سے ان کی ہدایت کے خلاف پھر چاندی بنانی چاہی تو ناکام رہا،

آپ کے ملنے والوں اور تعلق رکھنے والوں میں دینداری کا ایک خصوصی رنگ اور عمومی خیر خواہی اور ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پایا جاتا تھا جس کے باعث وہ

دوسروں سے نمایاں نظر آتے تھے،

آخر میں بیمار ہوکر دہلی منتقل ہوئے اور قصاب پورہ نواب والی مسجد میں بغرض علاج قیام فرمایا اور شب جمعہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو عشاء کی نماز کے بعد وتر کے سجدہ میں انتقال فرمایا، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، جنازہ کو نظام الدین لیجاکر والد بزرگوار حضرت مولانا اسمعیل صاحبؒ کی آغوش میں سپرد خاک کیا گیا[1]

آپ کی ایک صاحبزادی تھی جن کی شادی مولوی علاء الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر کے ساتھ ہوئی،

---

[1] مشائخ کاندھلہ ۱۲

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عم اصغر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ

ولادت اور ابتدائی تعلیم ۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے "الیاس اختر" تاریخی نام ہے، آپ اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ۱۵ سال چھوٹے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے بارہ سال بڑے تھے قدس اللہ اسرارہم، آپ کا بچپن اپنی نانیہال کاندھلہ اور اپنے والد بزرگوار کے پاس نظام الدین میں گذرا، قرآن مجید کی تعلیم کے لئے کاندھلہ کے مکتب میں حافظ منگتو صاحبؒ کے پاس بٹھائے گئے۔ اور پارہ سوا پارہ تک پڑھا، باقی قرآن شریف والد صاحب سے نظام الدین میں حفظ کیا، جس کا خاندان میں عام رواج تھا اور شاذ ونادر ہی کوئی غیر حافظ ہوتا تھا قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار اور مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھیں، نظام الدین کے قیام میں والد صاحب سے پڑھتے اور کاندھلہ کے قیام میں مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھتے تھے، اور فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں بھی اسی طرح پڑھیں لیکن اس طرح تعلیم کا صحیح نظام اور باقاعدگی نہ ہوتی تھی جس کی وجہ سے کافی حرج ہوتا تھا،

گنگوہ کا قیام حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی کی تعلیم معقول نہیں ہو رہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لیجاتا ہوں، والد صاحب نے اجازت دیدی، اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے اور یہاں بھائی سے پڑھنا شروع کردیا،

گنگوہ اس وقت صلحاء اور فضلاء کا مرکز تھا، ان حضرات کی اور خود حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی قدس سرہٗ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو شب و روز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا وہ زمانہ گنگوہ میں گذرا، جب گنگوہ آئے تو دس۱۰ گیارہ۱۱ سال کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہی نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے تقریباً دس سال کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا،

مولانا محمد یحییٰ صاحب کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو،

مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے کہ اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔

علالت کے باعث تعلیم کا انقطاع اور دوبارہ اجراء

مولانا شروع ہی سے نحیف اور لاغر تھے گنگوہ کے قیام میں ایک مرتبہ آپ کی صحت خراب ہو گئی درد سر کا ایسا دورہ پڑا کہ مہینوں سر جھکا نا حتی کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی بہت زیادہ دشوار ہو گیا، اس بیماری اور ضعف دماغ کی وجہ سے سلسلۂ تعلیم ختم ہو گیا اور دوبارہ جاری کرنے کی امید نہ تھی۔ آپ کا اصرار تھا کہ میں پڑھوں اور

عزیزوں و ہمدردوں کا مشورہ تھا کہ مسلسل آرام کریں ایک روز مولانا محمد یحییٰ صاحب نے فرمایا کہ آخر پڑھ کر ہی کیا کروگے؟ مولانا نے فرمایا جی کر ہی کیا کروں گا (ماشاء اللہ کیا مبارک جواب ہے علوم قرآن و حدیث کا قدر دان ہی ایسا جواب دیسکتا ہے)

مطالعہ پر پورا زور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا دستور تھا کہ وہ سارا زور مطالعہ پر دیتے تھے اور اس طرح مطالعہ کراتے تھے کہ کوئی خلجان اور کوئی بات بے سمجھی نہ رہے، پھر درس کے وقت اس کو اس طرح سنتے کہ گویا پڑھا ہوا سبق سنا رہا ہے، بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو مولانا محمد الیاس صاحب کا مطالعہ سن کر جب اطمینان ہوجاتا تھا تو فرما دیتے کہ جاؤ ساتھیوں کو کہلوادو، اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ وہ سبق ساتھیوں اور ہم سبقوں کو پڑھا دیتے، نیز نیچے کی جماعتوں کے اسباق بھی بیشتر اوپر کی جماعتوں سے پڑھوایا کرتے۔ اس طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی اور قابلیت اور استعداد ہر طرح سے تام ہو جاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت الاستاذ کی نگرانی میں تمام کتابوں کو بار بار پڑھایا (مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ کا طرز تعلیم مجتہدانہ تھا، عام طور پر جو طریقہ تدریس کا رائج تھا اس سے مختلف تھا جس کی تفصیل ان کے حالات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ نے ۱۳۲۶ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کے درس میں شریک ہو کر صحیح بخاری اور سنن ترمذی کی سماعت کی، مولانا محمد یحییٰ صاحب سے چار ماہ میں پورا دورۂ حدیث پڑھا، جس کا عجیب واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اس طرح بیان فرمایا کہ مولوی شبیر محمد صاحب

ولایتی ہندوستان میں عربی پڑھنے آئے اور مختلف مدارس میں معقول کی کتب اتنی کثرت سے پڑھیں کہ لاتعد ولاتحصی، جہاں کہیں منطق کے استاد ملے وہیں پہونچے بارہ[۱۲] چودہ[۱۴] برس کے بعد گھر والوں کے شدید تقاضوں پر گھر گئے کہ لڑکی کے گھر والوں کے تقاضے کافی عرصے سے ہو رہے تھے، ان کے جانے پر بڑا استقبال ہوا کہ ہندوستان سے علم پڑھ کر آئے ہیں، بڑے زور وشور سے شادی کا اہتمام وانتظام ہوا، ایک مولانا صاحب ابن ماجہ لے کر ان کے پاس آئے کہ میری صحاح کی سب کتب ہو چکیں صرف ابن ماجہ شریف رہ گئی ہے۔ یہ حدیث پڑھ کر نہ گئے تھے، اس لئے بڑی شرم آئی کہ علامہ ہونے کی اتنی شہرت ہو رہی ہے، انھوں نے ان سے تو معذرت کی میں اپنی بدقسمتی سے حدیث پاک کے سوا سب ہی کچھ پڑھ کر آیا ہوں۔ مگر میں ایک حدیث کا استاد ہندوستان میں دیکھ کر آیا ہوں، ان شاء اللہ چند ماہ بعد حدیث پڑھ کر آؤں گا اور تم کو ضرور پڑھاؤنگا شادی ہو گئی، شب زفاف میں بیوی سے بہت منت سماجت سے یہ سارا قصہ کہکر چند ماہ کی اجازت مانگی اور یہ بھی کہا کہ لوگ تجھے طعن دیں گے، کوئی کچھ کہیگا اور کوئی کچھ کہیگا کوئی کہے گا کہ بیوی سے نفرت ہو گئی، مجھے اللہ کی قسم تو بہت ہی پسند آئی اور چیاں جنیں (مجھے اس میں تردد ہے کہ دوسرے دن بھاگ آئے یا تیسرے دن) اور چپکے سے بلا اطلاع وہاں سے چل کر سیدھے گنگوہ پہونچے اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے پورا قصہ سنایا۔ ان کو میں نے بھی دیکھا اور خوب دیکھا میں نے ان کا پڑھنا بھی دیکھا اور مطالعہ بھی دیکھا وہ ولایتی تھے قرارت ان سے نہ ہوتی تھی، عشاء کی نماز کے بعد والد صاحب کے یہاں سبق شروع ہوتا تھا اور سحر کے وقت ختم ہوتا تھا، قرارت کبھی میرے والد صاحب خود فرماتے اور کبھی چچا جان، زیادہ تر چچا جان فرماتے، اور ان ولایتی مولوی صاحب پر

مجھے بہت ہی رشک آتا تھا. میں نے ان کو کسی وقت دن میں خالی نہیں دیکھا، لال مسجد کی چھت کے اوپر ایک حجرہ تھا اسی میں ان کا قیام تھا، اس میں پڑے رہا کرتے تھے، میرے والد کے ایک شاگرد مولوی سعید گنگوہی مرحوم تھے ان کے ذمے ان کا کھانا لانا تھا جو میرے والد صاحب نے کسی کے گھر مقرر کر رکھا تھا، مولوی سعید سے مولانا شیر محمد صاحب نے یہ کہہ رکھا تھا کہ کھانا لا کر اس طاق میں رکھ دیا کرو اور سالن تم لیجایا کرو، وہ سالن تو دونوں وقت اپنے گھر لیجاتے اور کچھ بڑھیا مال ہوتا تو وہیں صاف کر دیتے، ولایتی مولوی صاحب ہر وقت چادر اوڑھے رکھتے تھے اس چادر کو پھیلا کر مولوی سعید اس پر رکھ دیتے، میں نے ان کو روٹی کھاتے دیکھا ہے کہ مطالعہ بڑے غور سے کرتے رہتے خوب حاشیہ وغیرہ دیکھتے، اور ایک لقمہ توڑ کر بغیر سالن کے منہ میں رکھ لیتے، اور پان کی طرح اس کو چبا لیتے، ساری روٹی بغیر سالن کے کتاب پر جھکے ہوئے کھا لیتے اور کھا کر لوٹے میں جو پانی رکھا رہتا اس کو پی لیتے، گرم ہو یا ٹھنڈا، مجھے اس وقت بھی ان کے مطالعہ پر بڑا رشک آتا تھا حالانکہ میں اسوقت بہت ہی بچہ تھا اور اب جب کبھی وہ منظر یاد آتا ہے بڑا لطف آتا ہے، اور حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی کا مقولہ کہ "کام تو یوں ہوا کرے" مگر پڑھنے اور پڑھانے ناؤں دونوں ہی کا کمال تھا کہ ساری رات پڑھنے پڑھانے میں ہی خرچ فرما دیتے تھے،[۵۱]

غرض کہ مولانا شیر محمد ولایتی کے ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث کی باقی کتب پڑھ لیں اور اس کے لئے مولانا ولایتی کی حاضری سبب بن گئی رحمہم اللہ تعالیٰ

---

[۵۱] آپ بیتی نمبر ۴ از ص۱۵۵ تا ص۱۵۷

حدیث کا ذوق اور علوم میں مہارت

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ماہر استاذ یعنی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے پڑھا تھا، پھر مظاہر علوم میں آٹھ سال پڑھایا، اس کے بعد مسجد بنگلہ والی میں درس دیتے رہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب نے دورہ کی کتابوں کی آپ ہی سے تکمیل کی (کیونکہ درمیان سال میں مظاہر علوم سے چلے آئے تھے) بعد میں گو جماعت کے کام میں بہت انہماک ہو گیا تھا لیکن علوم کا استحضار اسی طرح سے تھا جیسے ایک مدرس کو ہوتا ہے، احقر زمانۂ طالب علمی میں ایک بار حاضر خدمت ہوا، حدیث کی ایک کتاب (غالباً مجمع الزوائد) سے پڑھ کر کچھ سنانے لگا، پڑھتے پڑھتے احقر نے کسی عبارت کے بارے میں عرض کیا کہ یہاں مبتدا پر خبر مقدم ہے فوراً ارشاد فرمایا کہ جی ہاں اس میں نحویوں کا اختلاف ہے اس کے علاوہ ایک قول اور بھی ہے،

حدیث اور کتب حدیث کے مذاکرہ اور مطالعہ کا خاص ذوق تھا جو مولانا محمد یحییٰؒ صاحب سے ملا تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ چچا جان کی زبان میں کچھ لکنت تھی جو بات چیت میں تو بالکل ظاہر نہ ہوتی تھی مگر تقریر اور سبق میں بھی تقریر زور سے ہوتی تو اس کا اثر ظاہر ہوتا جس کی بنا پر بعض طالب علم کبھی شکایت بھی کرتے تھے، مگر مجھ سے متعدد لوگوں نے بیان کیا کہ ان سے پڑھنے والے علمی حیثیت سے بہت اونچے پہونچے۔[۵]

---

[۵] آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۱۵۸

حضرت گنگوہی سے بیعت و تعلق

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش اور درخواست پر بیعت فرما لیا تھا،

مولانا کی فطرت میں شروع سے محبت کی چنگاری تھی، آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھکر صرف چہرہ دیکھنے کے لئے جاتا، زیارت کر کے پھر آ کر سو رہتا، حضرت گنگوہیؒ کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی، فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے بھائی سے کہا کہ حضرت اجازت دیدیں تو میں حضرت کی خلوت کے اوقات میں باہر سہ دری میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کروں۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے ذکر کیا تو فرمایا مضائقہ نہیں، الیاس کی وجہ سے میری خلوت اور طبیعت میں انتشار نہ ہو گا،

حضرت مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے یہی شکایت حضرت حاجی صاحب سے کی تھی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا (مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو اللہ تعالیٰ نے بنا ر دار العلوم دیوبند کا اور شاہجہاں پور میں تمام غیر مسلم اقوام کے کثیر مجمع میں حقانیت اسلام ثابت کرنے اور اسلام کو دینِ خداوندی ثابت کرنے کا کام لیا، اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عمومی دعوت و تبلیغ کا کام شروع کرایا جو الحمد للہ سارے عالم میں جاری اور ساری ہے

حضرت گنگوہی کی وفات ۱۳۲۳ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی وفات ہوئی، مولانا محمد الیاس صاحب اس وقت بالین پر موجود تھے اور سورۂ یٰس پڑھ رہے تھے، اس حادثہ کا اثر جو قلب پر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھکر ہوئے، ایک والد کا انتقال ایک حضرتؒ کی وفات، اور فرمایا حضرت ہم تو ساری عمر کا رونا اسی روز رو لیئے جس روز حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے، (حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی، ایک مرتبہ مظاہر علوم تشریف لائے، احقر اسوقت وہاں پڑھتا تھا ایک طالب علم کے ساتھ حاضر خدمت ہوا، میرے ساتھ جو طالب علم تھے وہ جماعت کے کام سے واقف تھے، مولانا ان سے چھ نمبر سن رہے تھے اسی دوران فرمایا کہ "وہ آنکھیں بہت مبارک ہیں جنھوں نے حضرت گنگوہی کو دیکھا" او کما قال،

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے رجوع اور تکمیل سلوک حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی آپ نے مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ نے حضرت سہارنپوریؒ سے اپنا تعلق کر لیا، اور حضرت کی نگرانی اور رہنمائی میں منازل سلوک طے کئے،

عبادت اور نوافل کا انہماک گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا، شاید

سارے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اس زمانے میں ان سے ابتدائی فارسی پڑھتے تھے، ان دنوں ان کا دستور یہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی قدس سرہ کے روضہ کے پیچھے ایک بوریہ پہ بالکل خاموش دوزانو بیٹھے رہتے تھے، ہم لوگ حاضر ہوتے اور کتاب ان کے سامنے رکھکر انگلی کے اشارہ سے سبق کی جگہ ان کو بتلا کر سبق شروع کر دیتے تھے اور فارسی شعر پڑھتے تھے اور ترجمہ کرتے تھے، جہاں ہم نے غلط پڑھا انگلی کے اشارے سے انھوں نے کتاب بند کر دی اور سبق ختم، اس کا مطلب ہوتا کہ دوبارہ مطالعہ دیکھ کر آؤ، نیز اس زمانہ میں نوافل کا بھی بیحد زور تھا، مغرب کے بعد عشاء سے کچھ پہلے تک نوافل میں مشغول رہتے تھے، اس وقت آپکی عمر ۲۰-۲۵ سال کے درمیان تھی، اذکار و اشغال، نوافل و عبادات کیساتھ شروع ہی سے مجاہدانہ جذبات سینہ میں موجزن تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جذبۂ شوق اور اس عزم و نیت سے آپ کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر "بیعت جہاد" بھی کی تھی۔ وہی جذبات کام کرتے رہے اور امت کے لئے فکرمند ہو کر تبلیغی کام شروع فرمایا)

مظاہر علوم میں تدریس | شوال ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور سے ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا، جس میں مدرسہ مظاہر علوم کے اکثر بڑے بڑے حضرات مدرسین شریک تھے، اس موقعہ پر متعدد نئے اساتذہ کا تقرر ہوا، اسی سلسلہ میں مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی نئے مدرسین میں شامل ہوئے اور متوسط کتابیں آپ کو دی گئیں حضرات حجاج کی واپسی کے بعد دوسرے جدید اساتذہ سبکدوش ہو گئے، مگر

مولانا موصوف بدستور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے ،

مولانا کے برادر اکبر حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ (جو ان کے استاد تھے) ان کے درس میں کتابوں کے پورا کرنے کا معمول نہ تھا، اور بیماری کی وجہ سے بھی بعض درمیانی کتابیں رہ گئیں تھیں ، آپ نے زمانۂ تدریس میں یہ کتابیں بھی پڑھائیں جن کا پڑھنا رہ گیا تھا، البتہ پڑھانے کے زمانے میں مطالعہ کی طرف بڑی توجہ تھی ، کنز الدقائق کیلئے البحرالرائق شامی، اور ہدایہ دیکھتے تھے اور نور الانوار کیلئے حسامی کی شروح وتوضیح وتلویح مطالعہ میں رہتی تھیں ،

نکاح ۱۳۳۰ھ میں مولانا کی شادی ہوئی، مجلس نکاح میں اکابر ثلثہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمہم اللہ تعالیٰ شریک تھے ، حضرت تھانوی قدس سرہ کا مشہور وعظ "فوائد الصحبۃ" اسی موقعہ پر کاندھلہ میں ہوا ،

سفر حج ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حج کا قصد فرمایا، مولانا کو جب اس کا علم ہوا تو حج کے لئے بہت بیقرار ہوئے ، فرماتے تھے کہ مجھے ان حضرات کے بعد ہندوستان تاریک ہوتا نظر آیا اور یہاں کا رہنا مشکل معلوم ہونے لگا، لیکن اجازت کا مرحلہ درپیش تھا، عجب کشمکش کی حالت تھی ، ہمشیرہ (والدہ مولوی اکرام الحسن صاحب) نے یہ بیقراری دیکھی تو کہا میرا زیور لے لو اور چلے جاؤ، امید نہ تھی کہ والدہ صاحبہ آسانی سے اجازت دیدیں گی اور اتنی طویل مفارقت اور اتنا دور دراز کا سفر گوارا کریں گی ، مگر الحمد للہ انھوں نے اجازت دیدی ، دوسرا مرحلہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کی اجازت

کا تھا انھوں نے یہ سمجھ کر کہ والدہ اجازت نہ دیں گی ان کی اجازت پر محول کر دیا
نہ اجازت دے چکی تھیں، آخری مرحلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی اجازت کا تھا اور وہ بمبئی تشریف لیجا چکے تھے اس لئے فوراً ان کی خدمت میں بمبئی خط
لکھا اور سامان سفر کی سب صورتیں لکھ دیں کہ ایک صورت یہ ہے کہ ہمشیرہ کا زیور لے لیا
جائے، دوسرے قرض روپیہ لے لیا جائے تیسرے بعض اعزہ روپیہ دے رہے ہیں
حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کی اجازت دیدی بشرطیکہ آخری صورت
اختیار کی جائے۔

آپ روپیہ لے کر فوراً بمبئی روانہ ہو گئے وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا
خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے جہاز سے روانہ ہو چکے، لیکن حضرت شیخ الہند
مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس جہاز سے نہیں جا سکے دوسرے جہاز سے جانے
والے ہیں، خلاف امید یہ ہمرکابی نصیب ہو گئی اور آپ دوسرے جہاز سے شوال سنہ ۱۳۲۳ھ
میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے ہمراہ روانۂ حجاز ہوئے، اور ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۴ھ
میں واپس آکر مدرسہ میں فرائض تدریس میں بدستور مشغول ہو گئے،

بھائیوں کی وفات حج کے اگلے سال ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ میں حضرت
مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے انتقال فرمایا، یہ سانحہ آپ کے لئے بڑا صبر آزما تھا،
حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مربی تھے اور استاد بھی نیز شفیق
بھائی بھی،

اپنی امتیازی خصوصیات اور محبوبیت و مقبولیت عامہ کی وجہ سے پورے
حلقۂ احباب کو حضرت مولانا کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوا لیکن حضرت مولانا

محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر اس صدمہ کی جو چوٹ لگی اس کا درد اخیر تک محسوس ہوتا تھا، معمول تھا کہ جب مرحوم بھائی کا ذکر کرتے تو ایک محویت سی طاری ہو جاتی تھی اور سب کچھ بھول جاتے،

اس سانحہ کے ایک سال اور چند ماہ بعد آپ کے سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو وصال ہوا، پھر اسی سال ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ کو آپ کی والدہ ماجدہؒ نے انتقال کیا، جن کے ساتھ آپ کو والہانہ اور نیاز مندانہ تعلق تھا،

بستی حضرت نظام الدین منتقل ہونے کی تجویز

آپ بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کی تیمارداری کیلئے پہلے سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے ان کے انتقال کے بعد اس خاندان کے محبین اور معتقدین نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ یہیں قیام فرمائیں اور اپنے بزرگوں کی جگہ کو آباد رکھیں، حاضرین نے مدرسہ کی اعانت و خدمت کا بھی وعدہ کیا، اور مصارف کے لئے کچھ رقمیں مقرر کیں جو آپ نے اپنے اصول اور خاص شرائط کے ساتھ منظور کیں، لیکن اپنی آمد کو حضرت سہارنپوریؒ کی اجازت پر معلق کیا، انھوں نے کہا کہ ہم خود جا کر اجازت لے آئیں آپ نے فرمایا اس طرح صحیح منشا معلوم نہیں ہو سکتا، میں خود سارے حالات سامنے رکھوں گا پھر جو حضرتؒ کا اصلی منشا ہو گا اس کے مطابق عمل کروں گا۔

بھائی صاحب مرحوم کی تجہیز و تکفین اور مدرسہ نظام الدین کے عارضی انتظام سے فرصت پا کر آپ سہارنپور آئے اور حضرت سہارنپوری سے ساری کیفیت بیان کی

اہل تعلق کے پیہم اصرار اور اس چشمۂ فیض کے جاری رہنے کے خیال سے جو قدسی سیر باپ بیٹوں (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما) کی ذات سے فیض رساں تھا حضرت سہارنپوریؒ نے نظام الدین منتقل ہونے کی اجازت دیدی اور ازراہ احتیاط فرمایا کہ فی الحال تجربہ کے لئے مدرسہ سے ایک سال کی رخصت لی جائے، اگر وہاں کا قیام راس آئے اور مستقل سکونت کی رائے قرار پاجائے تو مستقل علیحدگی ہر وقت ممکن ہے،

شدید بیماری

اس اجازت اور مشورہ کے مطابق آپ نے مہتمم صاحب مدرسہ مظاہر علوم کی خدمت میں باضابطہ درخواست پیش کرکے رخصت حاصل کرلی، رخصت حاصل کرنے کے بعد نظام الدین پہونچنے نہ پائے تھے کہ مولانا سخت علیل ہوگئے، ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۳۶ھ کو سہارنپور سے کاندھلہ پہنچے زیادہ قیام کی نیت نہ تھی. مگر وہاں پہنچ کر نمونیہ کا شدید دورہ ہوا، ایک رات تو سب مایوس ہوگئے، نبضیں ساقط ہوگئیں، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی کام لینا تھا، تیمارداروں کی توقع اور ظاہری حالات کے بالکل خلاف طبیعت سنبھلنے لگی، صحت کے آثار شروع ہوگئے اور چند روز میں اچھے ہوکر بستر سے اٹھ گئے گویا زندگی دوبارہ نصیب ہوئی،

بستی نظام الدین پہنچکر مدرسہ کا کام سنبھالنا

صحت کے بعد کاندھلہ سے روانہ ہوکر آپ نظام الدین آگئے؛ اس وقت نظام الدین میں مسجد بنگلہ والی کے قرب وجوار میں جنگل ہی جنگل تھا، جہاں اب تبلیغی مرکز ہے وہاں ایک مختصر سی مسجد

اور ایک حجرہ اور ایک بنگلہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے یہاں قیام فرمایا اور مدرسہ کا کام سنبھالا، مدرسہ میں کچھ تھوڑے سے میواتی اور کچھ غیر میواتی طلبار مقیم تھے، اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ کبھی یہ جگہ پورے عالم کا مرکز ہوگی اور دعوت کا کام یہاں سے چلے گا، اور عرب وعجم کے ہزاروں افراد یہاں آیا کریں گے، جو دینی فکر لے کر یہاں سے دینی محنت کے لئے نکلیں گے اللہ جل شانہ نے اس جگہ کو شرف بخشا اور مشرق ومغرب سے آنے والوں کے لئے ایک عظیم مرکز بنادیا۔ فللہ الحمد ما انعم

توکل اور قناعت

مدرسہ کی کوئی ایسی آمدنی نہ تھی جس سے اخراجات پورے ہوں، اور اسوقت اخراجات ہی کیا تھے طلبہ کو آدھی خوراک مل جانا ہی بڑی بات تھی توکل اور قناعت ہی اسکا سرمایہ تھا۔ بڑی تنگی اور سختی کے ساتھ گذارہ ہوتا تھا کبھی فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، مولانا بعض اوقات اعلان فرمادیتے کہ آج کھانے کو نہیں ہے جس کا جی چاہے رہے اور جس کا جی چاہے چلا جائے اور اپنا کہیں اور انتظام کرلے، طلبہ کی بھی ایسی روحانی تربیت ہورہی تھی کہ کوئی جانے کے لئے تیار نہ ہوتا، بعض اوقات جنگلی پھلوں (گولر وغیرہ) سے پیٹ بھر لیا جاتا۔ طلبہ خود جنگل سے لکڑی لاکر روٹی پکاتے اور چٹنی سے کھاتے، مولانا اس سختی سے ذرا ہراساں نہ تھے بلکہ اس فارغ البالی اور کشایش سے ڈرتے اور اپنے ساتھیوں کو ڈراتے رہتے تھے جس کی مولانا کو امید تھی اور اللہ کی سنت کے مطابق اس امتحان وآزمائش کے بعد آنیوالی تھی،

مولانا کو مدرسہ کی ظاہری حالت اور تعمیر کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، ارشاد فرماتے

تھے کہ اصل چیز تعلیم ہے، جب سے عمارت پکی ہوگئی تعلیم کچی ہوگئی،

ریاضت و عبادت

اس زمانہ میں مولانا کو خلوت اور ریاضت ومجاہدہ بہت مرغوب تھا، عرب سرائے کے پھاٹک کے قریب گھنٹوں خلوت میں رہتے تھے، دوپہر کا کھانا اور سبق پڑھنے والے طلبہ وہیں پہونچ جاتے تھے، رات کو مولانا اپنے مستقر پر آجاتے اور یہیں آکر کھانا کھاتے تھے،

درس میں انہماک اور طریق تدریس

مدرسہ کے اسباق اور طلبہ کی طرف مولانا ہمہ تن متوجہ رہتے تھے، بہت ہی زیادہ محنت اور جانفشانی کے ساتھ سبق پڑھاتے تھے، اپنے بڑے بھائی اور استاد مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح طریق تعلیم اور طرز تدریس میں مولانا اپنا مخصوص فکر اور ذاتی رائے رکھتے تھے، مطالعہ پر زیادہ زور تھا، چاہتے تھے کہ سبق ایسا تیار کرکے لایا جائے کہ ہوں کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے عبارت کی صحت، عربیت اور صرف ونحو کے قواعد کے عملی اجرار کی طرف خاص توجہ تھی، کتابوں میں عام مدارس کے نصاب ونظام کی پابندی نہ تھی، کبھی نماز فجر سے پہلے مستدرک حاکم کا درس بھی ہوتا تھا، بہت سی ایسی کتابیں زیر درس تھیں جنکی تعلیم کا مدارس میں رواج نہیں ہے، مسائل کے ذہن نشین اور مستحضر کرنے اور طلبہ میں تفہیم کی قدرت پیدا کرنے کے لئے نئی صورتیں اختیار فرماتے جو بہت مؤثر اور کارگر ہوتیں،

درس حدیث کے لئے پہلے وضو فرماتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرماتے

تھے کہ حدیث کا حق تو اس سے زیادہ ہے یہ اقل درجہ ہے، حدیث پڑھاتے وقت کسی سے بات نہ کرتے۔ کوئی معزز آدمی آجاتا درس چھوڑ کر اس کی طرف التفات نہ فرماتے،

نظام الدین کے مدرسہ کی ترقی اور میوات میں مکاتب کا قیام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی استقامت اور تعلیم و تربیت کی فکرمندی اور جد و جہد کی وجہ سے نظام الدین کے مدرسہ کو ترقی ہوتی رہی اور ساتھ ہی میوات میں آنا جانا کثرت سے ہونے لگا،

میوات میں زیادہ تر میو قوم آباد ہے، یہ لوگ نام کو مسلمان تھے، نام عموماً ہندوانہ (کمل سنگھ، بھوپ سنگھ، رنجیت سنگھ وغیرہ) ہوتے تھے، ہولی دیوالی کے تہوار بھی مناتے تھے جو ہندوؤں کے تہوار ہیں اور عید بقرعید سے بھی آشنا تھے، اپنے کو مسلمان بھی سمجھتے تھے اور بت بھی پوجتے تھے اور بہت سے شرکیہ کام کرتے تھے، ان کو راہ راست پر لانا اور پوری قوم کو اسلامی زندگی پر ڈالنا سخت مرحلہ تھا[1]،

---

[1] احقر راقم الحروف نے ایک میواتی سے دریافت کیا کہ تم جماعت میں کیسے لگے؟ اس نے کہا کہ میں خود وہ شخص ہوں جو بت پوجتا تھا، ہمارے گاؤں میں بت مشترک تھا ہندو بھی اسی کو پوجتے تھے اور مسلمان نام کے لوگ بھی اسی کی پوجا کرتے تھے، ایک مرتبہ نوح کے مدرسہ میں (یہ میوات میں ایک مشہور قصبہ ہے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہاں مدرسہ قائم کیا تھا) جلسہ ہوا، ہمارے گاؤں کے لوگ بھی جلسہ میں چلے گئے، جب جلسہ ختم ہوگیا تو بیعت کرنیکا سلسلہ شروع ہوا، مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پگڑی پھیلا دی گئی، پھر اس پگڑی میں پگڑی اور اس میں جو پگڑی باندھی گئی اس میں اگلی پگڑی اسی طرح سارے جلسہ میں پگڑیوں کا جال پھیلا دیا گیا، حاجی عبد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس آئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

عام طور سے کسی قوم کی اصلاح کے لئے یہی سوچا جاتا ہے کہ اس کی جہالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور ہمارے گاؤں کے لوگوں سے فرمایا کیا تم مرید ہو گے؟ ہم نے کہا مفت میں کرا دے تو ہو جائیں، حاجی صاحبؒ نے (بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے) فرمایا مفت میں ہوتے تو نہیں ہیں پر تمہیں تو کرا ہی دیں گے، حاجی صاحب کے فرمانے پر ہم نے بھی ہاتھ میں پگڑی پکڑ لی، ادھر مولانا نے توبہ کے الفاظ کہلانے شروع کئے، جن میں یہ بھی تھا "توبہ کی شرک سے بدعت سے" ہم نے بھی سب لفاظ کہدیئے اور بیعت ہو گئے، جب گاؤں میں پہونچے تو میں نے وہ بت اٹھا کر پھینک دیا جو ہمارے گاؤں والوں کا مشترک بت تھا ہندوؤں کو تو اس حرکت سے ناراض ہونا ہی تھا جو مسلمان نام کے لوگ تھے وہ بھی ناراض ہو گئے انھوں نے باہمی مشورہ سے اس حرکت پر سزا دینے کا ارادہ کیا، پھر آپس میں یہ طے ہوا کہ اس کو ابھی چھوڑ دو جس دیوتا کو اس نے اٹھا کر پھینکا ہے اس کی مار اس پر پڑیگی اور اس کا بیٹا مر جائے گا۔ چند دن اسی انتظار میں رہے، لیکن جب مجھے یا میرے لڑکے کو کوئی تکلیف نہ پہونچی اور نہ کوئی نقصان ہوا سارا گھر صحیح سلامت رہا تو اب ذہنوں سے شرک کی تاریکی چھٹنی شروع ہوئی اور اور یہ سمجھ میں آنے لگا کہ بت کا پوجنا جہالت اور کم عقلی کی بات ہے اس کے بعد آہستہ آہستہ شرک کے اعمال سے توبہ کرتے چلے گئے اور ایمان و اسلام کو حقیقی معنی میں پہچان لیا اھ

حاجی عبدالرحمن صاحب مرحوم (جن کا ابھی ذکر ہوا) پہلے بنئے تھے، بچپن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے، نظام الدین کے مدرسہ میں ان ہی سے قرآن مجید پڑھا اور دینی تعلیم حاصل کی، مولانا محمد صاحب کے بعد مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ لگ گئے، تبلیغی کام میں بہت معاونت کی اور آخر تک مولانا کے رفیق اور معاون رہے، میوات کی تک بندی والی تقریر سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے، اور جماعت میں خوب وقت دیتے تھے، ان کا ذوق غیر مسلموں کو مسلم بنانا تھا اور اس میں ان کو خاص ملکہ تھا، مشہور ہے کہ ایک ہزار سے زائد افراد انھوں نے مسلمان کئے، یقین محکم رکھتے تھے، جماعت کے بعض احباب نے بتایا کہ ہندوؤں کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں نمکین پانی ہے میٹھا پانی نکل آئے تو ہم مسلمان ہو جائیں حاجی صاحب مرحوم نے ایک جگہ نظر ڈالی اور فرمایا کہ اس جگہ کھودو انھوں نے کھودنا شروع کیا اور حاجی صاحب برابر متوجہ الی اللہ رہے، جب پانی تک کھدائی پہونچ گئی (باقی بر صفحہ آئندہ)

دور کی جائے، ان میں اہل علم پیدا ہوں گے تو ان کو سدھاریں گے اور علم سے کچھ روشناس ہوں گے تو واعظوں اور مبلغوں کی بات بھی سن سکیں گے، اسی بات کے پیش نظر حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا محمد صاحبؒ نے میواتیوں کو اپنے نظام الدین والے مدرسہ میں رکھا اور پڑھایا اور جن لوگوں نے وہاں پڑھا ان کی وجہ سے میوات میں ان کی تعداد اور حیثیت کے بقدر کچھ نہ کچھ فائدہ پہونچتا بھی رہا،

مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وہ یہ کہ خود میوات میں مکاتب قرآنیہ قائم کیے، جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جب مخلصین میوات تشریف لے چلنے کی خواہش ظاہر کرتے تو آپ اس شرط پر راضی ہوتے کہ دینی مکتب قائم کر دگے، میواتیوں کے نزدیک یہ بڑا کٹھن کام تھا، وہ اپنے کو اس شرط کے پوری کرنے سے عاجز سمجھتے تھے، کئی مرتبہ کے انکار و اصرار کے بعد کسی میواتی نے وعدہ کر لیا کہ تشریف تو لے چلیں پھر وہاں جا کر دیکھا جائیگا، جب تشریف لیگئے تو آپنے شرط پوری کرنے کا مطالبہ فرمایا، آپکے اصرار اور پیہم تقاضوں پر بڑی جد و جہد سے ایک مکتب قائم ہو گیا، اس کے بعد سلسلہ چلتا رہا اور اس سفر میں دس مکتب قائم ہوئے، بعض مرتبہ ایک ایک دن میں کئی کئی مکتب قائم ہوئے، اور پھر بکثرت مکاتب قائم ہونے لگے، یہاں تک کہ کچھ مدت بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو پانی کو چکھا گیا جو میٹھا نکلا اور اس گاؤں کے لوگ مشرف باسلام ہوئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے چند ماہ بعد حاجی صاحب مرحوم نے ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۴ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ وکثر فینا امثالہ ۱۲ منہ

میوات میں کئی سو مکتب قائم ہو گئے جن میں قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی،

مولانا اہل میوات سے فرماتے تھے کہ تم بچے دیدو معلمین کی تنخواہ میں لاؤں گا میواتی جو اکثر کاشت کار ہیں اس کے روادار نہیں تھے کہ ان کے بچے کھیتی باڑی کا کام اور جانور چھوڑ کر کتابیں لے کر بیٹھیں، ان میں دین کی نہ طلب تھی نہ قدر کہ وہ اس کے لئے تھوڑی سی بھی تکلیف اور ایثار گوارا کریں، بڑی حکمت اور تالیف قلب سے ان کو اس پر راضی کیا گیا، اور بہت کہہ سن کر اور خوشامد درآمد سے ان کے بچوں کو پڑھنے بٹھایا گیا،

مکاتب کے اخراجات

مولانا نے دین کی خدمت کو ایک "قوم کے کام" کی حیثیت سے شروع نہیں کیا تھا جس کا بار اور جس کی ذمہ داری تنہا قوم پر رکھ کر خود فارغ ہو جاتے، بلکہ مولانا نے اس کو اپنا کام سمجھکر شروع کیا تھا، جس میں ان کو اپنی کسی چیز کے لگا دینے میں دریغ نہیں تھا، ان کے نزدیک دین کے کام کی حقیقت یہ تھی کہ آدمی بالکل اپنے ذاتی کام کی طرح اس میں اپنا عزیز وقت اور محبوب مال خرچ کرے، مولانا نے میوات کے دینی کاموں میں سب سے پہلے اپنا سرمایہ اور اپنا روپیہ (جو آبائی جائداد کی آمدنی یا ہدایا کی شکل میں آتا تھا) لگایا، پھر لوگوں کی امداد قبول کی،

ایک صاحب نے ایک مرتبہ کچھ رقم یہ کہہ کر پیش کی کہ یہ آپ بالکل اپنے کام میں لائیں، مولانا نے فرمایا کہ حضرت! اگر ہم نے اللہ کے کام کو اپنا نہ سمجھا تو ہم اپنے کب ہوئے، یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ آہ ہم نے حضورؐ کی قدر نہ کی،

تبلیغی کام کی ابتداء اور اس کا تدریجی ارتقاء اور عرب وعجم میں پھیلاؤ

میوات میں مکاتب قائم ہوتے رہے، بچے پڑھتے رہے، وہاں مولانا کا آنا جانا بھی رہا، لوگ سلسلۂ بیعت میں بھی داخل ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ بھی میوات تشریف لے گئے۔ انکی زیارت کے لئے میوات کے لوگ بھاری تعداد میں امنڈ پڑے جدھر دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، میوات میں آپ کی یہ تشریف آوری سنہ ۱۳۴۴ھ میں ہوئی اور فیروز پور نمک میں قیام فرمایا جو قصبہ نوح سے دو تین میل دور ہے، اس سفر میں کثیر تعداد میں میوات کے لوگ داخل سلسلہ ہوئے،

دینی کام تو ہوتا رہا لیکن مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ رفتہ رفتہ اس سے غیر مطمئن ہونے گئے، آپنے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی اور ملک کی جہالت اور ظلمت کا اثر مکاتب پر بھی ہے، اول تو طلبہ کی پوری اصلاح اور دینی تربیت نہیں ہونے پاتی، دوسرے جو طلبہ ان مکاتب سے دین کی تعلیم اور تھوڑی بہت اسلامی تربیت حاصل کرکے نکلتے بھی ہیں تو وہ بھی جہالت اور بے دینی کے سمندر میں ایسے غرق ہوتے ہیں کہ پھر ان کا پتہ نہیں چلتا،

قوم میں دین کی کوئی طلب نہیں جس سے وہ اپنے بچوں کو شوق سے پڑھنے بھیجے اور مکتبوں میں پڑھنے بٹھائے، نہ دین کی قدر ہے کہ ان کے پڑھ لینے کے بعد ان کے علم کی عزت اور ان کی بات کی وقعت ہو، ایسی حالت میں یہ مکاتب ان کی

زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے،

تیسرے یہ سارے انتظامات ان کے لئے ہیں جو سرے سے غیر مکلف ہیں نابالغ ہیں، اور جو عاقل بالغ احکام الٰہی کے براہ راست مخاطب ہیں اور جو لاعلمی اور بے عملی کی وجہ سے موردِ غضب بن رہے ہیں ان کے لئے اس میں کوئی انتظام نہیں نیز ساری قوم کو ان مکاتب اور مدارس کے ذریعہ (خواہ طلبہ کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو) دین کی ضروری تعلیم اور اسلامی تربیت نہیں دیجا سکتی نہ سب ان مکاتب کے طالب علم بن سکتے ہیں، نہ اپنے مشاغل زندگی اور وسائل معاش چھوڑ سکتے ہیں

اسی عرصے میں ایک سفر میں مولانا کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان پیش کیا گیا کہ یہ میوات کے فلاں مکتب سے قرآن پڑھ کر نکلے ہیں، مولانا فرماتے تھے کہ اس کی داڑھی مونڈی ہوئی تھی، چہرہ، شکل، لباس سے بھی کسی قسم کی اسلامیت ظاہر نہیں ہوتی تھی، اس کو دیکھ کر مولانا کی حساس اور غیور طبیعت کو دھکا لگا، اور خیال ہوا کہ یہ تو کوہ کندن وکاہ برآوردن کا مرادف ہے، اس واقعہ سے مکاتب کی طرف سے مولانا کا دل پھیکا ہو گیا،

۱۳۴۴ھ میں مولانا نے اپنے مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے ساتھ دوسرا حج کیا، حج کے بعد مدینہ منورہ پہونچے، وہاں کی مدتِ قیام ختم کر کے رفقائے سفر واپسی کے لئے تیار ہوئے تو انھوں نے مولانا کو عجب بے چینی و اضطراب میں پایا، آپ کسی طرح مدینہ منورہ سے جدا ہونے پر راضی نہ تھے کچھ دن توقف کے بعد رفقاء نے مولانا خلیل احمد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے مولانا کی حالت دیکھکر فرمایا کہ تم ان سے چلنے کے لئے اصرار نہ کرو ان پر ایک حالت

طاری ہے، یا تو تم اتنا انتظار کرو کہ یہ ازخود تمہارے ساتھ چلے جائیں یا تم خود چلے جاؤ یہ بعد میں آجائیں گے، چنانچہ رفقا ٹھہر گئے،

مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام کے لیے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ "ہم تم سے کام لیں گے" کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کر سکوں گا؟ حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ[1] (بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ) سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں فرمایا گیا کہ تم کام کروگے یہ فرمایا گیا ہے کہ "ہم تم سے کام لیں گے" ان کی اس بات سے بڑی تسکین ہوئی، اس کے بعد آپ اپنے رفقا کے ساتھ

---

[1] مولانا کی سیرت میں لکھا ہے کہ "کسی عارف سے ذکر کیا" عارف کا نام نہیں لکھا ہے صوفی محمد اقبال صاحب نے (جو حضرت شیخ کے خادم خاص ہیں) صقالۃ القلوب میں بروایت حضرت شیخ قدس سرہ اس واقعہ کو نقل کیا ہے، اس میں مولانا سید احمد صاحبؒ کا اسم گرامی مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہے، "جب چچا جان مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھیر جانے کا ہوا، روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے، چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، تقریر مجھے نہیں آتی، میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحبؒ نے جب انھیں پریشان دیکھا تو کہا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں فرمایا کہ تم کام کرو بلکہ یوں ارشاد ہوا ہے کہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لیگا۔ اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع ہوا اور ماشاء اللہ خوب چلا۔ اھ

اس طرح کے ارشادات بعض دیگر اکابر کے متعلق بھی منقول ہیں جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی ہے، ان کو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ منامیہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ وہاں کام کرو۔

واپس ہندوستان تشریف لے آئے: میوات میں جو مکاتب قائم فرمائے تھے ان کے ذریعہ پوری قوم کی اصلاح ہو جائے اس سے تو مولانا پہلے ہی ناامید ہو چکے تھے اور کسی ایسے طریق کار کی ضرورت تھی جو عمومی اصلاح کا کام دے اور چھوٹوں بڑوں، مردوں، عورتوں سب پر اثر انداز ہو، اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر یہ طریقِ کار القاء فرمایا، جسے "تبلیغی کام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو عرب و عجم میں پھیل چکا ہے، جس کے دینی منافع دیکھ کر امت کے دردمند اور فکرمند اشخاص و افراد شریک ہوتے ہیں اور خواص و عوام سب ہی اس میں جان و مال لگاتے ہیں،

حج سے واپسی کے بعد مولانا نے تبلیغی گشتوں کا سلسلہ جاری فرما دیا، لوگوں کے ذہن اس طریق دعوت سے ناآشنا تھے، گلی کوچوں میں کلمہ نماز کے لئے گشت کرنا، راستہ چلتے لوگوں کو روک کر دین ایمان کی بات کرنا اور دکانوں اور گھروں پر پہونچ کر کلمہ سننا سنانا اور نماز کے لئے مسجد میں لانا بڑا پہاڑ معلوم ہوتا تھا۔ مولانا کے چند خاص مریدوں نے بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ گشت شروع کئے، عرصہ تک میوات میں اسی طرز پر کام ہوتا رہا: اور دینی علمی مرکزوں کے علماء کو میوات کے جلسوں میں اور جماعتوں کے اجتماعات کے مواقع پر شرکت کی دعوت دی جاتی رہی اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور میوات کے علاوہ دہلی میں بھی کام کا تعارف ہو گیا،

۱۳۵۱ھ میں آپ تیسری بار حج کے لئے روانہ ہو گئے، رمضان کا چاند نظام الدین میں نظر آیا تھا، تراویح دہلی کے اسٹیشن پر پڑھی، تراویح سے فراغت پر کراچی کے لئے

گاڑی میں سوار ہو گئے جہاں سے بحری جہاز میں سوار ہونا تھا، سفر حج میں برابر ایمان ویقین کی دعوت کا چرچا رہا، موقعہ بموقعہ جلسے بھی ہوتے رہے، ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ کو مدینہ منورہ پہونچے، وہاں قیام کرنے کے بعد ۲ رجمادی الاولیٰ کو ہندوستان واپسی ہوئی،

اس حج سے آپ اپنے کام اور نظام کے متعلق مزید وثوق واطمینان اور یقین لے کر آئے اور کام کی رفتار میں اس کے بعد مزید ترقی ہوئی،

میوات کے دو دورے حج سے واپس تشریف لاکر مولانا نے بڑی جماعت کے ساتھ میوات کے دو دورے کئے، کم سے کم سَو آدمی اس سفر میں ہر وقت ساتھ رہتے تھے، باقی جابجا مجمع بہت ہو جایا کرتا تھا، ایک دورہ ایک مہینہ کا تھا، دوسرا دورہ کچھ کم ایک ماہ کا سفر کے وقت جماعتوں کو گانوؤں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ گشت لگا کر آؤ۔

میوات سے جماعتیں نکالنے پر زور اور ان کو یوپی کے علاقوں میں بھیجنے کا اہتمام مولانا نے اپنے طویل تجربے اور بالغ نظری سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اپنے ماحول اور مشاغل میں گھرے رہ کر ان غریب میواتی کاشتکاروں کا دین سیکھنے کے لئے وقت نکالنا اور اس تھوڑے سے وقت میں جس میں ان کو یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی دین کے ایسے اثرات کو قبول کر لینا جن سے ان کی زندگی میں انقلابی اصلاح اور تغیر پیدا ہو جائے ممکن نہیں ان سے یہ مطالبہ کرنا بھی صحیح نہیں کہ سب کے سب اس عمر میں مکاتب اور مدارس کے

طالب علم بن جائیں، اور یہ توقع بھی غلط ہے کہ وعظ و پند ہی سے ان کی زندگی میں انقلاب ہو جائیگا اور وہ اس جاہلی زندگی سے نکل کر اسلامی زندگی میں قدم رکھیں گے، ان کے اخلاق و عادات، مزاج و طبائع و شوق و رغبت اور جذبات بدل جائیں گے، ان کی عمومی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے مولانا کے نزدیک صرف یہ تدبیر تھی کہ ان کو کچھ مدت کے لئے جماعتوں میں دین اور علم کے مرکزوں کی طرف نکلنے پر آمادہ کیا جائے، وہ وہاں کے عوام جہلا میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ کریں اور اس طرح اپنا پڑھا ہوا سبق پختہ کریں، اور اہل علم و دین کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان کی باتوں کو بغور سنیں اور ان کی زندگی، نشست و برخاست اور عمل کو بغور دیکھیں اور اس طرح بالکل فطری طریقہ پر جس طرح بچہ زبان سیکھتا ہے اور آدمی تہذیب و شائستگی حاصل کرتا ہے وہ دین اور علم دین حاصل کریں، نیز اس نکلنے کے زمانے میں جس سے زیادہ یکسوئی و توجہ کامل کا زمانہ بظاہر ان کو نصیب نہیں ہو سکتا قرآن پڑھنے، مسائل و فضائل معلوم کرنے، اور صحابہ کرام کے حالات و حکایات سننے میں مشغول رہیں اور اس طرح اس گشتی مدرسہ سے بہت کچھ سیکھ کر اور لے کر اپنے گھروں کو واپس ہوں

مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت و غفلت، دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کا سرچشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح و تعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اسکے لئے جد و جہد کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لئے باہر اور خصوصاً یوپی کے ان شہروں میں جائیں جن میں دینداری اور علم و عمل کا ماحول بنسبت دوسرے

شہروں اور قصبات کے زیادہ ہے، مولانا کا خیال تھا کہ یو. پی کا مغربی حصہ (ضلع مظفر نگر اور سہارنپور جس کے لئے کبھی دوآبہ کی اصطلاح استعمال فرماتے تھے اور کبھی مطلق یوپی کے لفظ سے ادا فرماتے تھے) دین و علم کا معدن اور اہل حق کا خاص مرکز ہے اہل دین کی صحبت و اختلاط اور آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ سے دین سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے لئے اس خطہ سے زیادہ کوئی موزوں و مناسب زمین نہیں ہے، چنانچہ آپنے کاندھلہ، رائے پور، دیوبند، تھانہ بھون سہارنپور جماعتیں بھیجیں، ان علاقوں میں جماعتیں جاتی رہیں، مدارس میں اور اکابر کی خدمتوں میں حاضر ہوتی رہیں، اور وہاں علمی و دینی صحبتوں سے فیضیاب ہوتی رہیں،

میوات کے منظم دورے

مولانا نے میوات کی تحصیلوں کے نقشے اور پورے ضلع گوڑگانوہ کا نقشہ تیار کرایا، سمتیں اور لائنیں مقرر کیں اور ہر گاؤں کی آبادی اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کا فاصلہ لکھا جائے، آس پاس کے بڑے بڑے گاؤں اور ان کے نمبرداروں کے نام لکھے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ کون لوگ زیادہ آباد ہیں

چھتوڑا ضلع فیروز پور میں ایک جلسہ ہوا جس میں سولہ جماعتیں بنیں، ہر جماعت پر ایک ایک امیر اور ہر چار جماعتوں پر ایک امیر الامیر کا تقرر ہوا سارے ملک میوات میں ان جماعتوں کے ایک مرتبہ دورہ کر جانے کا انتظام کیا گیا، ہر جگہ نظام الدین سے ایک آدمی خیر خبر لینے اور تقریر کرنے کے لئے آتا تھا، فرید آباد میں سب جماعتیں اکٹھا ہوئیں، مولانا بھی تشریف لائے جلسہ ہوا

فریدآباد سے روانہ ہوکر سولہ جماعتیں چار جماعتوں میں منقسم ہوکر مختلف راستے اختیار کرکے، جامع مسجد دہلی میں جمع ہوئیں جلسہ ہوا اور وہاں سے جماعتیں پانی پت، سونی پت اور دوسرے مقامات کی طرف بڑھیں،

مولانا کام کرنے والوں میں دین کے لئے ایثار وقربانی کی روح پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کو اللہ کے لئے کھیتی باڑی کا نقصان اور اپنے کاروبار کا حرج برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہتے تھے میوات میں ایک مدت کے بعد اس کا آغاز ہوا کہ دین کے لئے دنیاوی کاموں کا نقصان برداشت کیا جائے اور دنیا کا خطرہ مول لیا جائے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کی نوبت نہیں آنے دی اور نکلنے والوں کو واپس آکر معلوم ہوا کہ ان کی غیبی مدد ہوئی اور ان کی کھیتی باڑی اور دکانداری کو اس عرصہ میں زیادہ فروغ ہوا،

میوات میں دین کی عام اشاعت

ان رضاکار مبلغین کی وجہ سے جو بہت بڑی تعداد میں اپنا سامان اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے، اپنا ضروری خرچ اور خوراک ساتھ لئے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھرتے رہتے تھے، تھوڑی مدت میں اس وسیع علاقہ میں دین اور دینداری کی ایسی عام اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطہ میں جو صدیوں سے تاریک چلا آرہا تھا ایسی روشنی پھیلی جس کی نظیر دور دور تک نہیں مل سکتی، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر کوئی اسلامی سلطنت اپنے پورے وسائل استعمال کرتی اور لوگوں کو دین کے قریب کرنے کے لئے اور

دین سے واقف کرنے کے لئے بہت بڑا تنخواہ دار عملہ رکھتی یا سیکڑوں کی تعداد میں مدارس یا مکاتب قائم کرتی تو وہ اپنی سلطنت کے کسی علاقہ میں اس خوبی کے ساتھ دین نہیں پھیلا سکتی تھی اور زندگی کا انقلاب تو مادی وسائل کے قابو سے بالکل ہی باہر ہے، حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کا صحیح طرز وہی ہے جو قرون اول میں تھا، اسلام کے سپاہی لڑنے کے لئے ہتھیار اور کھانے کے لئے سامان خوراک اپنے گھر سے لاتے تھے اور شہادت کے شوق اور رضائے الٰہی کی طلب میں جہاد کرتے تھے،

میوات کی اس دینی نقل وحرکت میں اس مبارک دور کی ایک ہلکی سی جھلک تھی، اگر کوئی ان مبلغین کے قافلوں کو اس حالت میں گذرتا ہوا دیکھتا کہ کاندھوں پر کمبل پڑے ہوئے بغل میں سیپارے دبے ہوئے ہیں، چادر کے پلو میں چنے یا چند روٹیاں بندھی ہوئی ہیں، زبانیں ذکر وتسبیح میں مشغول ہیں آنکھوں میں شب بیداری کے آثار پیشانیوں پر سجدے کے نشانات، ہاتھ پاؤں سے جفاکشی اور مشقت کا اظہار ہو رہا ہے تو دیکھنے والے کے سامنے بیر معونہ کے ان شہید صحابیوں رضی اللہ عنہم کی ایک دھندلی سی تصویر پھر جاتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دینی تعلیم و تبلیغ کے لئے جارہے تھے اور شہید کر دیئے گئے تھے،

فضا کی تبدیلی

رفتہ رفتہ میوات کی فضا بدلنے لگی اور کام کے اثرات جا بجا ظاہر ہونے لگے، زمین میں ایسی روئیدگی اور قابلیت پیدا ہونے لگی کہ جس سے دین کی چیزوں کے نشو ونما پانے اور سرسبز و شاداب اور بار آور ہونے کی امید پیدا ہوگئی، اب دین کی ہر چیز کے لئے مستقل جہاد

کی ضرورت نہیں رہی، جن مقامات پر کام زیادہ ہو چکا تھا وہاں صرف اتنا کہنا اور بتلانا کافی تھا کہ یہ دین کی چیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم ہے،

آخری حج اور حرمین میں دعوت

مولانا کو اس کی بڑی آرزو تھی کہ اگر ہندوستان میں کچھ کام جم جائے تو آپ اپنے چند مخصوص رفقاء کے ساتھ اسلام کے مرکز میں جا کر اس کام کی دعوت دیں اور وہاں اس کو شروع کریں کہ یہ وہیں کی سوغات ہے اور وہاں کے رہنے والے اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، وہ لپک کر اس کا استقبال کریں اور پھر ان کے ذریعہ یہ دولت عالم اسلام میں گھر گھر پہونچے،

۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں بڑی شدت سے اس کا داعیہ پیدا ہوا، اور آپ اسی سال ۱۸ ذی قعدہ کو حج کے لئے روانہ ہو گئے، اس سفر میں صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہم بھی ساتھ تھے،

جہاز میں تبلیغ اور مناسک حج کا بہت چرچا رہا، جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے بحرہ کے قیام میں وہاں کے رؤساء کو جمع کر کے مولانا نے تقریر فرمائی اور ان سب نے تحسین کی، ایام حج چونکہ قریب تھے اور رہائش وغیرہ کا سامان بھی کرنا تھا اس لئے مکہ معظمہ میں تبلیغ کے متعلق کسی سے کچھ تذکرہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، البتہ منیٰ کے قیام میں مختلف اطراف کے حجاج سے گفتگو ہوئی، مولانا نے ایک اجتماع میں تقریر

فرمائی جس کا اثر اچھا ہوا،

حج سے فراغت کے بعد بعض ہندوستانی اہل الرائے اصحاب سے مشورہ ہوا، انہوں نے حجاز کے حالات و مصالح کے پیشِ نظر تبلیغ کے ارادہ کی سخت مخالفت کی پھر مولانا شفیع الدین[1] صاحب سے تذکرہ ہوا حضرت موصوف نے بڑے زور سے تائید کی اور فرمایا کہ مجھے غیبی امداد کی قوی امید ہے۔

حجاج سے ملاقاتیں اور باتیں ہوتی رہیں، بحرین کے حجاج سے بات ہوئی، انہوں نے عہد کیا کہ ہم وطن پہونچکر ضرور اس کام کو شروع کرینگے، بعض ہندی تاجروں سے گفتگو ہوئی انہوں نے رائے دی کہ سلطان سے بات کی جائے اور اجازت لی جائے، چنانچہ مولانا حاجی عبد اللہ دہلوی اور شیخ المطوفین عبد الرحمٰن صاحب کو ہمراہ لیکر ملک عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی، مولانا احتشام الحسن صاحب بھی ساتھ تھے، ملک نے مسند سے اتر کر استقبال کیا اور ہندی مہمانوں نے جماعت کا کام پیش کیا، ملک نے بھی توحید اور کتاب و سنت و اتباع شریعت پر چالیس منٹ تک تقریر کی، اس کے بعد اپنے مسند سے اتر کر اعزاز کے ساتھ سب کو رخصت کیا۔

مکہ معظمہ کے دوران قیام میں صبح شام دونوں وقت جماعت تبلیغ کے لئے جاتی اور حسب استطاعت انفرادی طور پر لوگوں کو تبلیغی باتوں پر آمادہ کرتی تھی رفقاء حج کو مولانا کی تاکید تھی کہ عمرہ اور دوسری عبادت سے زیادہ تبلیغ کا اہتمام کریں کہ اس زمانہ اور اس مقام مقدس میں بالخصوص اس سے افضل کوئی عبادت اور عمل نہیں،

خواص و علماء کے ایک اجتماع میں آپ نے یہ سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب کیا ہے؟ حاضرین نے اپنے اپنے طرز کے مطابق اسکا جواب دیا، آخر میں مولانا نے خود اظہار خیال فرمایا اور دعوت پیش کی جس سے لوگوں نے اتفاق کیا اور متاثر ہوئے۔

---

[1] مولانا شفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے ہجرت فرمائی تھی مکہ معظمہ میں آخر تک مقیم رہے، ۱۲

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ سے روابط اور خصوصی تعلقات،

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے مولانا محمد الیاس صاحبؒ چچا بھی تھے، اور استاد بھی، مشفق مربی بھی، شریک سبق و درس بھی، خسر بھی، اور ہمزلف بھی اور سمدھی بھی، حضرت شیخ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے جو بزرگوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور کبھی کبھی ڈانٹ بھی دیتے تھے، حضرت شیخ خود تحریر فرماتے ہیں

"میرے صنوالاب نائب الشیخ مربی داستاذ کی شفقتیں تو میرے حال پر جتنی بھی ہونی چاہئیں تھیں ظاہر ہے مگر ان شفقتوں کے ساتھ ساتھ آخر میں ان کا طرز ایسا ہو گیا تھا جس نے مجھے بہت ہی شرمندہ کر رکھا تھا، یہ چچا جان کے ابتدائی حالات ضرور لکھوانے کو جی چاہتا ہے، اگرچہ بہت سے قصے میری ابتدائی تعلیم اور حالات میں گذر گئے، میں نے جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے اپنے چچا جان کو نہایت عابد زاہد اور متقی و پرہیز گار پایا، میرا ابتدائی دور ان شدید مجاہدوں کا تھا، وہ مغرب کی نماز پڑھکر نفلوں کی نیت باندھا کرتے تھے اور عشاء کی اذان کے قریب سلام پھیرا کرتے تھے، مغرب کی نماز کے بعد کی طویل نفلوں کا دستور تو ہمیشہ رہا، مگر عشاء کی اذان کے قریب تک پڑھنے کا معمول رمضان میں اخیر تک رہا، اس زمانے میں چونکہ وہ چھوٹے تھے اس لئے والد صاحب کی اگر کہیں دعوت ہوتی تو ان کو بھی ساتھ جانا ضروری تھا، اور وہ ادباً یا تواضعاً یہ ظاہر کرنا نہ چاہتے تھے کہ میرا روزہ ہے، مجھے معلوم ہوتا تھا مجھ سے فرماتے تھے کہ فلاں جگہ دعوت میں جانا ہے میرے پاس بیٹھنا، چنانچہ وہ لقمہ بھی بناتے منہ بھی چلاتے رہتے مگر ان کا بنایا ہوا لقمہ میرے منہ میں جاتا تھا، جب وہ

چاول وغیرہ کا لقمہ بناتے یا روٹی کا لقمہ سالن میں لگا لیتے تو میں ان کے ہاتھ سے لیکر اپنے منہ میں رکھ لیتا وہ دوسرا لقمہ شروع کر دیتے، دیکھنے والے میری بدتمیزی سمجھتے،

یہ چچا جان قدس سرہ ان مجاہدات، عبادات، ریاضات کی وجہ سے کتب خانہ کے کسی کام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، ایک منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی تھے جو میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گویا منیجر اور کتب خانہ کا سارا کام اعلیحضرت گنگوہی قدس سرہ کے زمانے میں بھی اور حضرت کے وصال کے بعد بھی وہی کیا کرتے تھے بڑی محنت اور جانفشانی اور دل سوزی سے کیا کرتے تھے، ایک عادت مرحوم کی یہ تھی کہ میرے والد صاحب جب کبھی سفر میں ہوتے تو وہ ان کی آمدہ ڈاک پر پتہ کاٹ کر جہاں ابا جان کا قیام ہوتا وہاں کا پتہ لکھدیتے اور ان ہی خطوط پر اپنا مضمون بھی لکھدیا کرتے جو قانونی جرم تھا۔ مگر اس کی ان کو خبر نہ تھی، اتفاق سے ایک مرتبہ ان پر مقدمہ قائم ہو گیا اور سنا یہ گیا کہ یہ تو سنگین جرم ہے۔ وہ روپوش ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں انتقال بھی ہوا، منشی صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ میرے چچا جان کو ڈانٹ دیا کہ یوں ہی پھرتے رہتے ہو کوئی کام کبھی کتب خانہ کا بھی کر لیا کرو، میرے والد صاحب کو بہت ہی ناگوار ہوا۔ اور منشی جی کو خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ منشی جی میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اسی کی برکت سے مجھے روزی مل رہی ہے، حدیث پاک میں بھی یہی مضمون آیا ہے هل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم (کذا فی المشکوۃ بروایۃ البخاری) تمہیں رزق اور تم کو مدد کیا ضعفاء کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہوتی ہے؟

گنگوہ سے واپسی پر ۲۰ھ میں جب اکابر مظاہر علوم بہت سے حج کو چلے گئے

تو ان کی غیبت میں چچا جان مظاہر علوم کے مدرس بنائے گئے تھے، زبان میں کچھ لکنت تھی جو بات چیت میں تو بالکل ظاہر نہ ہوتی تھی مگر تقریر اور سبق میں بھی تقریر زور سے ہوتی تو اس کا اثر ظاہر ہوتا جس کی بنا پر بعض طالب علم کبھی شکایت بھی کرتے تھے مگر مجھ سے متعدد لوگوں نے بعد میں بیان کیا کہ ان سے پڑھنے والے علمی حیثیت سے بہت اونچے پہونچے، میرے تائے ابا جان (مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کے بعد اہل نظام الدین کے اصرار پر نظام الدین کی مسجد میں منتقل ہوئے اتفاق سے اس انتقالی دور میں چچا جان کی طبیعت بہت ہی ناساز ہو گئی، مرض سہارنپور سے شروع ہوا، راستہ میں کاندھلہ دو تین دن قیام کا ارادہ تھا، وہاں پہونچکر بہت ہی شدت مرض نے اختیار کی حکیموں نے پانی پینے کو منع کر دیا، اور وہ غصے میں جوش میں پانی پینے کو دوڑتے حالانکہ حرکت بھی دشوار تھی، یہ ناکارہ اس پوری بیماری میں ان کی خدمت میں رہا، بڑے وقائع اس میں پیش آئے۔ ایک معمولی سی بات یہ کہ بہت بڑی جماعت جنات کی ان سے بیعت ہوئی، ایک دفعہ اصرار ہوا کہ بخار کا علاج چلتے پانی میں نہانا ہے اور حکیم نے وضو کو بھی منع کر رکھا تھا تیمم سے نماز پڑھتے تھے، مجھ پر خفا ہوئے کہ ان حکیموں کی ایسی تیسی، تم ان کے مقابلے میں حدیث کے علاج کو انکار کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا حدیث شریف ظنی ہے قطعی نہیں اور پھر یہ علاج جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں یہ کلی نہیں، ہر شخص کے اور ہر موسم کے لئے نہیں ہوا کرتے، طبیب کا علاج بھی مشروع ہے اور وہ احوال کے مناسب ہوتا ہے، غرض خوب مناظرہ ہوا اور مجھے خوب ڈانٹا، لیکن ان پر حدیث پاک کے اتباع کا جوش تھا اسلئے خوب ڈانٹ پلائی کہ حدیث پاک کے مقابلے میں تم کسی حکیم کا نام لیتے ہو، یہ ولولہ بعض

اوقات زوروں پر آجاتا تھا، چچا جان کی شفقتیں بہت ہی زیادہ ہیں، مگر بعض دفعہ وہ ڈانٹ بھی خوب پلایا کرتے تھے، ایک مرتبہ جب عزیزان مولانا یوسف مرحوم مولانا انعام صاحب سلمہ یہاں دورہ پڑھتے تھے تو عزیز یوسف مرحوم کے داہنے ہاتھ میں زخم ہو گیا، شگاف آیا، اور بہت ہی مرحوم کو تکلیف اٹھانی پڑی، سال کا ختم تھا جمادی الثانیہ آ گیا، چچا جان نے ارشاد فرمایا کہ سال تو قریب الختم ہے، کتابیں پوری ہو گئیں، معمولی سی رہ گئی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ لڑکوں کو ساتھ لیتا جاؤں تمہاری کیا رائے ہے، میں نے عرض کیا اللہ کا شکر عزیز یوسف کو افاقہ ہے، دو چار روز میں ان شاء اللہ اچھا ہو جائیگا، امتحان قریب ہے، اس میں شرکت مناسب ہے، چچا جان میری عدم موافقت رائے پر ناراض ہوئے اور خود رائی پر خوب ڈانٹا۔ میں نے عرض کیا جنابنے مشورہ پوچھا، مشورے میں تو جو خیر ہو وہی دیانت سے بتلانا چاہیے، آپ اگر حکم کرتے کہ میں لیجارہا ہوں اور میں اس کے خلاف کرتا تو خود رائی ہوتی، اس پر اور بھی ناراض ہوئے، حضرت رائپوری بھی اس مجلس میں اول سے آخر تک شریک تھے اور نہایت ساکت رہے، میرے اٹھنے کے بعد چچا جان نے حضرت رائپوری سے پوچھا کہ میرا ناراض ہونا آپ کو ناگوار ہوا ہوگا حضرت رائپوریؒ نے فرمایا کہ ہاں حضرت! سمجھ میں نہیں آیا، بات تو حضرت شیخ کی صحیح ہے جب آپنے مشورہ پوچھا تو پھر بات تو وہی کہنی چاہیئے تھی جو انکی رائے تھی، چچا جان نور اللہ مرقدہ نے بہت ہی سادگی سے یوں فرمایا کہ حضرت! میں آخر چچا بھی تو ہوں، اس پر حضرت رائپوری ہنس پڑے اور فرمایا کہ جناب کے چچا ہونے میں کیا انکار ہے، چچا جان نے فرمایا کہ اس حق کو باقی رکھنے کے واسطے بھی کبھی کبھی تنبیہ چاہیئے کہ وہ کہیں اپنے آپکو بڑا آدمی نہ سمجھنے لگے،

علالت اور وفات

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے چند ماہ کی علالت کے بعد (جس میں تبلیغی کام پر برابر توجہ جاری رکھی اور واردین وصادرین سے اس سلسلہ میں سوز دروں کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے) ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کی شب میں (جو پنجشنبہ کی رات تھی) وفات پائی، مولانا رحؒ کی سیرت میں لکھا ہے کہ

"رات سے ہی سفر کا اہتمام تھا، پوچھا کیا کل جمعرات ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں! فرمایا کہ میرے کپڑوں کو دیکھ لو کہیں کوئی نجاست تو نہیں؟ یہ معلوم کرکے کہ (نجاست) نہیں ہے اطمینان وخوشی ہوئی، چارپائی سے اتر کر وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش کی، مگر تیمارداروں نے منع کیا، جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز شروع کی، مگر قضاء حاجت کی ضرورت پیش آگئی، بعد میں دوسری جماعت سے حجرہ میں پڑھی، فرمایا آج کی رات دعاء اور دم کثرت سے کراؤ یہ بھی فرمایا کہ آج میرے پاس ایسے لوگ رہنے چاہئیں جو شیاطین اور ملائکہ کے اثرات میں تمیز کرسکیں، مولوی انعام الحسن سے پوچھا کہ وہ دعا کس طرح ہے اَللّٰھُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ الخ انھوں نے پوری دعا یاد دلائی اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ (اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے، اور مجھے اپنے عمل سے زیادہ تیری تیری رحمت کی امید ہے) یہ وردِ زبان رہی۔ فرمایا آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے

غسل کرادو اور نیچے اتار دو، دو رکعت نماز پڑھ لوں دیکھو نماز کیا رنگ لاتی ہے، ۱۲ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا، ڈاکٹر آئے اور گولی دی، رات کو بار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز آتی رہی صبح کی اذان سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کی، اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو منزل پر پہونچ کر میٹھی نیند سویا، یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا[1]

غسل وتجہیز وتکفین

اس کے بعد غسل شروع ہوا، علماء وفقہاء نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور تمام سنن ومستحبات کا التزام کیا گیا،

مساجد (اعضاء سجود) پر جب خوشبو لگانے لگے تو حاجی عبد الرحمن صاحب نے فرمایا کہ پیشانی پر اچھی طرح خوشبو لگاؤ یہ گھنٹوں سجدہ میں ٹکی رہتی تھی شہر شہر میں عام اطلاع ہو گئی تھی لوگوں کی آمد صبح سے شروع تھی، تھوڑی دیر میں بڑا مجمع ہو گیا، وہ مجمع جس کو مولانا کبھی فارغ نہیں دیکھ سکتے تھے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا حکم ہوا کہ لوگوں کو نیچے میدان میں جمع کیا جائے اور ان سے خطاب کیا جائے، وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے مضمون سے بڑھ کر اس موقع کے لیے تعزیت

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۲

اور نوخطت کیا ہو سکتی تھی، مولانا ظفر احمد صاحبؒ اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی لوگوں کو صبر واستقامت کی تلقین کی اور نصائح فرمائے،

مجمع برابر بڑھ رہا تھا، ظہر کی نماز کے وقت بے اندازہ مجمع تھا، حوض کا پانی وضو کرنے والوں کی کثرت سے نیچا ہو گیا، مسجد کی تمام وسعتیں زیرین وبالائی بالکل بھر گئیں، جنازہ نماز پڑھنے کے لئے باہر لایا گیا، مجمع قابو اور نظم وضبط سے باہر تھا، بلیاں باندھ دی گئی تھیں تاکہ لوگ کاندھا دے سکیں، بمشکل کشمکش کے بعد (مسجد کے باہر) جنازہ درختوں کے نیچے لایا گیا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے نماز پڑھائی اور دفن کے لئے جنازہ واپس ہوا، مسجد کے اندر پہونچنا مشکل تھا بہت سے لوگ رسیاں ڈال کر اندر پہنچے، مسجد کے جنوبی مشرقی گوشے میں باپ اور بھائی کے پہلو میں لحد تیار تھی، بڑی مشکل اور کش مکش سے جنازہ قبر تک پہنچا، نعش قبر میں اتاری گئی اور دین کی یہ امانت خاک کے سپرد کی گئی، سورج جب غروب ہوا، تو دین کا یہ آفتاب جس کی تابش سے ہزاروں خاک کے ذرے چمک اٹھے تھے اور دور دور تک دین کی حرارت پیدا ہو گئی تھی خاک میں ادجھل ہو چکا تھا[۱]

ایک خواب اور اس کی تعبیر

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے چند ماہ قبل احقر راقم الحروف نے خواب دیکھا تھا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی اور خواب ہی میں یہ احساس ہوا کہ آجتک حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے اور ہم نے ان سے کچھ

---

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۲

بھی فیض حاصل نہیں کیا، احقر اس زمانہ میں مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتا تھا
اور رات کو حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں (جوان
کی درس گاہ بھی تھی) سوتا تھا حضرت مولانا بھی وہیں آرام فرماتے تھے، یہ خواب
اذان فجر کے قریب دیکھا، آنکھ کھلی تو احقر نے اپنا خواب حضرت مولانا موصوف
کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت مولانا نے تعبیر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تو کسی بہت
بڑے عالم کی وفات ہوئی یا کوئی بڑا حنفی عالم پیدا ہوا، اس وقت یہ بات آئی
گئی ہو گئی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہو گئی تو
حضرت مولانا نے احقر سے فرمایا کہ تم نے ایک خواب دیکھا تھا، میں نے عرض کیا جی ہاں
فرمایا یہی اس کی تعبیر ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب
میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے، امام تو اس لئے کہ وہ
امام التبلیغ تھے جس میں کوئی شک نہیں اور شافعی اس لئے ظاہر کیا گیا کہ علماء
ان سے بعض امور میں اختلاف رکھتے ہیں (ان کے انہماک کو بعض علماء غلو اور
افراط سے تعبیر کرتے تھے)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بعض حضرات پہلے سے مجاز تھے لیکن ضرورت تھی کہ تبلیغی کام کو سنبھالنے والا اور ذمہ داری کے ساتھ اس کو لیکر آگے بڑھنے والا کوئی فرد واحد ہو جس کی ذات پر سب کام کرنے والے جمع ہو سکیں اور جو محنت و ہمت اور جوش و جذبہ میں مولانا کا صحیح جانشین ہو، اس کو مولانا نے خود تجویز نہیں فرمایا بلکہ اکابر میں سے جو حضرات اس وقت وہاں موجود تھے ان کے سپرد فرمایا اور ان کی رائے سے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی عمل میں آئی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"چچا جان کے مرض الوصال کے زمانہ میں یہ ناکارہ کثرت سے حاضر ہوتا تھا اور مدرسہ کے اسباق کی وجہ سے طویل قیام نہ ہوتا تھا، اس واسطے بار بار واپسی ہوتی تھی، ایک دفعہ چچا جان نے شفقت اور قلق کے ساتھ یوں فرمایا کہ میرے جنازہ کی خاطر اتنی تکلیف کرتے ہو جس سے مجھے بہت ہی ندامت ہوتی ہے اگر میرے کام کی خاطر تم اتنی جلدی جلدی آؤ تو میرا کتنا دل خوش ہو، جب حالت مایوسی کی ہوگئی تو اس ناکارہ نے طویل قیام کیا اور وصال تک وہیں قیام رہا، اس وقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری بھی وہیں موجود تھے اور جناب الحاج حافظ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی بھی تھے جو ایک دو دن کی عیادت کے لئے تشریف لیگئے تھے مگر حالت کو دیکھکر دو تین ہفتہ

وہیں تشریف فرمارہے، چچا جان نور اللہ مرقدہ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن پہلے اس سیہ کار سے کہا کہ میرے آدمیوں میں چند لوگ صاحب نسبت ہیں عزیز مولانا یوسف صاحب، قاری داؤد، سید رضا صاحب بھوپالی، مولانا انعام صاحب، ان کے علاوہ حافظ مقبول صاحب اور مولوی احتشام صاحب کو اس سے پہلے اجازت ہو چکی تھی، چچا جان نے فرمایا میرے بعد ان میں سے کسی ایک کو مولانا رائپوری کے مشورے سے بیعت کے لئے تجویز کر دو، میری رائے حافظ مقبول حسن صاحب کے متعلق تھی کہ ان کو بہت پہلے سے خلافت ملی تھی، مدینہ منورہ سے ان کی خلافت کے متعلق مجھے لکھا تھا کہ تیری رائے موافق ہو تو ان کو اجازت دیدو ورنہ میری واپسی کا انتظار کرو، مگر حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ کی رائے عالی عزیزم مولوی محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تھی، میں نے حافظ مقبول کی وجہ ترجیح عرض کی اور یہ بھی کہا کہ عزیز یوسف نے ذکر اذکار زیادہ نہیں کیے، حضرت کا مشہور جملہ جو بارہا انھوں نے فرمایا کہ "تم لوگوں کی ابتدا رہاں سے ہوتی ہے جہاں ہم جیسوں کی انتہا ہوتی ہے" اس جملہ کو ارشاد فرما کر کہا کہ ان کو ذکر اذکار کی ضرورت نہیں، میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ سے پوری بات عرض کر دی، چچا جان نے حضرت اقدس رائپوری کی تصویب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ میوات والے جتنے یوسف[۱] پر جمع ہو سکتے ہیں کسی اور پر نہ ہوں گے، میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ایک پرچہ لکھا جس میں لکھا کہ میں ان لوگوں کو بیعت کی اجازت

---

[۱] حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ یہ کہ جس کو کوئی ذمہ داری کا کام سپرد کیا جائے اس میں ان صلاحیتوں کو (باقی برصفحہ آئندہ)

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیکھنا چاہیے کار مفوضہ کے لیے جن کی ضرورت ہو نیز جس علاقے میں اور جس قوم میں کام کرنا ہو ان کے مزاج اور حال کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ کس شخص کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور کس کو اپنا سردار مان سکتے ہیں، اس میں بعض مرتبہ کم عمر کو اور عزیز و قریب کو بھی ترجیح دیجاتی ہے، خلیفہ بنانے والا اور خلیفہ بننے والا دونوں میں اگر اخلاص ہو اور دینی ضرورت پیش نظر ہو تو اس میں کوئی بھی اعتراض کی بات نہیں کہ بیٹے کو خلیفہ بنا دیا یا فلاں عزیز کو امارت سونپ دی، اہلیت اور صلاحیت اور میدانِ عمل کی رعایت ہونے سے کام درست ہوتا ہے، مولانا نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ "میوات والے جتنے یوسف پر جمع ہو سکتے ہیں اور کسی پر جمع نہ ہوں گے" اس میں ان کی امارت کو ترجیح دینے کی حکمت بیان فرمائی، جس وقت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امارت سپرد کی گئی تھی اسوقت بہت سے لوگوں کو ان کی امارت گوارا نہ تھی، بعض لوگ معترض تھے کہ یہ اقربا نوازی کی ایک صورت ہے، کیونکہ زیادہ عمر والے پرانے خلفاء کو چھوڑ کر ان کو امیر بنایا جا رہا ہے لیکن بعد کے حالات نے بتا دیا کہ مولانا محمد یوسف ہی کو امیر بنانا مناسب تھا ان کی ذات پر میوات کے لوگ بھی جمع ہو گئے اور ان کے علمی مشاغل کی وجہ سے دور و نزدیک کے علماء بھی متاثر ہوئے، ان کی علمی شان بھی اس قدر اجاگر ہوئی جس قدر تبلیغی محنت اور کار دعوت کی جد و جہد میں ان کے جوہر نمایاں ہوئے، ان کی کتاب "حیاۃ الصحابہؓ" اور "امانی الاحبار" نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی شخصیت محض ایک داعی اور مبلغ ہی نہیں بلکہ علمی حیثیت سے بھی بلند ہے پھر انھوں نے جو تبلیغی محنت کی اور شب و روز ایک کر کے کار دعوت کو پھیلایا اور اس سلسلہ میں آرام و راحت کو قربان کیا اور اس کے لیے بڑے بڑے اسفار کیے، گھنٹوں اجتماعات میں خطاب کیا اور سوز دروں کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا دیگر خلفاء میں سے کسی میں نہ ایسی جامعیت تھی اور نہ اس شان کی محنت اور جد و جہد کی امید کی جا سکتی تھی، بہت سے لوگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدف بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے اقربا نوازی کی اپنے لوگوں کو حکومت کے کام سپرد کیے، ان لوگوں کی یہ بات اس اعتبار سے تو بالکل ہی غلط ہے کہ ان کے سب ہی عمال اور حکام عزیز قریب تھے، ہاں چند افراد اقرباء میں سے بھی تھے، جسے کسی سے کام لینا ہو اسے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ میرا کام کون انجام دے سکتا ہے؟ اس غرض کیلئے اگر کوئی شخص اپنے کسی عزیز قریب کو کوئی عہدہ سپرد کر دے تو کوئی لائق اعتراض بات نہیں ہے، شریعت میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ صلاحیت ہوتے ہوئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

دیتا ہوں، چچا جان نوراللہ مرقدہ نے میری تحریر کے بیچ میں " میں ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت دیتا ہوں" یہ جملہ بڑھوا دیا۔[1]

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی اپنے عزیز کو کوئی عہدہ نہ دو، کار مفوضہ کی حیثیت کو دیکھنا چاہیئے اس میں نہ اجنبی ہونا ضروری ہے اور نہ اپنا رشتہ دار ہونا ضروری ہے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی اچھی بات فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اقربار کو عامل بنایا اس میں ایک دینی مصلحت تھی، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے اس سے بہت احتراز رکھا تھا کہ اپنے کسی عزیز قریب کو کوئی عہدہ سپرد کریں، اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی پر عمل کرتے اور اپنے کسی بھی عزیز کو کوئی عہدہ نہ دیتے تو یہ دینی مسئلہ بن جاتا اور آئندہ آنے والے امرار اور خلفار کو اس کی پابندی کرنا لازم ہو جاتا (جس کی وجہ سے بعض مواقع میں دینی نقصان ہوتا اور لائق آدمی کو چھوڑ کر غیر لائق کو عہدہ دینا پڑتا) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے یہ تبلا دیا کہ امیر المومنین اگر اپنے اقربار میں سے کسی کو کوئی عہدہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، بس امت کی خیر خواہی پیش نظر رہنی چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ منہ [1] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۱۸۲

آخری تحریر حضرت دہلویؒ بقلم مولانا ظفر احمد صاحبؒ بسلسلۂ امارت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آج صبح حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کا یہ پیام پہونچا کہ میری جماعت میں بہت سے اہل ہیں، شیخ الحدیثؒ اور مولوی ظفر احمد جس کو ان میں سے منتخب کریں اس سے ان لوگوں کو بیعت کرادیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں، پھر یہ پیام پہونچا کہ مجھے چند لوگوں پر اعتماد ہے (جن کے نام بھی بتلائے تھے) بعد ظہر ہم اس ارشاد کی توضیح کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں یہ پیام پہونچا تھا کہ مجھے اپنے چند لوگوں پر اعتماد ہے اس اعتماد کا مفہوم خلافت اور اجازت بھی یا کیا تھا، سکوت کے بعد فرمایا کہ مولوی شفیع الدین صاحب نے قاری داؤد اور حافظ مقبول حسن صاحب پر اعتماد ظاہر کیا تھا۔ اس وقت میں نے[1] ان کے احترام کی وجہ سے کہ حرم کے رہنے والے ہیں ان کو اجازت دیدی تھی، مگر اب مجھے ان پر پہلے سے بہت زیادہ اعتماد ہے، اور ان کے علاوہ اور بھی چند لوگوں پر اعتماد ہے، مولوی یوسف میں استعداد بہت ہے میں نے اس کو پاس انفاس بتلایا تھا اور بہت دن سے کر رہا ہے، سید رضا بھی ذکر و شغل میں لگے ہوئے ہیں اور سوزش و درد سے کام کرتے ہیں، مولوی احتشام کو میں نے اجازت دیدی ہے مگر ایک شرط کے ساتھ جو انھیں سے معلوم کرلینا (مولوی احتشام کو وہ شرط یاد نہ آئی تو ہمارے دریافت کرنے پر) فرمایا کہ وہ شرط یہ ہے کہ علماء کا احترام

---

[1] تیسرا نام حضرت مولانا عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہے جو غالباً نقل میں رہ گیا ۱۲

کریں علماء سے نیاز مندی کا تعلق رکھیں[1]، ہمارے مزید دریافت کرنے پر فرمایا کہ مولوی انعام بھی بہت اچھے ہیں انھوں نے ذکر و شغل بھی بہت کیا ہے یہ بھی اسی قبیل سے ہیں البتہ علم کا احترام زیادہ ہے، ہم نے عرض کیا کہ ہم تینوں[2] کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ مولوی محمد یوسف سلمہ کو اجازت دیدیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان میں شرائط اجازت موجود ہیں، باعمل ہیں، متورع ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی تکمیل کرلیں گے اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی اس شرط سے اجازت دیجائے کہ وہ اپنی تکمیل سے غافل نہ ہوں، فرمایا ہاں جو آپ تینوں کی رائے ہے بہت مبارک ہے اور تکمیل کے لیے تم خود ان سے تاکید کے ساتھ کہہ دینا، سلسلہ کا قیام یوں ہی رہتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری طرف سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھنا چاہیئے، پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ ان تینوں صاحبوں نے جو تجویز کیا ہے اس میں برکت فرما اور جو اس میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہو اسکو معاف فرما اور ہمیں خلوص عطا فرما، اس کے بعد ہم نے عرض کیا کہ جو لوگ اس وقت بیعت ہونا چاہتے ہیں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو آپ ہی بیعت فرمالیں جسکی صورت یہ ہو کہ کپڑے کا ایک سرا حضرت کے ہاتھ میں ہو اور بیعت ہونے والوں کو ایک شخص کلمات بیعت تلقین کرتا رہے، فرمایا نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، میں بہت گر گیا ہوں مجھے بہت تعب ہوگا، ہم نے عرض کیا کہ پھر اعلان کردیا جائے کہ جو بیعت ہونا چاہیں وہ مولوی یوسف صاحب سے بیعت ہو جائیں

---

[1] مجھ سے زبانی یہ بھی فرمایا تھا کہ شرط یہ ہے کہ امراء سے تعلق نہ رکھیں (از حضرت شیخ الحدیث رح)

[2] تیسرے حضرت رائپوری رح ۱۲

اور وہ بیعت حضرت ہی سے ہوگی، فرمایا ہاں مناسب ہے، اور آپ تینوں کا ہاتھ اس پر ہوگا،

(تنبیہ) یہ تحریر اول بطور مسودہ کے لکھی گئی اور حضرت کو قبل عصر سنا دی گئی، حضرت کی تصدیق کے بعد اس کو صاف کر دیا گیا۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ تھانوی

۲۰ رجب ۱۳۶۳ھ ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء بروز چہارشنبہ[1]

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح میں یہ بھی ہے کہ جب مشورہ کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی پیش کیا گیا تو مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا مجھے منظور ہے، یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی اب اطمینان ہو گیا ہے ، امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میرے بعد کام چلے گا۔[2] اھ

مولانا محمد یوسفؒ سے آخری گفتگو

اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ "بدھ کے روز چار بجے کے قریب حضرت رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ ورفع درجاتہ فی الآخرۃ و الدنیا ورزقنا حبہ واتباعہ حق الحب والاتباع ۔ بندہ داہنی جانب بیٹھا ہوا تھا، آواز دی تو بندہ بائیں جانب چہرۂ انور کے متصل آبیٹھا، فرمایا حضرات کہاں ہیں

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۲۰۶ تا صفحہ ۲۰۹ [2] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت صفحہ ۱۶۸

میں نے عرض کیا مولوی احتشام صاحب کے حجرہ میں مشورہ فرما رہے ہے، فرمایا تم اس مشورہ میں شریک نہیں، میں نے عرض کیا اگر جناب فرمادیں تو میں جا بیٹھوں، فرمایا تمہارے ہی متعلق تو مشورہ ہے اور تم اس میں شریک نہیں، خیر جب بلادیں تو چلے جانا، پھر فرمایا میرا تمہارا معاملہ کھیل ہو کر نہ رہ جائے، اہل اللہ کی طرف سے جو چیز ملا کرتی ہے وہ حق ہوتی ہے، پھر یہ شعر پڑھا ؎

داد او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت داد ویست

پھر ارشاد فرمایا کہ علماء کے لئے قصیدہ بردہ اور شیم الحبیب کا مطالعہ عظمت و احترام کے ساتھ کہ بغیر عظمت و شوق کے بیکار ہے، شیم الحبیب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت منکشف ہوگی، اس کے بعد غالبا فرمایا قصیدہ سے تعلق پیدا ہوگا، پھر فرمایا آخر شب میں قرآن شریف پڑھنے کی دعوت دیتے رہنا اور اپنے لئے اس کی صورت پیدا ہونے تک تمنا رکھنا فقط[۲]

نسبت کا منتقل ہونا

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی نسبت خاصہ کہاں منتقل ہوئی؟ اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے کہ "مشائخ کے یہاں ایک نسبت خاصہ ہوتی ہے جو شیخ کے انتقال پر کسی ایک کی طرف جو شیخ سے زیادہ نسبت اتحادیہ رکھتا ہو اس کی طرف منتقل ہوا کرتی ہے، چچا جان قدس سرہ کے انتقال پر مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت دہلویؒ کی نسبت خاصہ

---

[۱] اصل میں اسی طرح ہے بظاہر کوئی کلمہ رہ گیا ہے، [۲] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۰۹ و ص ۲۱

میریؒ طرف منتقل ہوئی ہے، میں نے کہا اللہ مبارک فرماوے، حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ نے مجھ سے تو نہیں فرمایا مگر سنا کسی سے فرمایا تھا کہ میریؒ طرف منتقل ہوئی جب مجھ تک یہ فقرہ پہنچا تو میں نے کہا اللہ مبارک فرماوے، حضرت اقدس رائپوری کا رمضان مبارک میں یعنی چچا جان کے انتقال سے دو ماہ بعد رائپور سے ایک والا نامہ آیا جس میں حضرت قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ "حضرت دہلوی کی نسبت خاصہ کے متعلق مختلف روایات سننے میں آئیں میرا خیال تو تمہارے متعلق تھا مگر میری کہنے کی ہمت نہ پڑی اب حضرت حافظ فخر الدین صاحب کا والا نامہ آیا جس میں انھوں نے بڑے زور سے میرے خیال کی تائید لکھی ہے، اس لئے میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں"، میں نے اسی وقت جواب لکھا کہ "حضرت آپ حضرات نہ معلوم کہاں ہیں وہ تو لونڈا لے اڑا"، شوال میں جب حسب معمول عید بعد رائپور حاضری ہوئی اور عزیز مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی میرے ساتھ تھے، حضرت رائپوری نے ارشاد فرمایا کہ "رمضان میں تو میں نے آپ کے خط کو تواضع پر محمول کیا تھا، لیکن اب تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کو دیکھ کر آپ کی بات کی تصدیق کرنی پڑی، آپ نے بالکل سچ اور صحیح فرمایا۔ اب اس میں بالکل تردد نہ رہا" یہ چچا جان کی بیماری میں بھی عزیز یوسف مرحوم اکثر نمازیں پڑھایا کرتے تھے لیکن چچا جان کے انتقال کے بعد صبح کی نماز جو اس نے پڑھائی ہے میرا دل نواسی نے کھینچ لیا تھا، اور میں اسی وقت سمجھ گیا کہ الوداعی معانقہ میں بیٹے کو دیگئے، ہوا یہ تھا کہ انتقال کے وقت بلکہ نزاع شروع ہونے کے وقت چچا جان نور اللہ مرقدہ نے عزیز مولانا یوسف صاحب کو بلایا جو سو رہے

ؒ یعنی حضرت شیخ قدس سرہٗ کی طرف

تھے اور انتقال صبح کی اذان سے کچھ پہلے ہوا تھا اور بلا کر یوں فرمایا تھا کہ "آیوسف لپٹ لے ہم تو جا رہے ہیں[1]" وہ چچا جان کے سینہ پر گر گیا۔ اور بندہ کے خیال میں اسی وقت نسبت القائی کا القا ہوا تھا، واللہ اعلم۔[2]

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات پر

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کا تعزیتی مکتوب

جناب مولانا محمد یوسف صاحب زید مجدہم صاحبزادہ مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم

وما کان قیس هلکه هلك واحد ولکنه ارکان قوم تهدما

میرے عزیز محترم سلمکم اللہ تعالیٰ ورقاکم علی اعلیٰ درجات الرضوان و القرب آمین،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جب کہ میرا قلب ان آرزوں اور امیدوں سے بھرا ہوا تھا جن کو میں مولانا محمد الیاس صاحب کی ملاقات سے حاصل کرنے کا شرف حاصل کرتا اور احوال حاضرہ ان کی تقریب کی خوش خبری دے رہے تھے، ناگاہ مایوسی اور حزن و ملال سے اخبار "انصاری" نے یکایک مبدل کر دیا، دل پر سخت چوٹ لگی، یقیناً مولانا مرحوم کے لئے تو شادمانی کا سامان ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی حبیبه - ان اولیاء اللہ لا یموتون بل من دار الی دار ینتقلون۔

آج مرحوم کے لئے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماں ہے جو کہ

---

[1] مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں اس موقعہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "یوسف! آمل لے ہم تو چلے" ۱۲

[2] آپ بیتی نمبر ۴ ص۱۸۲ تا ص۱۸۳

فرماتے ہیں غدا نلقی الاحبۃ محمدا وحزبہ مگر ہم ناکاروں کے لئے ایسے ظل رحمانی کا اٹھ جانا سخت سے سخت جان کاہی کا موجب ہے،

جب کہ ہم اجانب اور دور افتادوں کا یہ حال ہے تو مرحوم کے متوسلین اور خصوصی اعزہ اور اشبال کرام کا کیا نہ ہوگا،

مگر میرے عزیز حضرات! ہم کو ہر قدم پر قرآنی ہدایات اور سنن نبوی اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طرق کا اتباع کرنا اشد ضروری ہے، قدرت کی آنکھیں ہم سے اسی کی طلبگار ہیں، ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس۔ الآیۃ

مجھ کو قوی امید ہے کہ آپ اور دوسرے اعزہ واحباب اس امتحان میں نہ صرف پاس ہوں گے بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کریں گے۔

مرحوم ہمارے درمیان میں ودائع خداوندیہ میں سے عزیز ترین ودیعت تھے، مالک نے ہم سے واپس لے لیا اس لئے شکریہ کا موقع ہے نہ کہ حزن وملال کا

؎ وما المال والاھلون الا ودیعۃ ولابد یوما ان ترد الودائع

میرے عزیزو! اگرچہ ہمارے لئے اسلاف کرام نے منہاج قدیم پہلے سے مشعل کے طور پر مہیا کر دیا تھا مگر مرحوم نے اس کی تجدید اور بہترین تجدید کر دی ہے ہماری جدوجہد اور ہمارا نصب العین وہی ہونا چاہیئے اور آپ کو بعزم راسخ مانند جبال میدان میں ڈٹے رہنا چاہیئے اور نعم الخلف کا طرۂ امتیاز حاصل کرنا چاہیئے۔

فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا کا مظاہرہ قول وعمل سے ہمیشہ کرتے رہنا چاہیئے وفقکم اللہ تعالیٰ وایانا جمیعا لما

یحب و یرضیٰ، میں جانتا ہوں کہ میرا کچھ عرض کرنا حکمت بلقمان آموختن اور مشعل بآفتاب نمودن کے مرادف ہے اور ممکن ہے کہ خدام بارگاہ کو ناگوار خاطر بھی گذرے، مگر حسب ارشاد وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین تذکیر کی جسارت کرنا مناسب سمجھتا ہوں

حضرت شیخ الحدیث صاحب ادام اللہ ظلہ علینا اور اہلیہ محترمہ اور دیگر اعزہ واحباب کی خدمت عالیہ میں بھی بتاکید صبر وشکر مع سلام مسنون اور استدعاو دعوات صالحہ پہنچا دیں، والسلام

عظم اللہ اجرکم وغفر میتکم وخلف علیکم بخیر، آمین۔ دور افتادہ نیاز مند قدیم

چراغ[1] محمد غفرلہ ۲۷ رجب ۱۳۶۳ھ

اولاد واحفاد

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد زیادہ نہ تھی، ایک صاحبزادہ یعنی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحبزادی بوقت وفات موجود تھی۔ یہ صاحبزادی حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زوجیت میں آئی تھیں جن سے صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب حفظہ اللہ پیدا ہوئے جو شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کے بیٹے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں، آجکل سہارنپور میں اپنے والد محترم قدس سرہٗ کے جانشین ہیں، سلسلۂ سجادت اور بیعت وسلوک اسی طرح جاری ہے جیسے حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے زمانہ میں جاری تھا۔

---

[1] یہ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کا تاریخی نام ہے۔ یہ مکتوب "اکابر کے خطوط" سے نقل کیا گیا ہے، مکتوب نمبر ۱۶ ص۲۷ ص۲۸۔

مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی تبلیغی جدوجہد پر ایک طائرانہ نظر

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بشارت کے بعد کہ "ہم تم سے کام لیں گے" جو دینی محنت اور تبلیغی کام کا سلسلہ شروع کیا درحقیقت اس اخیر زمانہ میں عوام اور خواص کے احوال کے اعتبار سے اس کی سخت ضرورت تھی، ہر دور میں مصلحین اور روحانی معالجین کے قلوب میں اللہ جل شانہٗ ایسا طریقہ کار اور کام کرنے کے اصول الہام فرماتے ہیں جو اس زمانہ کے احوال وظروف کے مطابق ہوں اور امراض حاضرہ کا علاج بن سکتے ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طرز پر کام کیا جس کی اُس زمانہ میں ضرورت تھی گوالیار کے قید خانہ سے جو خطوط انہوں نے لکھے، وہ کام کر گئے اور حضرت عالمگیرؒ جیسا شخص اُن کی تحریک کے نتیجے میں ظہور میں آیا جس نے پچاس سال تک دین کی خدمت کی۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جہاد کی ضرورت تھی انہوں نے بالاکوٹ میں مجاہدین کی فوج لے کر سکھوں سے جہاد کیا گو مقامی افاغنہ کے آڑے آنے کی وجہ سے ظاہری ناکامی ہوئی لیکن حضرت سید احمد شہیدؒ نے جو اپنے مریدوں کو تربیت دی تھی اور اشاعت حق اور دعوت وتبلیغ کے جذبات جو ان کے اندر جاگزین ہو چکے تھے ان کی وجہ سے بچے کھچے افراد نے ہندوستان بھر میں اپنے اپنے علاقوں میں تعلیم وتدریس نیز اجراء مدارس وبنائے مساجد اور روحانی تربیت کے ذریعہ اپنا کام جاری رکھا۔ مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری بانی مظاہر علوم سہارنپور، مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی، مولانا کرامت علی صاحب جونپوری ہادی بنگال اور مولانا سید

جعفر علی صاحب بستوی وغیرھم رحمھم اللہ تعالی اسی سلسلہ کے اکابر تھے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس زمانہ میں کام شروع کیا بڑے انتشار کا دور تھا مسلک کا اختلاف زوروں پر تھا ایک فریق دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہ تھا، سیاسی اختلافات بھی زوروں پر تھے جھوٹے پیروں نے اپنے مریدوں کو خلاف شرع امور پر چلا کر تباہ کر رکھا تھا جن کا مقصد اپنی گدیاں جاری رکھنا اور دنیا کمانا تھا مریدین کی اصلاح و تربیت کرنا اور ان کو فکر آخرت پر ڈالنا ان کے مقصد میں بالکل شامل نہ تھا (پنجاب اور گجرات (ہند) وغیرہ علاقوں میں ابھی تک ایسے جھوٹے پیر پائے جاتے ہیں جن کی پیری مریدی کا مقصد کسب دنیا سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے) عوام کے دلوں میں حُبِّ دنیا پوری طرح جاگزیں ہو چکی تھی اور جن علماء سے کسی کو سیاسی اختلاف تھا اس کی وجہ سے دین اور علماء دین سے نہ صرف بُعد بلکہ بغض کی شان پیدا ہو گئی تھی ظاہر ہے کہ ان کے حالات میں کسی ایسے طریقہ کار کی ضرورت تھی۔ جو ہر مسلک کے افراد کو جوڑ سکے جعلی پیروں سے عوام کا پیچھا چھڑا سکے۔ اور جو فکر آخرت اور حُبِّ آخرت پر ڈال سکے اور علم اور اہل علم سے محبت کا ذریعہ بن سکے۔ جس کے ذریعہ بدعتیں ترک ہوں سنتوں کا اتباع ہو تعلق پیدا ہو، اس ضرورت کے پیش نظر اول تو ایسے داعی کی ضرورت تھی جو اہل علم ہو، علمی اختلافات کو سمجھتا ہو۔ نفسانی اختلافات کے ثمرات سے آگاہ ہو، اہل اللہ کی صحبت اٹھائی ہو ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو اور اخلاص کے ساتھ پوری طرح محنت و مشقت کے لئے آمادہ ہو، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی مجاز طریقت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے صاحبزادہ تھے مولانا محمد اسماعیل صاحب برس ہا برس سے مسجد بنگلہ والی بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں مقیم

تھے۔ عالم با عمل، صاحب نسبت، ریاضتیں کرنے والے بزرگ تھے۔
ان کا سینہ فکر آخرت سے معمور تھا۔ دنیا کے طالب نہ تھے۔ میواتیوں
کو ترغیب دے کر مسجد میں ساتھ لاتے پھر ان کو نماز، روزہ اور عمل خیر
سکھاتے اور شام کو انھیں اپنے پاس سے اتنے پیسے دیدیتے تھے
جتنے انھیں دہلی شہر میں جا کر مزدوری کرنے پر ملتے۔ (میوات سے
مسجد بنگلے والی کے تعلق کی یہ ابتدا تھی) انھوں نے اپنے فرزند دلبند
مولانا محمد الیاس صاحب کی تربیت کی۔ علم بھی پڑھایا۔ فکر آخرت بھی
سکھایا۔ درد دل سے بھی آشنا کیا۔ ان کی وفات کے بعد بڑے بھائی
مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلا دی اور مزید یہ کہ حضرت
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سایہ عاطفت میں دونوں بھائیوں نے زندگی
گذاری۔ اور کسبِ فیض کیا جس سے باطن میں مزید انجلاء ہوا۔ پھر
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت سے چار چاند لگ
گئے۔ امت کے درد میں مزید اضافہ ہوا۔

اصحاب نسبت بزرگوں سے علم۔ عمل۔ تقویٰ۔ اخلاص۔ دینی محنت
جذبۂ ایثار و قربانی۔ زہد فی الدنیا۔ فکر آخرت۔ جہد و مشقت۔ صبر و
شکر۔ تعلق مع اللہ۔ سبھی ورثہ میں ملا۔ دعوت کے کام کے لئے ایسے
ہی شخص کی ضرورت تھی جو علوم قرآن و حدیث میں ماہر ہو اور باطنی
مقامات بھی طے کر چکا ہو۔ شریعت و طریقت کا جامع ہو۔

اللہ جل شانہ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو منتخب فرمایا

اور انکے قلب میں دور حاضر کے حالات کے مناسب طریقہ کار ملہم فرمایا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں شانِ فکر مندی عجیب تھی وہ غور کیا کرتے تھے۔ کہ فلاں فلاں علاقہ میں احیاءِ دین کی صورتیں کیسے نکلیں؟ اور فلاں اقوام میں دین کیسے پھیلے، غور بھی کرتے۔ راتوں کو رو رو کر دعائیں کرتے تڑپتے ہوئے دل کی آہیں اور صدائیں مزید کام کو آگے بڑھائیں۔

پھر مزید اللہ تعالیٰ کا بے پایاں انعام یہ تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کا محکم یقین کرتے تھے اور دین کے پھیلنے کے بارے میں انکے دل میں جو جو تمنائیں اور آرزوئیں تھیں ان سب کے پورا ہونے کا ایسا یقین رکھتے تھے۔ جیسے سب ابھی سامنے ہی پوری ہو رہی ہیں۔ وہ اسباب کو نہیں بلکہ خالق اسباب پر نظر رکھتے تھے۔ انکا یہ کہنا تھا کہ ہماری یہ دین میں محنت اور دعوت سارے عالم میں پہونچے گی۔ اور دوسرے براعظموں کے لوگ یہاں مرکز میں پہونچیں گے فکان کما تمنی و بید اللہ التوفیق والتیسیر۔

امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریقہ کار کو اپنایا! اس میں دور حاضر کے حالات کے مطابق ایک بہت بڑا یہ اصول دینی کام کرنے والوں کو بتایا اور خود بھی اپنایا وہ یہ ہے کہ مسلک و مشرب اور سیاسی اختلافات کے قصوں میں نہ پڑیں۔ کیونکہ ساری امت کو جوڑنا ہے اور دینی محنت پر لگانا ہے اس لیے اختلافات میں حصہ نہ لیں۔ اور نہ اختلافات کا ذکر و تذکرہ کریں۔ اور حضرات علماء اور اکابر میں جو اختلاف ہے انکو انھیں تک رہنے دیں اور ہر فریق کے بارے میں اچھا گمان رکھیں، اس کا یہ مطلب نہیں

کہ مداہنت کریں اور رسوم و بدعات کو اپنا لیں۔ مطلب یہ ہے کہ امور اسا سیہ میں جو اجتہادی اختلاف ہے اور مسائل فرعیہ میں جو ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے اس میں مقلدین آپس میں ایک دوسرے سے بحثیں نہ کریں، اور اپنے تعلیمی حلقوں میں مسائل فقہیہ کا مذاکرہ نہ کریں کیونکہ الحلقوں میں ہر مذہب و مسلک کے مقلدین اور متبعین ہوتے ہیں مسائل فقہیہ کے بارے میں ہر شخص کو اس کے معتمد اور مستند مفتیانِ کرام سے دریافت کرنے کی طرف متوجہ کر دیئے جائیں۔

دوسرا اہم ترین اصول یہ سامنے رکھا کہ دینی محنت کے لیئے گھروں سے نکلنے والے اور عوام و خواص کے پاس اس کام کو لے کر جانے والے محض اللہ جل شانہٗ کی رضامندی کے لیئے کام کریں اور ہر شخص اپنا خرچہ خود اٹھائے۔ درحقیقت داعی حق کی صفات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکرہ میں قرآن پاک میں بار بار یہ بات دھرائی گئی ہے کہ یہ حضرات اپنی اُمتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ ہم تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتے، ہمارا اجر صرف اللہ جل شانہٗ پر ہے سورۂ شعراء میں متعدد انبیاء کرام کا ذکر ہے اور ان حضرات کے اس اعلان کو بار بار دھرایا۔ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور سورۂ سبا میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے قل ما سئلتکم من اجرٍ فھو لکم ان اجری الا علی اللہ" ان آیات کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ مبلغ اور داعی کو

اپنے مخاطبین سے کسی طرح کا اجر اور عوض لینے کا روادار نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ جب اپنا کام ہے اور خود دین سیکھنا مقصود ہے اور اپنی ذاتی اصلاح پیش نظر ہے تو دوسرا کوئی شخص خرچ کیوں برداشت کرے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اپنے خرچہ پر نکلیں گے تو کام کا درد ہوگا اور یہ فکر بھی لاحق ہوگی کہ ہم نے سفر میں اتنا خرچ کیا ہے دین کا ہم نے کیا کام کیا؟ اور خود ہمیں کیا ملا؟ دوسرے کے مال پر دردمندی اور فکرمندی نہیں ہو سکتی، دور سے دیکھنے والے یوں کہتے ہیں کہ انکے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آگیا؟ جب ہر شخص اپنی ذات پر اپنا مال خرچ کر رہا ہے تو اس میں تعجب کیا ہے؟ یہ ریلیں اور ہوائی جہاز جو مسافروں سے بھرے ہوئے اور اپنی اپنی دنیا کے لیئے سفر کر رہے ہیں جسے یہ کما کر اپنی ذات پر خرچ کر رہے ہیں ایسے ہی جماعت میں نکلنے والے اپنا اپنا مال اپنی اپنی ذات پر خرچ کرتے ہیں چونکہ کام میں نہیں لگے اور ساتھ نکل کر نہیں دیکھا اسلئے تعجب بھی کرتے ہیں اور اعتراض بھی؛

تیسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی جائے اگر ان پر کسی قسم کا مالی بوجھ نہ ڈالا جائے تو وہ دعوت سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ ان کے ذہن فوراً اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اس دعوت کو ذریعہ بنا کر کھانے کمانے کے لئے نکلتے ہیں پھر جتنی بھی اچھی سے اچھی اور عمدہ بات کہی جائے ان کے نزدیک وہ جلبِ مال ہی کا سبب بن جاتی ہے اور بات کا اثر ضائع چلا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا ذکر ہے وہاں اس کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ ہم تم سے کچھ نہیں چاہتے ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے اجر لینے کے امیدوار ہیں ہمیں تو ہمارا رب ہی ہماری اس محنت کا اجر دے گا۔

غالباً ۱۳۶۱ھ یا ۱۳۶۲ھ کی بات ہے کہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں (جو مولانا محمد

الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی وطن تھا) ایک تبلیغی اجتماع ہوا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تشریف لے گئے تھے اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی تھی، احقر اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتا تھا حضرت مولانا سے چونکہ تعلق پیدا ہو گیا تھا اور خاص عقیدت تھی، اور شعبان و شوال میں ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا اس لئے میں بھی اس اجتماع میں حاضر ہوا تھا مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کے درجات اللہ تعالیٰ بلند فرمائے موقعہ کے مطابق بات کہنا ان کا خاص ملکہ تھا انہوں نے سورۂ یٰسٓ کے رکوع دوم کے نصف اوّل کی تلاوت کی۔ اور پھر جماعت کے طریقہ کار کی وضاحت اور اس کا اثبات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ سے دعوت دینے کے لیے جماعت بن کر نکلنے کا ثبوت ہوا اور وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ سے ثابت ہوا کہ دعوت دینے والے اس حد تک بات کریں کہ مقصد دعوت پوری طرح واضح ہو جائے۔ اور فرمایا کہ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ۔ الآیۃ سے معلوم ہوا کہ مقامی لوگوں میں سے جو افراد دعوت حق سے متفق ہوں وہ آنے والے داعی حضرات کی تائید کریں اور اپنی قوم کو ان کے اتباع کی دعوت دیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت دینے والے کسی قسم کی اجرت کے طالب نہ ہوں اور خود بھی ہدایت یافتہ ہوں، دعوت کے راستہ میں اس بات کی بہت اہمیت ہے کہ جن کو دعوت دی جائے ان پر کسی قسم کا کوئی بار نہ ڈالا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ داعیٔ حق عامل بالحق بھی ہو۔

آگے تلاوت کرو تو داعی کے طرز کلام کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے اور وہ یہ کہ بعض مرتبہ اپنے اوپر بات رکھ کر بھی خطاب کرنا مناسب ہوتا ہے چنانچہ ایک شخص جو شہر کے دور والے کنارہ سے آیا تھا اس نے یوں کہا کہ وَمَا لِيَ لَآ

اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ۔الاٰیۃ اس شخص نے ایسا طرز اختیار کیا کہ اپنے اوپر بات رکھی اور کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا، اور تم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے کیا میں اس کے علاوہ دوسرے معبود بنا لوں اگر رحمٰن ارادہ فرمائے کوئی تکلیف پہنچانے کا تو ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں دے سکتی اور نہ وہ مجھے بچائیں گے ۔ بے شک میں دوسروں کو معبود بنانے کی صورت میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہو جاؤنگا، بیشک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم مجھ سے سن لو۔

اس میں صیغۂ خطاب صرف ایک جگہ ہے (وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ) اور باقی باتوں میں صیغہ متکلم ہے، اور تکلم کی ضمیریں استعمال کی ہیں، اور آخر میں کہا کہ میں نے دین حق قبول کر لیا ہے تم سن لو، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں موقعہ شناسی اور مردم شناسی اور طرز تکلم کو خاص دخل ہے۔

تیسرا اہم اصول جماعت میں کام کرنے والوں کو یہ بتایا گیا کہ کتاب وسنت کے حاملین کی خدمت میں حاضری دیا کریں، علماء حق سے تعلق رکھیں اور ان سے عقیدتمندوں والا معاملہ کریں، وہ علوم اسلامیہ کی جو حفاظت اور اشاعت میں لگے ہوئے ہیں اس وجہ سے انکی قدردانی کریں ظاہراً و باطناً انکے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کریں۔

اس میں جہاں یہ فائدہ ہے کہ عوام علماء حق سے وابستہ رہیں اور ان کی طرف سے برگشتہ ہو کر علوم دین اور مراکز دینیہ سے دور نہ ہوں۔ وہاں اس کا یہ نفع بھی ہے کہ علماء حق سے وابستہ رہیں گے تو دین حق پر رہیں گے اور اٹھنے والے فتنے ان کو اپنے اندر جذب نہ کر سکیں گے۔ اگر کسی جگہ کار دعوت میں ٹھوکر کھائیں گے اور علماء حق ان کی گرفت کریں گے تو چونکہ ان سے عقیدت ہوگی اس لیئے ان کی بات مانیں گے اور صحیح راہ سے نہ بھٹکیں گے، اور اس میں ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ حضرات علماء کرام اپنے اپنے علاقوں میں مقتدیٰ ہوتے ہیں جب

یہ حضرات داعی حضرات کے کام سے متفق ہوں گے ۔ تو اپنے علاقوں کے عوام
کو بھی مطمئن کریں گے، اور دعوت کے کام میں لگنے کی ترغیب دینگے علماء حق کیساتھ
وابستہ رہنا اور انکے علوم سے مستفید ہونا یہ ایک بہت اہم اصول ہے اور اس کی ضرورت
بہت زیادہ ہے ہندوستان میں انگریزوں کے وجود نامسعود سے جو فتنے پھیلے
ان میں علماء سے نفرت دلانا بھی ایک عظیم فتنہ تھا انگریزوں کا مقصد تھا کہ عوام
مسلمین علماء سے دور رہیں اور ان سے متنفر ہونگے ان سے دور رہیں گے
تو دین وایمان سے دور ہو جائیں گے اور علماء کی آواز پر جہاد کے لیئے لبیک نہ کہیں گے
جس کی وجہ سے ہماری حکومت چلتی رہے گی انگریزوں نے بہت سے لوگوں
کو تو باقاعدہ اس مہم کے لیے کھڑا کیا اور بہت سے لوگ خود ہی اسکولوں اور کالجوں
کے ماحول میں رہتے ہوئے علم دین اور علماء دین سے متنفر ہو گئے ایک صاحب
نے اپنی جماعت قائم کی تو اپنے کتابچوں کا نام ہی "مولوی کا غلط مذہب" تجویز کیا۔
منکرینِ حدیث اٹھے تو انہوں نے علماء حق پر کیچڑ اچھالنے کو ضروری سمجھا اور علماء حق
کے دشمن بنے اور جو بھی باطل تحریک اٹھی اس نے علماء حق کو ضرور نشانہ بنایا ایک
جماعت ابھری جس نے تجدید احیاء دین کا بیڑا اٹھایا اور اس نے نہ صرف یہ کہ دور
حاضر کے علماء حق سے اپنی جماعت کے کام کرنے والوں کو دور کیا بلکہ جو سابق
مجددین گذرے ہیں ان میں بھی کیڑے ڈلائے اور اوپر گئے تو حضرات صحابہ کرامؓ
کو بھی نہ بخشا اس سے جو امت کو عقیدت اور محبت کا تعلق تھا اسے اپنے ماننے
والوں میں بہت زیادہ کم کر دیا بالآخر ان کی جماعت شیعیت کی مؤید اور بعض
ملکوں میں شیعی انقلاب ہونے پر خوشی کے شادیانے بجانے لگے ۔ اور شیعی
انقلاب کو دینی انقلاب کا نام دے دیا جب کوئی جماعت علماء حق سے کٹ
جاتی ہے تو اس کا فتنہ گروں کے جال میں پھنس جانا اسہل واقرب ہو جاتا ہے ۔

اور علماء حق کے دانستہ یا نادانستہ دشمنوں نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ عوام علماء حق سے کٹے رہیں۔ لیکن ان سب کی کوششوں سے علماء حق کا ذرا بھی بال بیکا نہ ہوا۔ وہ اپنے اسی دین پر جو انہیں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے واعیان حق کے ذریعہ پہنچا ہے اور جسے کابرً عن کابرٍ اپنے اسلاف سے لے کر اخلاف آگے بڑھاتے رہے ہیں وہ اسی پر قائم ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی پر قائم رہیں گے۔ حسب ارشاد فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم "لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذَالِکَ"[1]

ایسے حضرات کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم ہوں سب جانتے ہیں کہ حق پر قائم رہنے والے علماء وہی ہیں جو کتاب وسنت کے حاملین ہیں، اور ہر قسم کی تحریف اور تلبیس سے دین کی حفاظت کرتے آئے ہیں، اور ہر باطل تحریک کا انہوں نے دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا ہے جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا اور خود کو بربادی کے راستہ پر ڈالا یہ حضرات اپنے علوم واعمال میں بدستور اسی طرح مشغول ہیں جس طرح سے تھے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے ایسے حالات میں کام کیا جب کہ علماء کی مخالفت کرنا اور ان پر کیچڑ اچھالنا باطل تحریکوں اور انگریز نواز لوگوں کا مزاج بن چکا تھا ان سب کی کوشش تھی کہ علماء کا وقار ختم ہو۔ اور ان کی جگہ نام نہاد "مفکرین اسلام" لے لیں۔

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دعوت علماء حق کے وقار کو اور

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۵۸۳ بحوالہ بخاری ومسلم بروایت معاویہ رضؓ ترجمہ) میری امت میں برابر ایک ایسی جماعت رہیگی جو اللہ کے امر پر قائم ہوگی جو ان کی مدد نہ کرے گا اور جو ان کی مخالفت کریگا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک اللہ کا امر (یعنی موت) آجائے اور وہ اسی پر قائم رہیں گے ۱۲

ان کے اکرام واحترام کو دوبالا کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے جبکہ دوسری تحریکیں علما کے خلاف زہر اگلتی رہتی ہیں اور ان میں کیڑے نکالتی رہتی ہیں ان کی خواہش ہے کہ عامۃ المسلمین علماء حق کا دامن چھوڑ کر ہمارے تجدیدی اور اجتہادی دین سے وابستہ ہو جائیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ[1]

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گو اولاد زیادہ نہ تھی لیکن ایک ہی فرزند ارجمند آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکا اور اس نے علم وعمل سے آراستہ پیراستہ ہوکر اپنی جہد بلیغ اور محنت و کوشش سے دینی دعوت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔

ولادت

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ ۲۵ رجمادی الاولی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے ساتویں روز عقیقہ ہوا اور محمد یوسف نام رکھا گیا۔ اس زمانے میں مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

سات سال کی عمر میں قرآن کریم حافظ امام خاں میواتی سے حفظ کرلیا۔ والدین نے ان کی تربیت پر خاص نظر رکھی۔ وہ عام طلبا کے ساتھ ان کے مشاغل اور خدمات دینیہ میں برابر شریک رہتے اور امور مدرسہ میں ہاتھ بٹاتے تھے، شروع ہی سے انمیں فرائض کی ذمہ داری اور وقت کے قیمتی ہونے کا احساس اور تعلیم کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور صحابہ کرام کے مقدس حالات اور خدا کی راہ میں ایثار و قربانی کے واقعات سے

---

[1] چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تھا اور انکے بعد انکے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کام سنبھالا اس لئے دعوت و تبلیغ کے کام کا تسلسل ایک نظر میں لانے کے لئے مولانا محمد یوسف صاحب کا ذکر ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہی کردیا گیا۔ تقدم زمانہ کے اعتبار سے مناسب تو یہی تھا کہ ان کا ذکر مولانا محمد یحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہوتا ناظرین کرام محسوس نہ کریں۔

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گہری دلچسپی ہو گئی۔ فتوح الشام کا منظوم اردو ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابہ کرام کے جہاد اور فتوحات کا ذکر ہے بچپن میں ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تجوید قاری معین الدین صاحب سے سیکھی۔

عربی تعلیم ابتدا تا انتہا: گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین میں عربی کی تعلیم شروع کی میزان الصرف، منشعب، صرف میر، پنج گنج اور نحو میر کے پڑھنے کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد اور چہل حدیث (از حضرت شاہ ولی اللہ) یاد کرائی۔ ان کتابوں میں سے اکثر حافظ منیر الدین صاحب نے پڑھائیں۔ کنز الدقائق حافظ مقبول حسین صاحب گنگوہی سے پڑھی۔

اس کے بعد اوپر کی کتابیں مولانا محمد الیاس صاحب سے ہی پڑھیں مولانا کے حج پر تشریف لے جانے کی وجہ سے مولانا محمد یوسف صاحب ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ وہاں اس سال انہوں نے میبذی اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حج سے واپسی کی کچھ مدت کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین اولیاء پہنچ گئے۔ آگے کی کتابیں مشکوٰۃ جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں ۱۳۵۴ھ

میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور صحیح بخاری حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح مسلم حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنن ابوداؤد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور جامع ترمذی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمل پوری (ف ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء) سے پڑھیں۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب (جو اس وقت امیر التبلیغ ہیں) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ ہم سبق تھے ان کا بیان ہے [۱]

کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات سو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی پلا کر سو جائے گا۔ اور دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے۔ ایک دن حضرت مولانا مرحوم (مولانا محمد یوسف صاحب) شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی علالت کی وجہ سے انہیں بستی نظام الدین اولیاء (دہلی) آنا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ہمراہ آگئے اور صحاح اربعہ (بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی) کا بقیہ حصہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ اور نسائی اور شرح معانی الآثار (طحاوی) اور مستدرک حاکم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ختم کیں۔

---

[۱] الفرقان لکھنؤ ستمبر ۱۹۶۵ء مولانا محمد یوسف نمبر ۸۳-۸۴

نکاح ۲ محرم ۱۳۵۴ھ کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا نکاح حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوا نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا،

۲۹ شوال ۶۶ھ کو ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ان سے ایک صاحبزادہ مولوی محمد ہارون سلمہٗ یادگار ہیں تین سال کے بعد مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ مولانا محمد یوسف کا نکاح ہوا جو اس وقت حیات ہیں ان سے کوئی اولاد نہیں ہے

اولاد حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ نے اپنی وفات کے وقت صرف ایک لڑکا چھوڑا جس کا اسم گرامی محمد ہارون تھا۔ وہ ماشاء اللہ حافظ، قاری، عالم باعمل تھے۔ اپنے والد صاحب مرحوم کے تقریباً ۹ سال بعد ان کی بھی وفات ۳۰ شعبان ۱۳۹۳ھ میں ہو گئی۔ انہوں نے بھی اپنے پیچھے ایک صاحبزادہ چھوڑا جن کا نام سعد ہے۔ جو مرکز نظام الدین میں مقیم ہیں۔ حفظ و قرأت اور درس نظامی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ دعوت کے میدان میں بھی رواں دواں ہے۔ اور ماشاء اللہ صاحب اولاد بھی ہیں۔

(بارک اللہ فی ھذہ الاسرۃ)

بیعت واجازت

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے توجہ دلانے پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دام ظلہم نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرات صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ارشاد ہے کہ طرق الوصول الی اللہ بعددِ أنفاس الخلائق (اللہ جل شانہ تک پہنچنے کے لئے اتنے راستے ہیں جتنے مخلوق کے سانس ہیں) حضرات صوفیائے کرام نے جو طریقے اختیار فرمائے ان میں کوئی بھی چیز واجبات طریق میں سے نہیں ہے۔ جس طرح بھی نفس کی سلجھائی ہو جائے اور اخلاص کی دولت اور احسان کی نعمت حاصل ہو جائے بس مقصد چاہیے۔ اور یہی طریقت کا خلاصہ ہے۔ بہت سے حضرات نے اشغال صوفیہ اختیار نہیں کئے لیکن خلوصِ نیت کے ساتھ دوسرے مجاہدات میں لگے رہے اُن کو بھی وصول الی اللہ کی دولت حاصل ہو گئی۔

انہیں خوش نصیبوں میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں زیادہ تر وقت علمی و تصنیفی مشغولیتوں میں گذارتے تھے۔ جماعتوں میں چلے چلتے تھے بعض مرتبہ میوات میں بعض مرتبہ کراچی اور سندھ میں چلے گزارے۔ لیکن جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا سوال پیدا ہوا اور انہوں نے دیگر حضرات کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمادیا تھا اور جماعت کی امارت بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردی گئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ

نے ان کو ------ نواز دیا۔ وہ کام کو لیکر آگے بڑھے اور محنت ومشقت اور دلسوزی کے ساتھ تبلیغی کام میں لگے اور اس کی امارت کو سنبھالا تو ان کیلئے یہی سب کچھ ہو گیا۔ صوفیہ کی ریاضتوں اور محنتوں سے بڑھکر محنت کام کرگئی اور وہ باتیں حاصل ہو گئیں جو صوفیہ کو بڑے مجاہدوں کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ پھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بھی آپ کی طرف منتقل ہو گئی جس کا تذکرہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنی آپ بیتی میں فرمایا ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ "جہاں ہماری انتہاء ہے وہاں سے ان حضرات کی ابتداء ہوتی ہے"۔ درحقیقت درست فرمایا۔ اس بات کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنہیں کچھ رموز طریقت سے لگاؤ ہے۔

حافظ فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی محنت ومشقت اور اخلاص اور والد صاحب کی نیابت پر پورا اترنے اور اس کام کو لیکر آگے بڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ متأثر تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بھی ان کو بہت مانتے تھے اور اجتماعات میں دعا کیلئے ان کو ساتھ لیجاتے تھے۔ روزانہ ایک قرآن مجید پڑھنے کا معمول تھا۔ ایک سفر میں اپنے تأثرات ظاہر فرماتے ہوئے احقر کو ایک قصہ سنایا۔ اور وہ یہ کہ ایک بادشاہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے وزیر کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد علی الصبح شہر کے دروازے پر کھڑے ہو جانا اور جو بھی کوئی پہلا شخص شہر میں داخل

ہوتا نظر آئے اسے اپنے ہمراہ لے آنا۔ بادشاہت سونپ دینا۔
وزیر وصیت کے مطابق شہر پناہ کے دروازے پر جاکر کھڑا ہوگیا۔ سب سے
پہلا شخص جو دروازہ سے داخل ہوا وہ ایک فقیر آدمی تھا جس کے
کپڑے بھی پھٹے پرانے تھے اور ظاہر حال ایسا ہی تھا جیسا عموماً فقیروں
کا ہوا کرتا ہے۔ وزیر نے اسے ہمراہ لیا اور بادشاہ کی وصیت کے مطابق
ہمراہ لیجا کر نہلایا دھلایا۔ شاہی کپڑے پہنائے۔ اتنے میں اجلاس کا
وقت ہوگیا۔ جب اسے اجلاس کیلئے شاہی کرسی پر بٹھا دیا تو اس نے
اسی طرح اجلاس کیا جیسے سابق بادشاہ کرتا تھا۔ اجلاس کے بعد جب
اٹھنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر دیئے تاکہ وزیر
بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اُٹھا دے۔ وزیر نے اُٹھا کر اسے آرام
کی جگہ پہنچا دیا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ آپ تو آج صبح
تک فقیر تھے شاہی کاموں سے ناواقف تھے، نہ کبھی شاہی اجلاس
میں شریک ہوئے اور نہ اس کا طریقہ دیکھا۔ لیکن آپنے اجلاس اسی
شان سے کیا جیسا کوئی پرانا بادشاہ ہو۔ اس میں کیا راز ہے؟۔ یہ سنکر اس
فقیر نے کہا کہ میاں جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی کام سپرد فرماتے ہیں تو اسکا
اہل بھی بنا دیتے ہیں۔ یہ قصہ سنا کر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی
ہی نوازش ہے۔ جب اُن کو جماعت کی امارت سونپی گئی تو انہیں
اللہ تعالیٰ نے نواز دیا۔ وہ صلاحیتیں اور ظاہری و باطنی صفات کمال جو ایک
داعی کے اندر ہونی چاہئیں سب کچھ عطا فرما دیا۔ درحقیقت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نے صحیح فرمایا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

؎ داد او را قابلیت شرط نیست۔ قابلیت را شرط است دادِ او

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کچھ پہلے اکابر کے مشورہ سے ان کو والد صاحب کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے تبلیغی کام خوب سنبھالا اور محنت و جفاکشی کے ساتھ اس کام کو عرب و عجم میں پھیلایا۔ بڑی دلسوزی کے ساتھ بڑے بڑے اجتماعات میں گھنٹوں خطاب فرماتے تھے اور پوری لگن اور پوری قوت کے ساتھ دعوت دیتے تھے۔ اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد اکیس ۲۱ سال تک مسلسل انتہائی جدوجہد کے ساتھ تبلیغی کام میں لگے رہے۔ ان کی محنتوں سے تبلیغی تحریک ایک بین الاقوامی تحریک بن گئی۔ اور ہر طبقہ و ہر سطح کے لوگ اس کثرت سے متأثر ہوئے کہ اسکی نظیر قریب کی گذشتہ صدیوں میں تلاش کرنے سے کبھی نہیں مل سکتی۔ جان و مال سب کچھ بے دریغ دعوت کے کاموں میں خرچ کرتے تھے۔

جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کو امارت تبلیغ سپرد کر دیگئی تو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذرا فکر بندی کے ساتھ خرچ کرنا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ لینے والا بدلا ہے، دینے والا نہیں بدلا ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ پر بہت زیادہ توکل اور اعتماد تھا۔ روزانہ ہزاروں آدمی مرکز نظام الدین میں کھانا کھاتے تھے اور غیب سے سب انتظام ہو جاتا تھا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے موقع پر بڑے بڑے مالداروں کے یہاں فاقے ہو گئے لیکن مرکز میں رہنے والوں اور آنے جانے والوں کو کچھ نہ کچھ ملتا ہی رہا۔

احقر راقم الحروف کے سامنے کا واقعہ ہے کہ جو شخص تنور میں روٹیاں لگاتا تھا (اور یہ کام بالکل بلا عوض دنیوی تھا) اسکے نفس میں کچھ تنخواہ کا خیال آگیا۔ اس نے کہا کہ میں اب نہیں پکاتا مرکز کے رہنے والے حضرات ذرا گھبرائے کہ مئی جون کا مہینہ ہے۔ سخت گرمی ہے۔ ہزار آدمیوں کیلئے روٹیاں پکانی ہیں اگر اس نے چھوڑ دیا یا چلا گیا تو کیا ہوگا؟ ان حضرات نے اسے پینتیس ۳۵ روپے ماہانہ پر راضی کر لیا۔ لیکن اب مسئلہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرنے کا اور اس کی منظوری لینے کا سہمے سہمے اور ڈرتے ڈرتے حضرت مولانا کی خدمت میں مشکل اور مشکل کا حل پیش کیا گیا جو آپس میں طے کر لیا گیا تھا حضرت مولانا نے بات سنکر ایک سیکنڈ کے تفکر کے بغیر فرمایا کہ ہم تنخواہ نہیں دیں گے یہ ہمارے طریقہ کار کے خلاف ہے۔ حضرت مولانا نے کچھ ایسے انداز میں پختگی کے ساتھ بات کی کہ وہ خباز (روٹی پکانیوالا) پھر اسی طرح بلا تنخواہ کام کرنے پر راضی ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے جوش اور ولولہ کیساتھ تقریر فرماتے تھے۔ گھنٹوں بولتے چلے جاتے تھے۔ ان کا والہانہ انداز عوام وخواص کو متاثر کیئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ تقریر فرما کر تشکیل فرماتے اور عرب وعجم کیلئے جماعتیں نکلنے کا تقاضا رکھتے۔ انکے زمانہ میں عرب وعجم میں جماعتوں کے بڑے بڑے اسفار ہوئے۔ ایشیا سے باہر دوسرے براعظموں میں بھی کام پہونچا۔ اجتماعات کی تقریر وتشکیل کے بعد جب قیامگاہ پر آتے تو اسوقت بھی انکی بے چینی اور لگن خاموش نہیں رہنے دیتی تھی۔ چائے پیش کی جاتی تو

پیالی سامنے رکھ لیتے اور ساتھ ہی سلسلہ کلام بھی جاری رہتا۔ ایک پیالی چائے ختم ہونے میں بعض مرتبہ ایک ایک گھنٹہ لگ جاتا تھا۔

اسفارِ حج کا تذکرہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا حج اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا تھا۔ جو ۱۳۵۶ھ میں تھا۔ اسوقت مولانا موصوف کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ تبلیغی کام اسوقت ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ اس زمانہ کے احوال وظروف کے اعتبار سے جو کام کا تعارف ہو سکتا تھا حسبِ استطاعت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کے ساتھیوں نے حجاز میں پوری طرح کرایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سفرِ حج میں تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے تھے۔ بعض اجتماعات میں انہوں نے عربی میں تقریر بھی فرمائی۔ مگر اسوقت علمی ذوق اور کتابیں جمع کرنے کا جذبہ زیادہ تھا۔

پھر اٹھارہ سال کے بعد ۱۳۷۴ھ میں دوسرا حج کیا۔ اب انہیں جماعات کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تقریباً گیارہ سال گذر چکے تھے اور بڑی لگن کے ساتھ کام کو آگے بڑھانے میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول تھے۔ اور پہلے حج سے لیکر اب تک حجاز میں تبلیغی کام اچھا خاصا پھیل بھی چکا تھا۔ عرب و غیر عرب حجاز کے باشندے اس کام کو قبول کر چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مزید اس کام کو آگے بڑھایا۔ مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے۔ مولانا برابر پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ خطاب فرماتے رہے۔ یہ اجتماعات مکہ معظمہ میں نیز عرفات ومنیٰ اور مدینہ منورہ اور جدہ وغیرہ میں ہوئے۔

پھر ۱۳۸۳ھ میں تیسرا حج کیا۔ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ بھی ساتھ تھے۔ اس سفر بھی برابر دعوت کا کام جاری رہا۔ اس زمانہ میں مسجد شہداء مکہ معظمہ میں ہفتہ وار تبلیغی اجتماع ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب برابر ان اجتماعات میں خطاب فرماتے تھے۔ اس سفر میں یہاں کے بڑے بڑے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں جو اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو حرم شریف میں باب ابراہیم پر ایک بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس میں مختلف ممالک کے حجاج کرام بھی شریک تھے۔

مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو بدر میں قیام فرمایا۔ اور مسجد عریش میں اجتماع سے خطاب فرمایا۔ مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ میں قیام کیا (جو اس وقت حرم شریف سے بالکل متصل باب النساء کے قریب تھا) دوران قیام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اجتماعات سے خطاب فرماتے رہے۔ تقریباً ایک ماہ سے کچھ زائد مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

تالیفات

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنے تبلیغی کام کے بے مثال انہماک کے باوجود علمی مشاغل میں بھی بہت سا وقت خرچ فرماتے تھے۔ ان کا بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ایک مفسر و محدث اور مصنف کیلئے ضروری کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ آپ کا تصنیفی شغل برابر جاری تھا۔ دعوت کے کاموں سے فرصت پاتے تو سیدھے کتب خانہ میں تشریف لے جاتے۔

امانی الاحبار

مولانا موصوف کی کتابوں میں دو کتابیں معروف و مشہور اور مطبوع و مقبول ہیں۔ پہلی کتاب حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الآثار کی شرح ہے جو امانی الاحبار کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ چوتھی جلد "باب الرکعتین بعد العصر" کے درمیان پر ختم ہو گئی۔ یہ باب پورا ہونے نہ پایا تھا کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی۔ سنا تھا کہ مرکز نظام الدین کے اکابرین سے بعض حضرات اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ لیکن راقم الحروف نے حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب دامت ظلہم سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی کام آگے نہیں بڑھا۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں چھوڑا تھا اب تک وہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ملحق فرمایا ہے جو حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب شرح معانی الآثار سے متعلق ہے اور بہت جامع اور نافع ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعی بلیغ سے ۱۳۷۶ھ میں علامہ عینیؒ کی شرح نخب الافکار فی شرح شرح معانی الآثار قلمی کا فوٹو مصر سے حاصل

کر لیا گیا تھا جس سے آخری جلدیں استفادہ کیا گیا۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی کو بھی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے بڑا شغف تھا۔ انہوں نے اس کی دو شرحیں لکھی تھیں اول "نخب الافکار فی شرح شرح معانی الآثار" دوم "مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار" پھر انہوں نے شرح معانی الآثار کے رجال پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "مغانی الاخیار" رکھا۔ تینوں کتابوں کے مخطوطات مصر کے قدیم کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف شرح لکھ کر شرح معانی الآثار کی خدمت کی بلکہ اسکی تدریس میں بھی برسہا برس مشغول رہے مصر میں الملک المؤید نے اپنے مدرسہ میں ایک خاص کرسی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب کیلئے مخصوص کی تھی جس کے لئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو مدرس مقرر فرمایا تھا۔ یہ سب باتیں علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ نے "الحاوی" میں ذکر کی ہیں ان کا یہ رسالہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور سوانح پر ہے۔

حضرات علماء مظاہر علوم کو دیگر کتب حدیث کی طرح شرح معانی الآثار للامام الطحاوی سے بھی خصوصی شغف رہا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار پڑھایا کرتے تھے ان کے صاحبزادہ قاری سعید الرحمٰن صاحب نے راولپنڈی پاکستان سے ایک کتاب الحاوی علی مشکلات الطحاوی شائع کی جس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ جب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں طحاوی شریف کا سبق حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کیا گیا تو مدرسہ کے اکابر مدرسین کا مشورہ ہوا کہ چونکہ اس کتاب کی کوئی شرح نہیں ہے اس لئے اسکی مشکل عبارات اور شبہات

داعتراضات کا حل آپس کی بحث وتمحیص اور غور وفکر کے بعد کیا جائے چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ کو جو اشکالات پیش آتے وہ تحریر فرما کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے پاس بھیجدیتے وہ اپنا جواب تحریر فرما کر بقیہ اکابر مدرسہ کو بھیجدیتے یعنی مولانا عبداللطیف صاحب اور مولانا اسعد اللہ صاحب کو بھیج دیتے۔ اس طور پر یہ اپنی نوعیت کا منفرد مجموعہ تیار ہو گیا۔ جس سے نہ صرف طحاوی شریف کے مشکل ومغلق مقامات کے سمجھنے میں آسانی ہو گئی بلکہ دوسرے فقہی وحدیثی مباحث بھی حل ہو گئے

حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب مظاہری نے بھی شرح معانی الآثار کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اول تو انہوں نے ان اغلاط کی تصحیح پر اپنی توجہ مرکوز فرمائی جو امام طحاویؒ کی اس کتاب میں غلط در غلط چھپتی چلی آرہی تھیں۔ پھر پوری کتاب پر حاشیہ لکھا جو مکتبہ امدادیہ ملتان سے اصل کتاب کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ نیز انہوں نے شرح معانی الآثار کے رجال پر بھی توجہ فرمائی اور چار جلدوں میں ان کو جمع فرمایا۔ ان کی یہ کتاب "تراجم الاحبار" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

احقر راقم الحروف نے بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شرح معانی الآثار کی شرح لکھنا شروع کی تھا جس کا نام "مجانی الاثمار" رکھا تھا۔ اس کی ایک جلد طبع ہو گئی تھی جو کتاب الطہارۃ کے ختم تک ہے۔ دوسری جلد بھی شروع کی تھی جو تقریباً آدھی کتاب الصلاۃ تک پہنچ چکی ہے مگر دیگر مشاغل کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ تکمیل کی دعا فرمادیں۔

حیاۃ الصحابہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری مطبوعہ تالیف "حیاۃ الصحابہ" ہے۔ حضرت مولانا موصوف کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور قصص جاننے اور بیان کرنے اور جمع فرمانے کا خاص شغف تھا۔ "حیاۃ الصحابہ" انکے انہیں جذبات کا مظہر ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں پہلے دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔ پھر بیروت اور دمشق سے بھی اسکی اشاعت ہوئی اور اب "ادارۂ اشاعت دینیات" سے اس کی اشاعت ہو رہی ہے جو اعراب کے ساتھ ہے اور مولانا عبداللہ صاحب طارق سلمہ اس کی نقول کی مراجعت فرما رہے ہیں۔ اور بہت سی جگہ انہوں نے اغلاط کی تصحیح کی ہے۔

مولانا محمد عثمان صاحب فیض آبادی مرحوم نے اس کتاب کا ترجمہ اردو میں کیا تھا جو دھلی کے کتب خانہ میں ملتا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری تالیف چھ نمبروں پر ہے۔ جس میں جماعت تبلیغ کے اصول ستہ پر نصوص جمع فرمائی تھیں۔ یہ کتاب احقر نے دیکھی تھی لیکن آج تک اس کے طبع ہونے کا علم نہ ہو سکا۔ غالباً مرکز نظام الدین دہلی میں اس کا مسودہ محفوظ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سفرِ آخرت تیسرے حج سے واپس ہو کر مشرقی پاکستان کا سفر فرمایا اور مختلف اجتماعات میں خطاب فرما کر واپس ہوئے۔ اس کے بعد مغربی پاکستان کا سفر فرمایا اور رائیونڈ کے عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا۔ نیز بلال پارک (لاہور) میں بھی ایک اجتماع ہوا۔ یہ بھی ایک عظیم اجتماع تھا اور اس موقعہ پر جو حضرت مولانا نے تقریر فرمائی وہ آخری تقریر تھی۔ اِن دنوں میں حضرت مولانا دل کی تکلیف محسوس فرماتے رہے۔ لیکن حاضرین سے برابر باتیں کرتے رہے اور جماعتوں کے کام میں مشورے دیتے رہے۔ پھر قلب پر مرض کا شدید حملہ ہوا۔ اور ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ کو بروز جمعہ ۲ بجکر پچاس منٹ پر لاہور میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ رفعہ اللہ درجاتہ۔

مولانا سید انور حسین صاحب الحسینی المعروف بنفیس رقم دام مجدھم نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات پر چند اشعار منظوم فرمائے تھے جن کے آخری مصارع میں سن وفات بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اے نورِ عین حضرت الیاس دھلوی — اے یوسف زمانہ و اے صاحبِ جمال
اِسلام کا نمونہ تیری زندگی رہی — لاریب تیری ذات تھی روشن ترین مثال
ہر بتکدے میں تیری اذاں گونجتی رہی — اللہ نے دیا تجھے نطق و لبِ بلال،
تبلیغِ دینِ حق میں گذاری تمام عمر — اس راستہ میں جان بھی دیدی بہ کمال

وارد ہوا یہ قلبِ حزینِ نفیس پر
رئیسِ مبلغاں ہے تیرا سالِ انتقال
۱۳۸۴ھ

تدفین

لاہور میں نماز جنازہ ہوئی۔ پھر جنازہ دہلی لیجایا گیا اور مرکز نظام الدین میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی اقتدار میں ہزاروں اشخاص نے نماز جنازہ پڑھی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً وکثر فینا امثالہ۔

ان کے بعد حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے مشورہ اور حکم کے مطابق حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب دام ظلہم کو امیر جماعت تبلیغ مقرر کیا گیا[الف] جو ان کے سفر و حضر کے ساتھی اور دینی محنتوں میں برابر کے شریک رہتے تھے

[الف] چند سال پہلے جب یہ سطور لکھی گئی تھیں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ باحیات تھے اور بڑی ہمت اور اولو العزمی کے ساتھ امارت کا بار امانت سنبھالے ہوئے تھے، بعض ایسے ناگوار حالات پیش آئے کہ اس کتاب کے چھپنے میں دیر لگ گئی اور اس اثناء میں حضرت مولانا موصوف [۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ] دنیا فانی کو چھوڑ کر عالم بقاء کی طرف منتقل ہو گئے انہوں نے مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تیس [۳۰] سال تک باحسن وجوہ امارت کا کام سنبھالا اور بڑی ہمت اور حوصلہ کے ساتھ کام کو آگے بڑھایا اور پوری دنیا میں پھیلایا، فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ ان کے بعد صاحبزادہ مولوی زبیر الحسن اور صاحبزادہ سعد بن ہارون (حفید مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ) مرکزی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

فبارک اللہ فیہما ورفع درجات اسلافہما (من المرتب عفا اللہ عنہ)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(والد ماجد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ)

ولادت آپ بروز پنجشنبہ یکم محرم الحرام ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام بلند اختر[1] رکھا گیا، آپ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے دوسرے نامور صاحبزادے تھے

حفظ کلام اللہ فطرۃً آپ ذہین و ذکی اور طبعاً نظیف اور لطیف المزاج تھے، سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور اس کے بعد چھ مہینے تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کریں، جب ختم کر لیتے تو کل تک کیلئے چھٹی ہو جاتی تھی،

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا قرآن مجید ختم کر لیا کرتا تھا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا[2]

اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن شریف بہت از بریاد ہو گیا تھا، بلا تکلف بلا متشابہ پڑھتے چلے جاتے تھے، اور قرآن کریم کی تلاوت ان کا محبوب مشغلہ تھا، ان کے فرزند ارجمند حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ مقدمہ اوجز المسالک میں تحریر فرماتے ہیں "وکان تلاء للقرآن بکاءً فی اللیالی والناس نیام فکان یتلوا القرآن فی اللیل حتی یغلب علیہ البکاء (آپ بہت زیادہ تلاوت کرنیوالے تھے راتوں کو بہت زیادہ روتے تھے جبکہ لوگ سوئے ہوتے

---

[1] بلند اختر کے عدد ۱۲۸۷ ہوتے ہیں مگر پیدائش ۱۲۸۸ لکھی ہے۔ ممکن ہے رویت ہلال کے ثبوت میں اختلاف ہو گیا ہو، پیدائش کا دن ۳۰ ذی الحجہ میں لگانے سے ۱۲۸۷ھ اور محرم الحرام لگانے سے ۱۲۸۸ھ ہو جاتا ہے؛ واللہ اعلم ۱۲

[2] حالات مشائخ کاندھلہ ۱۲

تھے ، رات کو اس قدر تلاوت کرتے تھے کہ رونا غالب ہوجاتا تھا)

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرماتے ہیں، کہ" ایک مرتبہ میری درخواست پر آپ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے میرٹھ تشریف لائے تو دیکھا کہ دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرمالیتے تھے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہوتی تھی،

ایک مرتبہ ریل سے اترے تو عشاء کا وقت ہوگیا تھا، ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آگئے اور تین گھنٹے میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہت، گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور باطمینان پڑھ رہے ہیں۔ تیسرے دن ختم فرماکر روانہ ہوگئے نہ دور کی ضرورت تھی نہ سامع کی حاجت"،

عربی پڑھنے کی ابتداء اور نو عمری میں علمی استعداد

چھ ماہ گذر جانے کے بعد والد صاحب نے عربی شروع کرائی اور خود ہی پڑھائی، والد صاحب کو نماز تہجد کا خاص اہتمام تھا۔ اس لئے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کو آخر شب میں اٹھا دیا کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑجائے، مولانا محمد صاحب تو طویل نفلیں پڑھا کرتے تھے، مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب چند مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے تھے، نوعمری میں آپ کی علمی استعداد اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں آپ کی مہارت مشہور ہوگئی تھی حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے اکثر کتابیں خود مطالعہ کیں، اور استاد سے بہت کم پڑھی تھیں،

عربی ادب میں مہارت

عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم

دونوں بے تکلف لکھتے تھے ۔ اور یوں فرماتے تھے کہ میں نے ادب میں استاد سے صرف مقامات حریری کے نو مقامے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاد نے کہدیا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا ، اور اکثر جگہ استاد فرمایا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا ، یہ ادب کے استاد شیخ الہند کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ دیوبندی تھے ۔ اور اسی استادگی کی وجہ سے آپ ان کا ہمیشہ احترام کیا کرتے اور استاد کے لقب سے پکارا کرتے تھے محض اسی سبق کی وجہ سے آپ کا چندروز قیام دیوبند میں رہا ، روزانہ نصف مقامہ یا کچھ زیادہ ہوجاتا تھا ،

منطق کے اسباق مقامات کے نو مقامے پڑھ کر آپ وہاں سے اپنے وطن کاندھلہ تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ عربیہ میں مولوی یداللہ سنبھلی سے جو معقولات میں مشہور تھے منطق کا سبق شروع کردیا ، مگر انھوں نے ادب کی کتب نہ پڑھی تھیں ، اس لئے ایک گھنٹہ آپ ان سے حمداللہ شرح سلم پڑھا کرتے تھے اور ایک گھنٹہ وہ آپ سے مقامات حریری پڑھا کرتے تھے ،

مولانا فرماتے تھے کہ حمداللہ میں نے اٹھارہ دن میں پڑھی ، ظہر کے بعد اس کا سبق شروع ہوتا تھا ، میں صبح ہی حمداللہ اور اس کے حواشی لے کر نانی اماں کے مکان کی چھت پر جا بیٹھتا تھا اور بارہ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا ، بعض اوقات حمداللہ کے سبق میں استاد سے بحث ہوجاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اسکو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے فرماتے ، میں کہدیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں ، مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کروں گا ۔ ورنہ میرا سبق ناقص رہ جائیگا

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سُلّم العلوم مجھے حفظ یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو

از اول تا آخر دو سو مرتبہ پڑھا ہے[1]

علمی شغف اور انہماک | حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اپنے والد صاحب کے علمی انہماک اور محنت و مجاہدہ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طلب علم کے زمانے میں علمی شغف بہت زیادہ تھا، ایک زمانے میں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا کہ ان کی آنکھوں میں نزولِ آب ہونے کو ہے کتاب کم دیکھا کریں، بالخصوص رات کو کتب بینی نہ کریں، یوں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کئی ماہ تک اس قدر محنت اور کتب بینی کی اس خیال سے کہ پھر تو یہ آنکھیں جاتی رہیں گی جو کچھ دیکھنا ہو ابھی دیکھ لیں[2]

پھر تحریر فرماتے ہیں " میرے والد صاحب نظام الدین میں رہتے تھے اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھتے تھے یوں فرمایا کرتے تھے کہ صبح کی نماز کے بعد مدرسہ پڑھنے آتا تھا اور دوپہر کو فراغت کے بعد نظام الدین واپس جاتا اور ظہر کے بعد پھر آکر سبق پڑھکر عصر کے بعد پھر واپس جاتا، تقریباً یہ راستہ ساڑھے تین میل ہے چودہ میل تقریباً روزانہ ہو گئے، اس قصہ کو بہت اہمیت کے ساتھ کتب حدیث کی احادیث مواقیت صلوۃ میں بیان فرمایا کرتے تھے جس میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر اپنے گھر مغرب سے پہلے پہونچ جاتے تھے،،

یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہمیشہ نظام الدین سے مدرسہ حسین بخش ۳۵ منٹ میں پہنچتا تھا، کبھی کبھی اس سے ایک دو منٹ کم تو ہوتے مگر زیادہ نہیں[3]،

---

[1] تذکرۃ الخلیل ۱۲ [2] و ۱۳ [3] آپ بیتی ص۱۴۳ و ص۱۴۴ نمبر ۲

حدیث پڑھنے کے لئے گنگوہ کی تخصیص

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحبؒ نے اکثر کتب مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں (یہ مدرسہ جامع مسجد دہلی کے جنوبی دروازہ کے سامنے سے چتلی قبر کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو ایک گلی میں واقع ہے اور الحمد للہ اب بھی جاری ہے) مگر وہاں حدیث پڑھنے سے انکار فرما دیا، بڑا عجیب قصہ ہے، فرمایا کرتے تھے کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے، اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی مولوی محمد صاحبؒ نے چونکہ حدیث پاک گنگوہ میں پڑھی تھی اس لئے میں حضرت گنگوہی کا بہت ہی معتقد ہو گیا تھا اور طے کر لیا تھا کہ اگر حدیث پڑھوں گا تو حضرت گنگوہی سے ورنہ نہیں پڑھوں گا، اور اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض کی وجہ سے کئی سال پہلے حدیث کے اسباق بند فرما چکے تھے، مدرسہ حسین بخش والوں کی خواہش اور اصرار تھا کہ میرے والد صاحب حدیث ان کے مدرسہ میں پڑھیں کہ اس میں میرے دادا صاحب کی وجہ سے ان کے مدرسہ کی شہرت اور مقبولیت تھی، میرے والد صاحب کے شدید انکار پر انھوں نے میرے دادا صاحبؒ پر اصرار کیا کہ مولوی یحییٰ کم از کم بخاری شریف کے امتحان میں شریک ہو جائیں اس کو میرے والد صاحب نے قبول فرما لیا نظام الدین کا مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حجرہ جو مسجد کی دائیں جانب ہے، اب تو وہ بہت شاندار ہو گیا اس وقت وہ بہت بوسیدہ تھا اور چھت بھی بہت نیچی تھی، مسجد کی طرف کا دروازہ تو اسی طرح تھا جیسا اب ہے، لیکن جس جگہ آجکل زنانے مکان کی کھڑکی ہے وہاں بجائے کھڑکی کے ایک مختصر دروازہ قد آدم تھا، اور زنانے مکان کی جگہ خودرو درخت اتنی کثرت سے اور گنجان خار دار کھڑے ہوئے تھے کہ

وہاں چلنا بھی بہت دشوار تھا، اس جگہ ایک رَو بھی بہتی تھی جس میں گندہ پانی بہتا تھا اور مچھروں کی بھی کوئی انتہا نہ تھی، اس منظر کو میں نے بھی دیکھا ہے، میرے والد صاحب شب و روز اس حجرہ میں رہتے تھے، میرے دادا جان کے شاگردوں میں دو لڑکے تھے جن کے ذمہ یہ تھا کہ ہر اذان پر دو لوٹوں میں پانی بھر کر اس جنگل والے دروازہ کی طرف کو پہنچا دیں اور دونوں وقت کھانا بھی اسی دروازے پر سے لیجا کر ان کے پاس رکھدیں وہ فرماتے تھے کہ میں سنتوں اور نماز سے فارغ ہو کر اپنی کتاب دیکھنے میں مشغول ہو جاتا تھا اور نماز کی تکبیر پر مسجد کا دروازہ کھول کر جماعت میں شریک ہو جاتا اور نماز کا سلام پھیرتے ہی اندر آ کر سنتیں پڑھتا، اسی دوران میں کاندھلہ سے میری شادی کے سلسلے میں میری طلبی کا تار پہونچا تو اس کو نظام الدین والوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ کئی ماہ سے یہاں نہیں ہے، غالباً میرے دادا جان کاندھلہ ہوں گے انھوں نے ہی یہ تار دلوایا تھا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ چھ ماہ میں بخاری شریف، سیرۃ ابن ہشام طحاوی، ہدایہ، فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھیں کہ مجھے خود حیرت ہے، ممتحنین میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جن کے پاس بخاری کا امتحان تھا اور حضرت شیخ الہندؒ جن کے پاس ترمذی کا تھا اور حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ و دیگر اکابر کے پاس دوسری کتب کا، کھانے کی مجلس میں میرے دادا صاحب اور یہ سب حضرات شریک تھے تو حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے میرے دادا صاحب سے فرمایا کہ آپ کے لڑکے نے ایسے جوابات لکھے ہیں کہ اچھے مدرس بھی نہیں لکھ سکتے[1] حضرت گنگوہی قدس سرہ نے سالہا سال مختلف علوم و فنون کی کتب پڑھائیں

---

[1] آپ بیتی ص۱۴۶ نمبر ۴

لیکن آخری حج کے بعد (جو ۱۲۹۹ھ میں ہوا) درس کے سارے اوقات صرف صحاح ستہ کی تدریس کے لئے مخصوص کرلئے تھے، سال بھر میں تن تنہا صحاح ستہ پڑھاتے تھے[1]

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہٗ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے درس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۳۰۰ھ کے بعد صرف دورۂ حدیث کا معمول رہ گیا تھا، جو شوال میں شروع ہو کر شعبان میں ختم ہو جاتا، تمام دورہ کی کتابیں حضرت خود ہی پڑھاتے، ابتدا میں صرف صبح کو سبق ہوتا تھا جو اشراق کے بعد سے شروع ہو کر چاشت کے وقت ختم ہو جاتا اور ختم سال پر ایک گھنٹہ ظہر کے بعد بھی شروع ہو جاتا، ایک شخص صحاح ستہ کی سب کتابیں مع مؤطین دس گیارہ مہینے میں پڑھا دے آجکل کے محققین کی نگاہ میں "بیچارہ کیا پڑھاتا ہوگا" لیکن حضرت قدس سرہ کا دورۂ حدیث اس قدر مشہور تھا کہ دور دور سے مدرسین پڑھنے کے واسطے آیا کرتے تھے[2]

درس حدیث کیلئے حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری | مولانا محمد یحییٰ

صاحبؒ کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نوراللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے سفارش فرمائی تھی کہ میری درخواست پر ایک سال دورہ اور پڑھا دیں، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب الکاندھلوی ثم الدہلوی کے لڑکے مولوی محمد یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے، ایسا ذہین طالب علم بڑی مشکل سے ملتا ہے، اعلیحضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ پہلے سے بھی مولانا محمد یحییٰ صاحب کا اصرار اور حدیث

---

[1] نزہۃ الخواطر [2] آپ بیتی نمبر ۶ ص ۱۲۴۔

پڑھنے کی شرط سن رہے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کے والد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے واقفیت تھی اس لئے حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایک بار پھر دورہ پڑھانیکا ارادہ فرمالیا[۱]

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ۰۸ھ سے حضرت گنگوہی قدس سرہ نے امراض اور عوارض کی کثرت سے سالانہ دورہ کو ملتوی فرمادیا تھا اور تین چار سال کے تعطل پر میرے والد صاحب کے اصرار اور حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے سفارش پر حضرت قدس سرہ نے یکم ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ کو ترمذی شریف شروع کرائی، جو صرف ایک گھنٹہ ہوتی تھی، کہ امراض کی کثرت اور عوارض کی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ وقت نہ ملا اسی وجہ سے یہ دورہ دو سال میں ہوا، اور ترمذی ۱۸ ر ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو یعنی چودہ ماہ کے اندر ختم ہوئی، اس کے چار دن بعد ابو داؤد شریف ۲۲ ر ذی الحجہ پنجشنبہ کو شروع ہوئی، اس کے بعد چونکہ نزول آب کے آثار بھی شروع ہوگئے تھے اس لئے بقیہ کتب کو عجلت سے طلبہ کے اصرار پر ختم کرایا اور ۷ ر ربیع الاول پنجشنبہ ۱۳۱۳ھ کو ابوداؤد ختم فرمائی، اور اس کے بعد بخاری شریف دو دن بعد ۹ ر ربیع الاول شنبہ کے دن شروع ہوئی اور یکم جمادی الاول کو جلد اول ختم ہوکر اس کے ختم کے بعد جلد ثانی شروع ہوئی جو ۱۷ ر جمادی الثانیہ کو ختم ہوئی، اور اس کے بعد چونکہ نزولِ آب کی شدت ہوگئی تھی اس لئے نہایت عجلت میں دو ماہ کے اندر مسلم شریف نسائی شریف، ابن ماجہ پوری ہوئیں، اور ۲۳ ر شعبان ۱۳۱۳ھ کو یہ دورہ ختم ہوا[۲] حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا۔ ان میں

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۱۴۶ [۲] آپ بیتی ۶ ص ۱۴۰۔

ترمذی شریف پر محدثانہ فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا، اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام اور ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث وغیرہ غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا،

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی سفارش پر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کو دورہ پڑھانے کا وعدہ فرمالیا، اور یہ حضرت کے یہاں آخری دورۂ حدیث ہوا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہو چکی تھی اس آخری بہار کے دیکھنے کے لئے پھر گنگوہ میں جمع ہو گئی اور شریک دورہ ہو کر تمام شرکا فیضیاب ہوئے،

ایک عبرتناک واقعہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی، کاندھلہ قریب تھا مگر میں خود جانے کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خود امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا، عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا بار بار تقاضا ہے جاؤ گھر ہو آؤ، لہٰذا میں کاندھلہ چلا گیا اور فوراً واپس آگیا، جو صاحب قرأت کیا کرتے تھے وہ ایک ولایتی طالب علم تھے وہ ترمذی کا ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے شروع کرنے لگے، ہر چند میں نے اور دیگر شرکا سبق نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا مگر وہ یہی کہتے کہ نہیں وہ ہو چکا، چند روز بعد دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ، میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی ہی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا ہے، حضرت نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں، اس دن قرأت کرنے والا کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق کم ہونے پر اس کو غصہ آیا

اور جب تقریر تمام ہو چکی تو میری طرف مخاطب ہو کر کہا اور کوئی حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو، میں اور حضرت اقدس دونوں چپ رہ گئے، حضرت نے زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا،

سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل جاتی رہی نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیائہ[1]

حضرت گنگوہی کا قلبی تعلق آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بہت چہیتے شاگرد اور خادم خاص بلکہ برسوں اخص الخدام بن کر رہے ہے، آپ حضرت گنگوہی کو اولاد سے زیادہ پیارے تھے کہ حضرت ان کو بڑھاپے کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے تھے، اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے ادھر ادھر ہو جاتے تو امام ربانی بےچین اور بے کل ہو جاتے تھے، بارہ برس کامل اس لاڈ پیار میں گذرے کہ کوئی اس کی نظیر بیان نہیں کر سکتا،

ایک مرتبہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے، جب مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ آئے تو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مت آئیو وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی[2]

مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۱ھ میں حدیث پڑھنے کے لئے گنگوہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ۱۲ [2] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۱۴۷

پہونچے دو سال دورہ پڑھنے میں لگ گئے اور اس کے بعد وہاں ایسے جمے کہ وہاں سے جدا ہونا گوارا نہ تھا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے تلمیذ خاص، خادم خاص اور کاتب خاص بن کر رہے، حضرت اقدس قدس سرہ کی ظاہری بینائی نزول الماء کی وجہ سے جاتی رہی تھی لہذا استفسارات اور خطوط کے جوابات آپ ہی لکھتے تھے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خواہش ہوتی تھی کہ ہر روز کی ڈاک کا جواب اسی دن دیدیا جائے اور آج کی ڈاک کا جواب کل پر نہ چھوڑا جائے[1]

حضرت گنگوہی کی وفات حسرت آیات ۸ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کو ہوئی، مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ یہ کہ زندگی بھر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ساتھ رہے بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی صاحبزادی کے اصرار پر چند سال گنگوہ میں گذارے معاش کے لئے تجارتی کتب خانہ کر رکھا تھا، جہاں سے اکابر دیوبند کی کتابیں شائع اور فروخت ہوتی تھیں، ۱۳۲۵ھ میں گنگوہ سے اپنے کتب خانہ اور اہل وعیال کے ساتھ سہارنپور منتقل ہوئے، ۱۷ سال گنگوہ میں گذارے،

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ڈاک اور استفتاءات کے جوابات لکھنا

مولانا عاشق الٰہی تحریر فرماتے ہیں سب سے آخری دورہ میں امام ربانی غوث صمدانی قطب عالم قدس سرہ کے تلامذہ میں مولانا المولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ہیں جن کے نام نامی سے حضرت کے منتسبین میں غالبا کوئی چھوٹا بڑا شخص ناواقف نہ ہوگا، اسی آخری دورہ میں چونکہ حضرت مولانا کی بینائی پر آشوب نے اثر کیا اور تحریر جوابات سائلین سے بالکلیہ معذوری ہوگئی اس لئے یہ شاگرد اس خدمت کے لئے

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۵۰ ج ۸

منتخب ہوئے اور طبعی ذکاوت، رسائی فہم، تفقہ، صلاحیت واستعداد نفس، اور شیخ المشائخ کی ہمہ وقت خدمت و مزاج شناسی کی بناپر دو سال تک یعنی کامل بارہ سال حضرت کی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے پائے، حضرت قدس سرہ کے علمی فیضان اور تدریس و تفقہ کے آثار کا نمونہ دکھلانے کیلئے اگر مولوی محمد یحییٰ صاحب کو پیش کر دیا جاتا تو کافی تھا،

پھر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں،

مولانا (محمد اسمٰعیل صاحب) کے نور نظر اور باپ کے قدم بقدم صاحبزادے مولوی محمد یحییٰ دہلی میں علوم دینیہ وفنون درسیہ پڑھنے کے بعد شوال ۱۳۱۲ھ[۱] میں گنگوہ آئے اور لال مسجد میں ٹھیرے، حضرت نے اس سال دورہ صرف انھیں کی وجہ سے شروع کرایا ورنہ پے در پے حوادث و صدمات نے اس درجہ مضمحل کر دیا تھا کہ درس کی طاقت نہ تھی اثنار دورہ میں بھی حضرت چند ماہ علیل رہے، اسی وجہ سے دو سال میں صحاح ختم ہوئی، آخر میں حضرت ؒ نے ربوی تجارت کا جو اس زمانہ میں رائج ہو رہی ہیں مسئلہ لکھوایا جس کی تحریم کو مولوی محمد یحییٰ صاحب نے نہایت مدلل و موجہ فقہی روایات سے عالمانہ طرز پر مزین کر کے پیش کیا، اس کو دیکھ کر حضرت نہایت مسرور ہوئے اور یہ فرما کر بارک اللہ اپنی مہر مولانا کے حوالہ کر دی اس وقت سے آخر تک وہ مہر مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس رہی اور فتاوی نویسی کی

---

[۱] صحیح ۱۳۱۱ھ ہے جیسا کہ حضرت شیخ قدس سرہ نے مقدمہ اوجز میں اور آپ بیتی میں لکھا ہے ۱۲

خدمت سپرد ہوگئی اور وہ بھی اس درجہ اعتماد و وثوق کے ساتھ کہ سوائے مخصوص پیچیدہ مسائل جن کو مولوی محمد یحییٰ صاحب خود ہی احتیاطاً دریافت فرما لیتے تھے کہ کیا لکھوں باقی عام مسائل جو اطراف عالم سے سینکڑوں اور ہزاروں آئے کبھی حضرت نے یہ بھی دریافت نہیں فرمایا کہ کیا لکھا ہے مجھے سنا دو۔[۱]

تقاریر کتب حدیث مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال میں اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے دورہ کی کتابیں پڑھیں اور ساتھ ہی اعلیحضرت کی تقاریر کو قلمبند کرنے کا اہتمام بھی کیا، حضرت امام ربانی اردو میں تقریر فرماتے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ انکو عربی میں لکھ لیتے تھے دوران تقریر پوری عبارت لکھنا تو دشوار تھا، درس کے وقت اجمالی اشارات لکھ لیتے تھے۔ بعد میں ان کو عربی کا جامہ پہناتے تھے، ان تقاریر میں سے تقریر ترمذی بنام "الکوکب الدری" اور تقریر بخاری بنام "لامع الدراری" حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے اپنے حواشی کے ساتھ مزین کر کے اپنی حیات میں سالہا سال قبل شائع فرمادی تھیں، اور صحیح مسلم کی تقریر حال ہی میں بحواشی مولانا محمد عاقل صاحب دام ظلہم صدر مدرس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور طبع ہوئی ہے، باقی کتب کی تقاریر شائع کرنے کی بھی اللہ جل شانہ متعلقین و منتسبین کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی نصرت و مدد سے نوازے[۲] آمین

بیعت، سلوک، خلافت، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ اوّل حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ۱۳۱۱ھ سے لے کر حضرت

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص ۱۹۸ ج ا [۲] ان سطور کی تحریر کے بعد مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم سنن نسائی کی تقریر بھی اپنے حواشی سے مزین کر کے بنام "الفیض السمائی" شائع فرمادی۔

گنگوہی قدس سرہ کی وفات تک جو ۱۳۲۳ھ میں ہوئی مسلسل اخص الخدام اور پیش کار بن کر رہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے بعد آپکے اجل خلفاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے رجوع ہوئے، تذکرۃ الخلیل میں جہاں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی فہرست دی ہے وہاں لکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ اعلیٰ حضرت امام ربانی کی وفات کے چند روز بعد آپ کی طرف سے مجاز ہوئے، نیز تذکرۃ الخلیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی دوربیں بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی چیز ہیں گنگوہ جاکر وہ عمامہ[1] جو آپ کو مرشد العرب والعجم کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل بیخچوں پر سیا ہوا ابتک محفوظ رکھا ہوا تھا یہ کہتے ہوئے مولوی یحییٰ کے سر پر رکھدیا کہ اس کے مستحق تم ہو اور میں آجتک اس کا محافظ اور امین تھا، الحمد للہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کرکے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ۱۲ عہ اس عمامہ کی تاریخ یہ ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت ہونیکے بعد چند سال محنت و ریاضت میں مشغول رہے اور منازل سلوک طے ہوتے رہے پھر جب آپ ۱۲۹۷ھ میں دوسرے حج کیلئے روانہ ہوئے تو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے شیخ اعلیٰ حضرت مرشد العرب والعجم الحاج الشاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں عریضہ لکھا جسمیں یہ بھی تحریر تھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر ہوتے ہیں حضرت انکی حالت پر مطلع ہوکر ... ہونگے، چنانچہ جب آپ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت آپکی باطنی کیفیت مشاہدہ فرماکر نہایت خوش ہوئے، اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھدی اور خلافت نامہ مزین ... فرماکر عطا فرمایا حضرت سہارنپوری نے دونوں عطیے حضرت امام ربانی کے حضور میں پیش کردیئے اور عرض کیا کہ بندہ ... اس لائق نہیں یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے حضرت امام ربانی نے فرمایا تمکو مبارک ہو اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرماکر مع دستار آپ کو عطا فرمادیا۔

پھر چند صفحات کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ

حضرت (سہارنپوری) چونکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی ذکاوت اس وقت جانچ چکے تھے جبکہ وہ دہلی میں طالب علم تھے اور اب بارہ برس گنگوہ حاضر ہونے میں ان کے تبحر علمی اور استعداد عملی کا مزید تجربہ فرما چکے تھے، اس لئے آپ مدت سے متمنی تھے کہ مولوی محمد یحییٰ مظاہر علوم میں آجائیں، مگر اول تو حضرت صاحبزادی صاحبہ کا اصرار کہ وہ ان کو باپ کی خانقاہ سے جدا نہ ہونے دیتی تھیں، دوم مولانا کا تنخواہ سے انکار جس پر احتمال ہوتا تھا کہ دل نہادہ پابند ہو کر نہ رہ سکیں گے، لہذا دو سال تو آپنے صاحبزادی صاحبہ کو راضی کر کے مولانا کو اخیر سال میں چندروز کیلئے بلایا اور وہ ناتمام کتابیں ختم کرا کر گنگوہ تشریف لے گئے، مگر تیسرے سال آپنے مستقل قیام پر زور دیا اور تنخواہ نہ لینے کی شرط کو منظور فرمالیا، کیونکہ اندازہ ہوگیا کہ پابندی کیلئے تنخواہ اور اس کا عدم ان کے لئے دونوں بالکل مساوی ہیں، اور تنخواہ لینا کسی طرح بھی منظور نہیں فرما سکتے، چنانچہ جمادی الاولیٰ ۲۸ھ میں مولانا مستقل مظاہر علوم تشریف لے آئے کہ حضرت کے اسفار مدرسہ کی ضروریات کے لئے دن بدن بڑھتے جاتے تھے اور اس کا اثر آپ کے اسباق پر پڑ کر علمی کارگذاری میں نقصان کا سبب بنتا تھا[1] اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل آپ مظاہر علوم میں درس دیتے رہے حتی کہ ذیقعدہ ۳۴ھ میں آپ کی وفات ہوگئی،

مکتبہ اور مدرسہ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات تک تو انہی کی خدمت میں رہے، حضرت اقدس کی وفات

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۲۰۶

ہو گئی تو مزید پانچ سال گنگوہ میں گذارے ان پانچ سال میں مدرسہ بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی مکتبہ دینیہ بھی تھا، جہاں سے اکابر دیو بند کی کتابیں شائع ہوتی تھیں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

حضرت کے وصال کے بعد والد صاحبؒ نے خانقاہ شریف ہی میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا تھا، اور جس وقت کا یہ واقعہ لکھ رہا ہوں خوب یاد ہے کہ اسی لڑکے تھے ان میں قاعدہ بغدادی پڑھنے والے بھی تھے، اور حماسہ ہدایہ اولین پڑھنے والے بھی تھے بادیہ کے اسباق کو والد صاحب اور چچا جان پڑھایا کرتے تھے اور ہر اونچی جماعت والے کے ذمہ اس سے نیچے والی جماعت کے اسباق ہوتے تھے کہ اپنے پڑھے اور ان کو پڑھائے اور والد صاحب کے سامنے ہی یہ اسباق پڑھائے جاتے تھے[1]،

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ میرے ایک مخلص دوست جو عمر میں مجھ سے بہت بڑے تھے مولوی حافظ عبدالرحمن صاحب گنگوہی میرے والد صاحب کے بہت خاص شاگردوں میں سے تھے اور یہ بہت بڑی پارٹی تھی بیس پچیس لڑکوں کی جو عربی پڑھتے تھے، فارسی اور قرآن پڑھنے والے تو سو سے بھی زائد تھے یہ گنگوہ میں میرے والد صاحب سے پڑھا کرتے تھے جب ۲۸ھ میں میرے والد صاحب قدس سرہ مستقل قیام کے ارادہ سے مظاہر علوم میں آگئے تو یہ سب خدام بھی آگئے اور علوم کی تکمیل ان سب کی مظاہر علوم میں ہوئی اور پھر علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد یہ سب میرے مرشدی حضرت سہارنپوری مہاجر مدنی سے بھی بیعت ہوئے[2]۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تجارتی کتب خانہ اخیر تک باقی رہا گنگوہ میں

---

[1] تنقید بر سوانح یوسفی ۱۲ [2] آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۹

کتب دینیہ کی تجارت اور اشاعت کا سلسلہ جاری تھا، پھر جب سہارنپور منتقل ہوئے تو کتب خانہ بھی ساتھ لے آئے، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں جو تحریر فرمایا ہے کہ وفات کے وقت مولانا محمد یحییٰ صاحب پر آٹھ ہزار کا قرضہ تھا، یہ قرضہ مصارف خیر میں خرچ کرنے کی وجہ سے تو ہوا ہی تھا دینی کتب کی اشاعت بھی اس کا باعث بنی تھی، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اس میں کوئی تردد نہیں کہ بہشتی زیور کی مقبولیت عامہ میں میرے والد صاحب کا بہت بڑا حصہ ہے وہ جلی قلم سے .... چھپوا کر .... کتاب منگواتے تھے ہر حصہ .... سات پیسے کا بیچتے تھے (او کما قال) اور مقصود یہ تھا کہ کتاب خوب پھیلے، نیز یہ بھی طریقہ تھا کہ سہارنپور میں جو لوگ جمعہ کے دن دیہات سے نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے وہ کتب خانے میں بھی آجاتے تھے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب دیہات کے اماموں کو کتابیں ادھار دیدیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کتابیں لے جاؤ ان کو فروخت کرنا جو قیمت ملے اس میں سے روپے میں دس آنے تمہارے اور چھ آنے میرے (اس زمانے میں روپیہ ۱۶ آنے کا ہوتا تھا) اور اگر کوئی ضرورت مند ہو تو مفت میں بھی دیدینا۔ یہ حضرات چند ہفتوں کے بعد آتے تو حساب دیدیتے ان سے تھوڑا بہت پیسہ ملتا کیونکہ دس آنے فی روپیہ تو ان کا تھا ہی اور اپنے چھ آنے میں سے مفت بانٹنے کی اجازت دے رکھی تھی، جب کتاب ختم ہو جاتی تھی تو پریس والوں کو لکھ کر بھیجدیتے تھے وہ چھاپ کر مال بھیجدیا کرتے تھے اس طرح سے اتنا زیادہ قرضہ ہو گیا تھا، یہ قصہ حضرت شیخ قدس سرہٗ سے احقر نے خود سنا ہے،

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ بہشتی زیور کی اشاعت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ " ایک چیز کا تعلق میری ذات سے تو نہیں لیکن میرے والد صاحبؒ کے ساتھ ضرور ہے ، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی تالیفات مفید عام اور مخلوق کیلئے دینی ترقیات کا جتنا ذریعہ ہیں وہ تو ظاہر ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور ان میں بہشتی زیور کو جو قبولیت عامہ حاصل ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں لیکن بندہ کا خیال یہ ہے کہ اس میں میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے عمل کو بہت دخل ہے ، حوادث میں لکھوا چکا ہوں کہ والد صاحب کے انتقال کے وقت آٹھ ہزار روپے ان پر قرض تھا ، اس میں ان کی تجارت کو بہت زیادہ دخل تھا ، خاص طور سے بہشتی زیور کی طباعت ان کے زمانہ میں دس بارہ ہزار سالانہ کی ہوتی تھی ، کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرتا تھا جس میں بہشتی زیور کا کوئی حصہ ہلالی پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ میں زیر طبع نہ ہو ، میرے والد صاحب کے قرضے میں پریس کے بھی چار پانچ ہزار باقی تھے ان کے زمانہ میں ساڑھے تین آنہ فی حصہ اس کی عام قیمت رہی اور ساڑھے سات پیسہ فی حصہ اس کی پڑت تھی ، اور تاجروں کو ہمیشہ نصف قیمت پر یعنی سات پیسے پر دیا جاتا اور عوام کو بھی اکثر بالخصوص مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ پر اور دار العلوم دیوبند کے ۲۸ھ کے دستار بندی کے جلسے پر سب کتابیں جلسے کے ایک دن کے لئے اور دار العلوم کے تین دن کے لئے نصف قیمت ہو گئی تھی ، بہت سے لوگوں کو بہشتی زیور کامل کے پانچ سات نسخے اس طرح پر دیئے جاتے تھے کہ جب فروخت ہو جاویں آدھی قیمت مجھے بھیج دیں آدھی قیمت خود رکھ لیں ،

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات حسرت آیات

سید الطائفہ حضرت اقدس اعلیٰ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کی وفات ۸ ربیا ۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ راگست ۱۹۰۵ء کو ہوئی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور دیگر خلفاء، اور مریدین و خدام پہ رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ گئے، حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی عمر اسوقت آٹھ سال تھی اپنی اور والد صاحب کی شرکت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں،

"وہ منظر ابتک آنکھوں کے سامنے ہے، جمعہ کی نماز کے بعد تدفین عمل میں آئی، صبح کے بعد سے اور جنازہ اٹھنے تک اس قدر سناٹا رہا کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آدمی کی آواز نہیں جانور کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی، لب ہر شخص کے خوب ہل رہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپکے سر پر رکھدی امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط لکھا اور حضرت کے نام کا خلافت نامہ مزین بمہر آپکے حوالہ فرماکر رخصت کیا، حضرت نے اس شاہی عطیہ کو ایک خاص احترام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جدا نہ ہونے پائیں۔ اور جب ہندوستان پہونچ کر گنگوہ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت کا والا نامہ پیش کر کے یہ دونوں عطیے بھی حضرت کے سامنے رکھدیئے، حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے، آپنے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو حضور کی طرف سے عطا ہو، نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی لہذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہ خدا میں پیش کرسکوں گا۔ حضرت امام ربانی اس حسن ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے۔ اور خلافت نامہ پر دستخط فرماکر مع دستار آپکے حوالہ فرمادیا (تذکرۃ الخلیل صہ۴۲)

تھے اور اس قدر مکمل سکوت کہ قرآن پڑھنے کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی، حفاظ بھی قرآن پڑھ رہے تھے اور ناظرہ خواں بھی مسجد میں بیٹھ کر خوب کثرت سے پڑھ رہے تھے، مگر زبان پر ایسا سکوت کہ آواز کا نام اگر کوئی شخص کسی سے کوئی بات پوچھتا بھی تو وہ ایک منٹ کے بعد اشارہ سے جواب ملتا جمعہ کی نماز تو میرے والد صاحبؒ نے جو پہلے سے حضرت قدس سرہ کی علالت سے امامت کر رہے تھے پڑھائی، بہت بھرائی ہوئی آواز میں جنازہ کی نماز حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے حکم سے پڑھائی اس لئے کہ سارے ہی اجل خلفاء موجود تھے حضرت صاحبزادے سے پوچھا گیا انھوں نے کہا مولوی محمود پڑھائیں گے، میں تو بہت ہی بچہ تھا چھپ چھپ کر قبرستان جا رہا تھا، اور جگہ جگہ سے ہٹایا جا رہا تھا، راستہ میں مخلص کہتے کہ ہٹ جاؤ قبر شریف تک تو پہونچ ہی نہ سکا اس لئے کہ تقریبا چاروں طرف سے ایک میل زائد جگہ کا لوگوں نے احاطہ کر رکھا تھا منظر وہ خوب یاد ہے

گنگوہ سے مظاہر علوم منتقل ہونا

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۱ھ میں گنگوہ پہنچے دو سال میں دورہ پڑھا اور اس کے بعد بھی وہاں سے نہ ہلے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خادم خاص اور کاتب اور پیش کار بن کر رہے حتی کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کی وفات ہو گئی آپ کی وفات کے بعد بھی مزید پانچ سال گنگوہ میں گذارے، ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور منتقل ہو گئے جس کی صورت

یہ ہوئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے رجب ۱۳۲۶ھ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کو گنگوہ طلب کیا تاکہ حدیث کی کتابیں جو ناتمام رہ گئی ہیں انکو پورا کرا دیں، چنانچہ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف لائے اور اٹھارہ دن میں کتابیں باحسن وجوہ پوری کرا کر گنگوہ واپس تشریف لے گئے، پھر ۱۳۲۷ھ میں بھی یہی صورت پیش آئی کہ تعلیمی سال کا اختتام قریب ہو گیا لیکن کتب حدیث کی مقدار زیادہ باقی رہ گئی۔

اس سال بھی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کو طلب فرمایا اور بقیہ کتب ان سے ختم کرائیں، حضرت سہارنپوری قدس سرہ درس حدیث کے لئے ان کو اپنا مستقل نائب بنانا چاہتے تھے لہذا آپنے ان کو مستقل طور پر سہارنپور طلب فرمالیا،

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت (سہارنپوری) نے دیکھا کہ اسفار کی ضرورت روزافزوں ہے اور بار بار اس عارضی نظم کا اہتمام دشواری سے خالی نہیں لہذا مولانا کو مجبور کیا کہ مدرسہ میں مستقل قیام کریں اور دورہ کے اسباق قبول فرمادیں، چنانچہ مولانا کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور جمادی الاولیٰ ۲۸ھ میں مستقل قیام فرماکر حضرت کو راحت پہونچائی کہ جس وقت بھی جہاں جہاں جانے کی ضرورت ہو حضرت آزادی کے ساتھ جائیں، اور اپنے متعلقہ اسباق کے ساتھ حضرت کے اسباق بھی مولانا پڑھائیں، مگر مولانا کی شرط یہ تھی کہ تنخواہ نہ لوں گا، چنانچہ ہر چند ہی سرپرستان مدرسہ کا اصرار ہوا، مگر آپنے اسکو منظور نہ کیا، ہاں جب حضرت سفر میں جاتے اور قائم مقام بن کر حضرت کے اسباق پڑھاتے تو تنخواہ وصول فرماتے اور مکان پر جاکر اماں جی کے حوالے کرآتے، چنانچہ حضرت کا چوتھا سفر حج جو معیت مولانا شاہ زاہد حسین صاحب رئیس بہٹ ۲۸ھ میں ہوا وہ اسی صورت سے ہوا کہ مولانا محمد یحییٰ صاحبنے پانچ مہینے قائم مقام بن کر حضرت کے اسباق پڑھائے اور ہر مہینے تنخواہ وصول کرکے اماں جی کو پہونچاتے رہے، کہ وہ اس سفر میں حضرت کے ہمراہ نہ تھیں، اصالۃً مولانا محمد یحییٰ صاحبنے خدمت درس پر کبھی ایک حبہ بھی نہیں لیا، اور یہ ان کی مخصوص اور امتیازی شان تھی،[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۹۹، ۱۲

طرزِ تعلیم میں مجتہدانہ رنگ

مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی تعلیم میں بالخصوص درجہ ابتدائی کتب کے پڑھانے میں بالکل مجتہد تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شخص کی حیثیت کے موافق اپنی ایجاد سے تعلیم دیا کرتے تھے. خاص طور سے صرف کی متداولہ کتابوں میں سے کوئی نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ خوب مشق و تمرین کے بعد صرف میر پنج گنج ایک ایک دو دو دن میں سن لیا کرتے تھے خود اس ناکارہ کے ساتھ بھی یہ پیش آیا کہ انھوں نے مثال، مضاعف اجوف واوی، یائی. ناقص واوی، یائی کے قواعد زبانی بتا کر کاپی پر لکھوا لئے اس کے بعد دو حرف ب. ت لکھوائے اور پھر فرمایا کہ ان قواعد پر ان کے صیغے بنا کر لاؤ اور کاپی پر ہر صیغہ مع اسکی تعلیل کے لکھوا کر دیکھتے تھے، یہ بتّ تو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس کے صیغے بنائے، اسی طرح نحو میں زبانی قواعد بتا کر ان کو لکھوا کر ان کی ترکیبیں قواعد کے مطابق لکھوایا کرتے تھے، یُوسُفِ زلیخا (کسر فا کے ساتھ) کی ترکیب اب تک یاد ہے کہ مجھ سے کرائی تھی میں نے کر دی کہ یُوسُ منادی مرخم ہے اور فِ وفا سے امر کا صیغہ ہے اور زلیخا مفعول ہے. اسی طرح اور بھی بہت سے صیغے صرف کے اور نحو کی ترکیبیں یاد ہیں۔

علم ادب پر ان کا بہت زور تھا اور اس میں بھی متداول کتابیں، مقامات، متنبی وغیرہ تمرین کے بعد دورۂ حدیث کی طرح سنتے تھے، ان کے یہاں چہل حدیثوں

کے پڑھانے کا بہت دستور تھا، مجموعہ چہل حدیث جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ملا جامی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (وغیرہم) کی چہل حدیثوں کا مجموعہ ہے اور خود انھوں نے ہی طبع کرایا تھا) پڑھاتے تھے، کافیہ کے ساتھ پارہ عم کا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ادب میں دو چیزیں ہیں، الفاظ اور ترجمہ، مسلمان بچہ کو پارہ عم تو یاد ہی ہوتا ہے صرف ترجمہ یاد کرنا پڑتا ہے اور الفاظ پارہ ہونے کی وجہ سے مسلسل یاد رہتے ہیں۔

ہدایۃ النحو اور کافیہ ساتھ پڑھانے کا دستور تھا، کافیہ کی ترتیب کے موافق صبح کو ہدایۃ النحو اور جتنا ہدایۃ النحو سبق ہو گیا اسی کے مطابق شام کو کافیہ، اسی طرح قدوری وکنز بھی ساتھ پڑھانے کا دستور تھا کنز کی ترتیب کے موافق کہ کنز کا سبق گویا اصل تھا اور قدوری کا سبق اس کے لئے بمنزلہ مطالعہ کے، جمعہ کے دن تلخیص کا سبق اتنی مقدار میں کہ اگلے جمعہ تک کی مختصر المعانی کی مقدار پوری ہو جائے، پورے ہفتہ اس کی مختصر المعانی ہوتی اور آئندہ جمعہ کو پھر تلخیص کا اتنا ہی سبق،

یہی معاملہ منار اور نور الانوار کے ساتھ رہتا، منار چونکہ مطبوع نہیں ہے اس لئے جمعہ سے پہلے پہلے نور الانوار میں سے اس کا نقل کرنا بھی ہوتا تھا، الفیہ ابن مالک کا سبق حفظ سنتے تھے۔

ان کو ابتدائی کتابیں پڑھانے کا زیادہ شوق تھا، انھوں نے اہل مدرسہ سے بار بار اس پر بھی اصرار کیا کہ درجہ ابتدائی مجھے دیدو حدیث پڑھانے والے تو اور بھی مل جائیں گے اسی کا اثر ان کے سب شاگردوں میں بھی خوب رہا، اسی وجہ سے حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کو بھی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کا بہت شوق

تھا وہ جس انہماک اور دلچسپی سے ابتدائی کتابیں پڑھاتے تھے اس طرح اوپر کی کتابیں نہیں پڑھاتے تھے، میرے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ کو بھی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کا بہت اہتمام تھا،

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی تھی کہ درجۂ ابتدائی کا مدرس ایسے شخص کو ہرگز نہ بنانا چاہیے جو پورا مولوی ہو، ان کو خیال تھا کہ جو ہوشیار طالب علم ذہین وفہیم ہو اس کو شرح جامی، مختصر المعانی پڑھا کر ابتدائی مدرس بنا دیا جائے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ پورا مولوی ہمیشہ آئندہ ترقی کی فکر میں رہتا ہے اور چھوٹے اسباق کو بے توجہی سے پڑھاتا ہے، اور جس نے اوپر کی کتابیں پڑھی ہی نہ ہوں گی وہ ترقی کی فکر میں نہیں پڑیگا،

وہ مدارس کے موجودہ طرز تعلیم کے بہت ہی خلاف تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ مدارس کا یہ طرز کہ مدرس تقریر کرتا رہے طالب علم کا کرم ہے کہ سنے یا نہ سنے اس سے کیا استعداد پیدا ہو سکتی ہے؟

پھر ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ والد صاحب نوراللہ مرقدہ کو انگریزی دانوں کو بھی عربی پڑھانے کا بہت شوق تھا وہ انگریزی دانوں کو یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہتر گھنٹے دیدو میں انشاء اللہ عربی پڑھا دوں گا، مگر وہ بہتر گھنٹے اس طرح ہوتے تھے کہ ہر اتوار کو دو گھنٹے اور وہ ان دو گھنٹوں میں اتنے قواعد اور اصول بتا دیتے تھے کہ اگلے اتوار تک اس کی تکمیل ان لوگوں سے ہمت ہی سے ہوتی تھی، چنانچہ مولوی منفعت علی صاحب سابق وکیل سہارنپور جو تقسیم کے بعد کراچی جا کر وہیں وفات پا گئے، انھوں نے میرے والد صاحب سے اسی طرح عربی پڑھی تھی، اور اس کے بعد ہدایہ اولین فرفر پڑھتے

تھے، اور بھی یہاں متعدد انگریزی دانوں کو عربی پڑھائی مگر وہ اپنی ملازمتوں کی وجہ سے تبادلہ وغیرہ کی وجہ سے رہ گئی،

مولانا محمد یحییٰ صاحب کا اصول یہ تھا کہ محنت ساری شاگردوں کے ذمہ اور استاد کے ذمہ صرف یہ ہے کہ وہ سنتا رہے صحیح ہو تو تصویب کردے اور غلط ہو تو اون ہوں کردے، اور طالب علم اگر زیادہ بے تکی کہے تو استاد وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ پر عمل کرے،

ادب کی کتابوں میں ایسی کتاب کا پڑھانا جس پر حاشیہ ہو یا اعراب ہوں انکو گوارا نہ تھا، سبعہ معلقہ متنبی وغیرہ تو وہ اپنی یاد سے طالب علموں کو لکھواتے تھے اور اس ناکارہ نے جب مقامات پڑھی ہے تو خاص طور سے کلکتہ کی چھپی ہوئی معریٰ بلاحاشیہ خرید کر منگوائی تھی

وہ طالب علم کے لئے ترجمہ والی کتاب کے پڑھانے کے مخالف تھے، غرض طالبعلم سے وہ اتنی محنت لے لیتے تھے کہ جس کو سن کر آجکل یقین آنا بھی دشوار ہے وہ درسی کتاب کے پورا کرنے کا بھی اہتمام نہیں فرماتے تھے بجز حدیث شریف کی کتابوں کے ان کو تو تمت کی تا رتک پورا کرتے تھے بلکہ اثنار سبق میں کسی طالب علم کی ایک حدیث رہ جانے کا بھی قلق ہوتا تھا، حدیث پاک کے علاوہ اور کتابوں میں ان کا اصول یہ تھا کہ جس کتاب کے آٹھ دس سبق ایسے پڑھ لئے جائیں جس میں استاد جو چاہے پوچھے طالب علم کچھ نہ پوچھے وہ کتاب اس نے گویا پڑھ لی، اب اس کو آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں، مجھے یاد ہے کہ متنبی میں انھوں نے مجھے بہت جلد ہی فرما دیا تھا کہ بس آگے ضرورت نہیں اور حماسہ شروع کرا دیا[1]

---

[1] از مقدمہ اکمال الشیم ۱۲

طلبہ پر خاص شفقت مولانا محمد یحییٰ صاحب کو اس کا خاص شوق تھا کہ بچوں کو گھیر گھار کر عربی تعلیم پر ڈالتے تھے اور اسکی خاطر آپ کو طلبار کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ کرنا پڑتا تھا چونکہ بے نفسی حد سے زیادہ تھی اس لئے طلبہ میں ایسے ملے رہتے تھے گویا ہم سبق طالب علم ہیں، کھانے کا وقت ہوتا تو سارے طلبار سے کہتے اپنے اپنے کھانے لے آؤ اور جب مختلف قسم کے کھانے سب کے آتے کسی کو دال ملی اور کسی کو ساگ، کوئی گوشت لایا، اور کوئی ترکاری، تو آپ اپنے گھر سے بھی کھانا منگاتے اور ایک طشت یا کونڈے میں سب کھانوں کو مخلوط کر کے فرماتے کھاؤ بسم اللہ، طلبار کی اکثر دعوت بھی کیا کرتے اور ان کی تمام مالی ضروریات کو پورا فرماتے، یتامیٰ اور بیوگان اور یگانہ وبیگانہ محتاجوں کی پوشیدہ طریق سے اتنی خدمت کرتے کہ سننے والا حیران ہو جائے سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغنار کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں کبھی پانچ روپے کا غلہ بھی نہیں ڈلوایا، مگر مصارف خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار روپے کے مقروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس میں قرض ہوا[۱]

مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت (سہارنپوری) کے مجاز طریقت تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب ہی کے شاگرد اور مارے باندھے ادھر لائے ہوئے تھے کہ انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے تھے اور اپنی محلہ والی مسجد میں جس کا حجرہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے اپنے قیام کیلئے لے رکھا تھا کبھی کبھی نماز کو آجایا کرتے تھے، آپ نے تاڑ لیا کہ نماز کا شوق رکھتا ہے اس لئے کیا عجب ہے دینی تعلیم کی طرف رغبت پا جائے، لہذا صاحب سلامت پیدا کی اور بہلا پھسلا کر خارج

---

[۱] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۰۴

وقت میں عربی پڑھنے کا شوق دلایا، مولوی عبداللہ کہنے میں آگئے۔ اور میزان شروع کردی، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی چھوٹ گئی اور عربی کے ہو رہے، حق تعالیٰ نے خوش نصیب بنایا تھا لہٰذا اول عالم باعمل ہوئے پھر سالک مجاز طریقت، اس بنا پر مولانا مرحوم کے اعمال حسنہ بھی مولوی محمد یحییٰ صاحب ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہیں[۵۱]

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا بیان ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب کی تعلیم پوری حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس ہوئی ہے، مولانا کے والد نے ان کو اسکول میں داخل کیا تھا، مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر اسکول سے ہٹا کر عربی تعلیم کے لیے مولانا کے حوالہ کر دیا تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب ان کے والد کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے تاکہ اسکول سے ہٹانے کی تلافی ہو جائے، مولانا عبداللہ صاحب نے تین سال میں تعلیم پوری کر لی تھی پھر حضرت حکیم الامت ؒ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ سے خانقاہ امدادیہ کیلئے مدرس تجویز کرنے کو فرمایا تو انھوں نے مولانا عبداللہ صاحب کو تھانہ بھون بھیج دیا جو ابھی فارغ ہوئے تھے تنخواہ نو روپے ماہوار تھی، مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اسکے ساتھ تجارت کتب کا سلسلہ بھی جاری رکھنے کی ہدایت کی اور اپنے کتب خانہ سے کتابیں دیتے رہے تاکہ سلسلہ تجارت جاری رکھ سکیں، اس سلسلہ تجارت سے ان کو قلت تنخواہ کی فکر لاحق نہ ہوتی اور اطمینان سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے[۵۲]

---

۵۱ تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۵

۵۲ از مقدمہ اکمال الشیم ۱۲ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کے مخصوص شاگردوں میں تھے جنھوں نے از اول تا آخر

(باقی آئندہ صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

سب کچھ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہی سے پڑھا، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ جب شوال ۱۳۱۱ھ میں دورۂ حدیث پڑھنے کیلئے حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے تو قصبہ کے شرقی حصہ میں لال مسجد کے نام سے ایک مشہور مسجد تھی جواب بھی اسی نام سے مشہور ہے، اب تو اس میں بہت تعمیرات جدیدہ ہو گئی ہیں، مگر اس وقت معمولی حالت میں تھی، اس کے ایک حجرہ میں میرے والد صاحبؒ اور میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحبؒ اور بعض دوسرے طلبہ کا قیام تھا، یہ حضرات سبق پڑھنے کے لئے قطب عالمؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے اور سبق سے فارغ ہو کر اپنی مسجد میں واپس تشریف لے آتے۔ اس مسجد کے قریب ہی مولانا عبد اللہ صاحب کا مکان تھا اور یہ کم عمر دس بارہ برس کے بچے تھے لیکن نماز کے بہت پابند تھے، ان کی یہ ادا میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہت پسند آئی۔ اور ان کو عربی پڑھنے کی ترغیب دی کہ چھٹی کے اوقات میں تھوڑی تھوڑی عربی بھی پڑھ لیا کرو، انگریزی کے ساتھ ساتھ مولوی بھی ہو جاؤ گے، یہ اسوقت انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے تھے۔ کچھ دنوں تک اسکول کے ساتھ ساتھ عربی پڑھتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور اسکول چھوڑ کر اول عالم کامل ہوئے پھر حضرت اقدس سہارنپوری کی جانب سے خلافت ملنے کے بعد شیخ الطریقت بنے، پھر ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم

میرے والد صاحب قدس سرہ کے بہت ہی اخص الخواص شاگردوں میں سے تھے استاذ کو شاگرد پر اور شاگرد کو استاد پر بڑا فخر تھا (مقدمہ اکمال الشیم) یہ وہی مولانا عبد اللہ صاحبؒ ہیں جنھوں نے تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق لکھی، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ان کو خانقاہ تھانہ بھون میں مولانا ظفر احمد صاحب اور مولینا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی تعلیم کے لئے مدرس رکھا تھا اول الذکر کتاب ان دونوں شاگردوں کے لئے تالیف فرمائی تھی۔ دو سال مظاہر علوم میں بھی مدرس رہے، پہلے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے پھر حضرت سہارنپوری قدس سرہ سے رجوع کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے، "تبویب الحکم" کا ترجمہ حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے کیا تھا، اس کی شرح "اتمام النعم" کے نام سے لکھی، عمر کے آخری دس سال مدرسہ عربیہ کاندھلہ میں درس دیا ان کی ذات سے مدرسہ مذکورہ کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، تیسیر المنطق کاندھلہ ہی کے زمانہ قیام میں لکھی اور ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ کو کاندھلہ ہی میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، (از مقدمہ اکمال الشیم)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بے تکلفی

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بہت بے تکلف تھے، بے تکلفی کے چند واقعات حضرت شیخ کی آپ بیتی میں مذکور ہیں، راقم الحروف نے حضرت شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا کہ یہ بے تکلفی کہاں سے تھی اور کیسے پیدا ہوئی؟ اس پر ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، ممکن ہے کہ اعلیحضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مقیم ہونے کے زمانہ میں حضرت تھانوی کا جو آنا جانا رہا اس کی وجہ سے تعلق بڑھتا گیا ہو جو بعد بے تکلفی کی حد تک پہونچ گیا

حضرت شیخ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں،

"میری ابتدا سہارنپور کی حاضری میں حضرت قدس سرہ نے میرا ایک امتحان بھی لیا تھا، اس شعر کا مطلب پوچھا تھا ؎

اگر بر جفا پیشہ بشتافتے ؛ کہ از دست قہرش اماں یافتے

میں نے فوراً مطلب بتلا دیا۔ تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ آپ نے سمجھا ہوگا کسی جاہل کا پڑھایا ہوا ہے، حضرت نے فرمایا کیوں نہیں ماشاء اللہ آپ کے عالم ہونے میں کیا شک ہے[۱]۔

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے والد صاحبؒ کے حضرت حکیم الامۃ رح کے ساتھ بے تکلفی کے واقعات تو بہت کثرت سے ہیں، دو لکھواتا ہوں،

ایک مرتبہ میرے والد صاحب (رمضان میں) تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ افطار

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۶۸

کا وقت ہوا تو حضرت تھانویؒ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں افطار کا کیا دستور ہے، حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا گھنٹہ اور جنتریوں کے بعد تین چار منٹ میں شرح صدر اور اطمینان کے لئے انتظار کیا کرتا ہوں، میرے والد صاحب نے گھڑی دیکھی اور آسمان کی طرف ادھر ادھر دیکھا اور افطار شروع کر دیا، اور ان کے ساتھ ان کے خدام نے بھی شروع کر دیا، اور حضرت اقدس تھانوی اور ان کے خدام انتظار میں رہے، ایک دو منٹ کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اتنے میرا شرح صدر ہوگا اتنے یہاں تو کچھ رہنے کا نہیں،

تراویح کے بعد حضرت تھانوی نے میرے والد صاحب سے پوچھا کہ مولانا سحر کا کیا معمول ہے، والد صاحب نے کہا کہ ایسے وقت ختم کرتا ہوں کہ دن بھر یہ خیال رہے کہ روزہ ہوا کہ نہیں (یہ تو مبالغہ تھا ورنہ دو تین منٹ صبح صادق سے پہلے ختم کرنے کا معمول تھا) حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا معمول صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل فارغ ہونے کا ہے والد صاحب نے کہا کہ آپ اپنے وقت پر کھالیں، میں اپنے وقت پر، ڈیڑھ دن کا روزہ میرے بس کا نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوگا، کھاویں گے تو ساتھ، ایسا کریں کہ ایک دن کے لئے آپ کچھ مشقت اٹھالیں اور ایک دن کے لئے میں آپ کی خاطر میں مشقت اٹھالوں، اس پر فیصلہ ہوا کہ پون گھنٹہ پہلے شروع کر دیا جاوے تاکہ ۱۵۔۲۰ منٹ کھانے میں لگیں اور تقریباً آدھ گھنٹہ قبل فراغت ہو جائے،

والد صاحب کی اس بے تکلفی کا ایک اور واقعہ لکھواتا ہوں کہ جب اعلیٰ حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما ۳۳ھ میں طویل سفر حجاز کے لئے تشریف لے گئے تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی اسی بے تکلفی کے سلسلہ میں جو نہایت ہی زیادہ تھی اور اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی خدمت میں

ایک خط لکھا کہ ابتک تو آپ حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی وجہ سے رڑکی یا پنجاب جاتے ہوئے بہت اہتمام سے تشریف لاتے تھے، لیکن اب حضرت تو طویل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے، اور میری بہ نسبت آپ کو سفر آسان ہے، اس لئے اب آپ کو ہر ماہ میری زیارت کے لئے ایک سفر کرنا ہوگا، حکیم الامۃ قدس سرہ نے اپنے اس تعلق اور بے تکلفی کی بنا پر تحریر فرمایا بڑی خوشی سے لیکن چند شرائط ہیں، جب میں کہیں آگے جا رہا ہوں گا تب تو میرا کرایہ اس کے ذمہ ہوگا جہاں میں جا رہا ہوں گا، لیکن جس ماہ میں آگے جانا نہیں ہوگا اور صرف آپ کی ملاقات کے لئے سہارنپور آؤں گا تو میرا اور میرے ایک رفیق سفر کا آمد و رفت کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ آپ کو دینا ہوگا، اور جب میں واپس آؤں گا تو ایک مٹی کی ہانڈی میں ماش کی دال ناشتہ میں دینی ہوگی، اور وہ ہانڈی واپس نہیں ہوگی

حضرت تھانوی قدس سرہ کو ماش کی دال کا بہت ہی شوق تھا، اور خاص طور سے میری والدہ مرحومہ کے ہاتھ کی دال بہت ہی پسند تھی، یہاں میں نے اکثر دیکھا کہ حضرت قدس سرہ کی تشریف آوری پر دستر خوان پر بہت ہی لذیذ چیزیں جمع ہوتی تھیں فیرنی بھی شاہی ٹکڑے بھی مگر حضرت قدس سرہ اڑد کی دال کی رکابی لیکر فیرنی کی طرح چمچے سے نوش فرماتے، بعض مرتبہ تو میں نے دیکھا کہ روٹی کے صرف ایک دو لقمے کھا کر نہ پلاؤ کھائی نہ فیرنی، اڑد کی دال کی دو تین رکابیاں فیرنی کی طرح کھالیں، یوں ارشاد فرمایا کرتے کہ اپنے گھر میں جب دو تین دن ماش کی دال نہیں پکتی تو میں مطالبہ کرتا کہ اللہ کی ہر نعمت پکتی رہتی ہے اڑد کی دال نہیں پکتی، میرے والد صاحب قدس سرہ کے دور میں تو اس معاہدے پر دو تین دفعہ عمل ہوا، لیکن اس گستاخ بے ادب نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اعلیٰ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو اپنی حماقت سے لکھا کہ حضرت والد صاحب کے

اس وعدہ میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا ضرور ہوگی حضرت تھانوی کا یہ والا نامہ میرے اکابر کے خطوط میں موجود ہے۔ اس پر عمل کی تو نوبت میرے ساتھ نہیں آئی البتہ ایک اہتمام اس سیہ کار کی طرف سے چند سال[1] تک رہا کہ ماش کی دال جب تک میری والدہ حیات رہیں میں تشریف بری پر پیش کر دیتا اور ایک اہتمام حضرت قدس سرہ کی طرف سے کئی سال تک مسلسل رہا کہ یہاں کی تشریف آوری پر اگر کوئی شخص حضرت کی دعوت کرتا جس کے واسطے اس کو بہت پہلے سے خط لکھنا پڑتا کہ معلوم ہوا کہ حضور کی تشریف آوری فلاں وقت ہو رہی ہے اگر حضور والا امکان پر قدم رنجہ فرمادیں تو زہے قسمت ورنہ میں کھانا مدرسہ ہی میں پہونچادوں گا، حضرت قدس سرہ کا جواب یہ ہوتا کہ میں مستقل مہمان مولوی زکریا کا ہوں تم ان سے اجازت لے لو، اور جو مجھ سے اجازت لیتا تو میں اپنی عادت کے موافق اجازت تو ضرور دیدیتا اگرچہ میرا دل بالکل نہیں چاہتا تھا لیکن اس خوف سے کہ مبادا حضرت کو تشریف بری میں دقت ہو یہ شرط کر لیتا کہ کھانا مدرسہ قدیم میں آوے[2]۔

---

[1] آپ بیتی میں لفظ "چند سال" ہی چھپا ہوا ہے، بظاہر کتابت کی غلطی ہے "چند ماہ" ہونا چاہیے کیونکہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے بعد شیخ کی والدہ صرف دس ماہ زندہ رہیں۔ ۱۲

[2] آپ بیتی ۶ ص ۶۹ تا ص ۷۲

تقویٰ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ اپنے اسلاف کی طرح تقویٰ سے بھی مزین تھے، اس کا ایک نمونہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے اس طرح بیان فرمایا کہ " میرے والد صاحب قدس سرہ کے زمانہ میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دکان تھی جس کا نام اسمٰعیل تھا، جب گھر والے نہ ہوتے تھے تو اس کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسے کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیا کرتے تھے اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا، تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے طور پر مدرسے میں داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوتا ہے، تنخواہ تو میرے والد صاحبؒ نے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں "

وفات حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ میں میرے والد صاحب کا انتقال ہوا، اتفاق کی بات ہے جس صبح کو میرے مرشدی حضرت سہارنپوریؒ کا جہاز بمبئی کی گودی پر لگا اسی صبح کو سہارنپور میں میرے والد صاحب کا انتقال ہوا۔ ایک عجیب واقعہ اس وقت کا ہے، جب عدن سے حضرت کا تار پہونچا تو مسرتوں کی لہریں دوڑ رہی تھیں، یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ بمبئی جہاز سے اترتے ہی حضرت انگریزوں کی قید میں نینی تال حضرت شیخ الہند کی تحریک کی تفتیش میں لیجائے گئےؔ، اس سے پہلے بڑی ہی مسرتیں جھوم رہی

ؔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے پاس دہلی سے ایک استفتا آیا جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کا ترکی سے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تھیں، کوئی دہلی کوئی بمبئی کا سامان باندھ رہا تھا۔ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے ایک مخلص دوست شیخ حبیب احمد صاحب مرحوم نے پوچھا (حالانکہ اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنگ کرنا جائز لکھا تھا اور آپ سے اس کی تصدیق اور تصویب چاہی گئی تھی۔ آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے خاص لوگوں سے فرمایا کہ اگر یہ دھمکی صحیح ہے اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف فتویٰ دیں تو ہندوستان میں رہنا جائز نہیں اور ہجرت کرنا فرض ہے اور آپ نے ہندوستان چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ جو آپ کے صدیق اور رفیق قدیم تھے اور جو ترکی حکومت کی موافقت میں انگریزوں کے خلاف شمشیر بے نیام بنے ہوئے تھے ان سے رابطہ قائم رکھا برابر مشورے جاری رہے، بالآخر دونوں حضرات علیحدہ علیحدہ پانی کے جہازوں میں حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوئے، پھر دونوں حضرات کی مکہ مکرمہ میں ملاقات ہو گئی، حج کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مدینہ منورہ پہنچ گئے، یہاں بڑی مشکلات پیش آئیں، ہندوستان سے اس لئے سفر کیا تھا کہ حکومت ہند ترکی مسلمانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ لینا چاہتی تھی اور حجاز پہونچے تو دیکھا کہ حکومت ترکی کی جانب سے خفیہ پولیس کی نگرانی رہتی ہے، آپ نے ترکی افسروں سے فرمایا "عجیب بات ہے کہ برطانوی حکومت ہم کو بحیثیت اتحاد مذہب ترکی کے خیر خواہ سمجھ کر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں، پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کے لئے کون سا ملک تلاش کریں" لیکن آپ کے اطمینان دلانے کے باوجود ترکی حکومت کے افسروں کو اطمینان نہ ہوا اور آپ آزادی اور سکون کے ساتھ حجاز میں قیام نہ فرما سکے۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہ اس دوران مدینہ منورہ میں تھے ان کو بھی ترکی حکومت مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی تھی، جمادی الثانیہ میں حضرت سہارنپوری مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور رجب میں حضرت شیخ الہندؒ طائف تشریف لے گئے۔ آپس میں طے ہوا کہ حالات ناموافق ہیں ہندوستان ہی واپس جانا چاہیے، حضرت شیخ الہند تو طائف میں محصور ہو گئے اور حضرت سہارنپوری سفر ہند کے لئے جدہ روانہ ہو گئے، پھر حضرت شیخ الہند بھی کسی طرح طائف سے نکل کر مکہ معظمہ ہوتے ہوئے حضرت سہارنپوریؒ سے ملنے کے لئے جدہ تشریف لے گئے، پھر حضرت سہارنپوری اور آپ کے رفقاء کو رخصت کر کے واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے ان کے ساتھیوں کے ساتھ جن میں حضرت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تک کسی بیماری کا اثر تک نہیں تھا) کہ مولوی صاحب آپ بمبئی جائیں گے یا دتی تو میرے والد صاحب نے جواب دیا تھا کہ میں تو اپنی جگہ پڑا پڑا ملاقات کرلوں گا، وہی حال ہوا کہ حضرت کے تشریف لانے پر وہ حاجی شاہ (قبرستان) میں لیٹے ہوئے تھے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح بھی تھے۔ الٹا بھیج دیا گیا حضرت مولانا سہارنپوری قدس سرہ بمبئی پہنچے تو ان کو گرفتار کرکے آپکے اہلیہ سمیت نینی تال جیل میں پہنچا دیا گیا آپنے عدن سے بمبئی پہنچنے کی اطلاع بذریعہ تار کردی تھی، لیکن جس دن صبح کو آپ بمبئی میں جہاز سے اترے اسی دن مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی، حضرت سہارنپوری رح کے متعلقین میں سے کوئی بمبئی اور کوئی دہلی جا کر استقبال کرنے کی تیاری میں مصروف تھا، ادھر حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات ہوگئی ادھر حضرت سہارنپوری کو بمبئی میں گرفتار کرلیا گیا اور مسرت وخوشی کی جو لہریں دوڑ رہی تھیں وہ سب ختم ہوگئیں اور ساری خوشی پر پانی پھر گیا، نینی تال جیل میں حضرت سہارنپوری رح سے طرح طرح کے سوالات کئے گئے، جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا آپنے ہندوستان کو دارالحرب بتایا؟ کیا یہاں مسلمانوں کو رہنا حرام ہے اور ہجرت کرنا واجب ہے؟ جواب میں فرمایا ہاں میں نے کہا ہے مگر اس وقت کہا ہے جبکہ دہلی سے اطلاع ملی کہ گورنمنٹ ہم کو ہمارے مذہب اسلام کے خلاف حکم دینے پر مجبور کرتی ہے، سوالات کرنے والوں نے کہا (جو حکومت برطانیہ کی طرف سے تفتیش کر رہے تھے) کہ یہ آپ کو غلط باور کرایا گیا نہ وہ استفتا گورنمنٹ کی طرف سے تھا اور نہ گورنمنٹ کسی کو خلاف مذہب پر مجبور کرتی ہے،

چنانچہ ہر قسم کی صفائی کے بعد آپ کو چھوڑ دیا گیا، اور آپ بعافیت سہارنپور تشریف لے آئے، یہ آپ کا پانچواں حج تھا، اس کے بعد آپ نے ۱۳۳۸ھ میں ایک حج ادا کیا پھر ایک حج ۱۳۴۴ھ میں بھی کیا اور اس کے بعد مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر ہوگئے اور وہیں ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں وفات پائی۔

(پوری تفصیلات تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۴۸ اور حیات خلیل از صفحہ ۲۱۰ تا صفحہ ۲۲۳ ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۵۵-۵۶

نیز تحریر فرماتے ہیں،

"میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی علالت بھی کچھ طویل نہیں ہوئی تھی، ایک دن سے بھی کم علالت رہی ۹ رذیقعدہ جمعہ کی صبح سے طبیعت میں اضمحلال اور افسردگی تھی، جمعہ کی نماز دارالطلب میں اطمینان سے پڑھائی، جمعہ کے بعد حسب معمول کھانا کھاکر لیٹ گئے تو کچھ اسہال کا سلسلہ معمولی شروع ہوا جو عشار تک بڑھتا رہا..... حکیم محمد یعقوب صاحب رح کو اطلاع دی گئی، انھوں نے گھنٹہ گھنٹہ بھر کے فصل سے کئی دوائیں دیں، مگر دست بجائے کم ہونے کے بڑھتے گئے، اخیر میں حکیم صاحب مرحوم نے اسہال کے بند کرنے کی کوئی سخت دوا دیدی معلوم نہیں کیا تھی، مگر صبح کو جب ان کے بڑے بھائی حکیم اسحٰق صاحب نے ان سے دریافت فرمایا اور انھوں نے بتایا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی حکیم محمد یعقوب صاحب پر مجمع ہی میں ناراض ہوگئے کہ کیا ستم کردیا وغیرہ وغیرہ، اس دوا سے اسہال تو بند ہوگئے لیکن ایسے بند ہوئے کہ بند پڑگیا، دونوں بھائیوں نے مختلف دوائیں دیں، پیٹ پر بہت سی ادویہ کو پیس کر گہرا لیپ بھی کرایا، حکیم یعقوب صاحب نے صابن کی ایک قاش کاٹ کر اس پر بہت سی دوائیں مل کر اپنے ہی ہاتھ سے انیمہ بھی کیا، حکیم اسحٰق صاحب خود بھی اس وقت وہیں کھڑے تھے، اس انیمہ کو دیکھکر فرمایا کہ اب کیا ہو، یہ دونوں حضرات انیمہ کے بعد اپنے اپنے گھر کسی دوا کی تجویز کیلئے گئے، یہ ہمارے مکان کے دروازہ سے چندہی قدم آگے نکلے ہوں گے اور ہم اجابت کے منتظر انیمہ کے اثر کے امیدوار کہ اتنے میں ہمارے مدرسہ کے مہتمم صاحب گھر سے مدرسہ آتے ہوئے علالت کی خبر سن کر عیادت کی نیت سے ہمارے گھر پہنچے، مہتمم صاحب نے مردانہ مکان میں گھستے ہی نہایت حزیں آواز میں

کہاکہ اسے چارپائی کا رخ جلدی بدلو (یعنی قبلہ رُخ کرو) اسی وقت فوراً چارپائی کا رخ بدلا گیا، چچا جان نوراللہ مرقدہ چارپائی کے غربی جانب کھڑے ہوئے یٰس شریف پڑھ رہے تھے، اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر نہایت سرعت کے ساتھ ضرب کے ساتھ بغیر جہر اسم ذات کا ذکر شدت سے جاری تھا، بار بار جیب تالو کو لگتی ہوئی نظر آتی تھی، اور ان کی اس ضرب کے ساتھ یہ ناکارہ بھی اسم ذات کا ذکر نہایت شدت جہر کے ساتھ بغیر اختیار کر رہا تھا؛ ان کی اللہ کے ساتھ میری اللہ بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو لطف لذت اس وقت کے ذکر بالجہر میں آرہی تھی وہ آجتک کبھی نصیب نہیں ہوئی، چند منٹ کے بعد وصال ہو گیا، حکیم اسحٰق صاحب و حکیم یعقوب صاحب کو اطلاع دی گئی وہ اپنے واپس آئے روح پرواز کر چکی تھی، (بحکم حدیث المبطون شہید[1] مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ نے شہادت کی موت پائی اسکنہ اللہ تعالیٰ بحبوحۃ جنانہ)

دفن کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ہمارے کچے گھر میں تو اتنی جگہ نہ تھی جو لوگ آرہے تھے مدرسہ میں جمع ہو رہے تھے کہ اتنے میں تدفین کا مسئلہ معرکۃ الآراء بن گیا، حکیم صاحبان کی رائے، تمنا اصرار کیساتھ یہ تھی کہ ان کے باغ میں ان کے جدی قبرستان کے اندر تدفین عمل میں آئے اور ہمارے محلہ کے چند احباب جن میں جناب الحاج شیخ حبیب احمد صاحب ولد اکبر جناب الحاج فضل حق صاحب جو اعلیٰ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نوراللہ مرقدہ کے خادم خاص اور مظاہر علوم کے محسن اعلیٰ تھے، ان کا اور ان کے چند دوستوں کا اصرار تھا کہ محلہ کے قبرستان حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئے گی، شیخ حبیب احمد صاحب مع اپنے رفقاء کے لمبی لمبی لاٹھیاں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۵-۱۳۶

لے کر مکان کے دروازہ پر آگئے کہ تدفین حاجی شاہ میں ہوگی ورنہ لٹھ بازی ہوجائیگی
چونکہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرہ بانی مظاہر علوم کا مزار مبارک بھی وہیں ہے
اس لئے ان حضرات کو اصرار کا اور بھی زیادہ موقع تھا، بالآخر وہیں تدفین عمل میں آئی،
انتقال ۸ بجے ہوا اور دس بجے تدفین سے فارغ ہو کر گھر واپس آگیا، اور تعزیت
کرنے والوں کا ہجوم رات تک روز افزوں رہا۔[۱]

مجمع رات تک لاتعد و لاتحصیٰ ٹوٹ پڑا، کھانے کی مہمانوں کے لئے انتظام کرنے کی
کوئی صورت نہ تھی بجز اس کے کہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے شاگردان رشید
شام تک بازار جاتے آتے رہے روٹی کچوری اسٹیشن تک جہاں جس دکان پر ملی وہ
بیچارے خرید کر لاتے رہے، جہاں تک یاد ہے تین چار سو روپے کی صرف کچوریاں
منگوائی تھیں، جو دکان دار شام تک پھرتی سے پکاتے رہے، یوں یاد پڑتا ہے کہ
ایک پیسے کی ایک اچھی کچوری آتی تھی، میں بھی خواص کے ساتھ شرکت کرتا تھا تاکہ اصرار
سے ان کو کھلاؤں، اتنی کچوریاں اس سے پہلے نہ عمر بھر میں کھائیں بلکہ اس کا عشر عشیر
بھی نہیں نہ آئندہ کوئی احتمال، میرا لوگوں کے کھانے پر اصرار اور ان کے ساتھ کھانے
پر اپنے کانوں سے کئی فقرے سنے، ایک یہ کہ اس کو اپنے باپ کے مرنے کی بہت ہی خوشی
ہو رہی ہے کیا بات ہے؟ دوسرے یہ کہ باپ کی زندگی میں بڑی قید میں رہتا تھا، آج
آزادی ملی، بعض ناواقف آپس میں یہ پوچھتے تھے کہ یہ اس کے باپ نہیں معلوم ہوتے
اس کی والدہ کے دوسرے خاوند ہوں گے۔[۲]

پس ماندگان حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ نے پس ماندگان میں

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۵ از صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۱۰ - [۲] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۵۹

بڑے بھائی مولانا محمد صاحب (متوفی ۱۳۶۷ھ) اور چھوٹے بھائی مولانا محمد الیاس صاحب (متوفی ۱۳۶۳ھ) اور ایک اہلیہ اور ایک صاحبزادہ یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اور ایک صاحبزادی عائشہ چھوڑیں، اللہ تعالیٰ کی ان سب پر بے انتہا رحمتیں ہوں،

تعزیتی خطوط

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر کس کس نے تعزیتی خطوط لکھے اسکا پتہ نہ چل سکا، البتہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اس سلسلہ میں دو خط اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے اور ایک خط مولانا سید احمد صاحبؒ کا آپ بیتی میں نقل فرمایا ہے، تینوں کا متن حسب ذیل ہے،

اعلیٰ حضرت رائپوری کا پہلا والا نامہ

برخوردار مولوی زکریا سلمہٗ از احقر عبدالرحیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اس وقت گیارہ بجکر بیس منٹ پر تار جو بہٹ شاہ صاحب کے پاس آیا تھا بندہ کے پاس حاجی غلام محمد صاحب لے کر کے آئے جس سے اچانک اس حادثہ عظیمہ انتقال مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم کی خبر معلوم ہو کر سکتہ کی حالت ہوگئی، طبیعت پر ایک ایسی حیرت ہے جو تحریر میں نہیں آسکتی ہے، مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں، وہ مالک و مختار ہے، وہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس سے جلد اطلاع دو کہ کیا مرض پیش آیا اس فوری حادثہ سے سخت حیرت ہے، میں اسی وقت یہاں سے چل دیتا۔ مگر اپنی حالت کی وجہ سے سخت مجبور ہوں

اس وقت زیادہ کیا لکھوں،

راقم عبدالرحیم از رائپور

بروز شنبہ بوقت گیارہ بجکر بیس منٹ

دوسرا والا نامہ

برخوردار مولوی محمد زکریا سلمہ اللہ تعالیٰ،
ازاحقر عبدالرحیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

یہ حادثہ ایسا ہے کہ جس نے طبیعت کو بہت ہی مضمحل کر دیا، مجکو تو صدمہ ہونا ہی چاہیے تھا، مگر یہاں پر مرد وعورت جس کسی نے سنا سب کو صدمہ ہے، بجز صدمہ اٹھانے کے اور کوئی کیا کر سکتا ہے طبیعت بے اختیار ہے اور تمہارے پاس آنے کو طبیعت چاہتی ہے، مگر اسوجہ سے فوراً حاضر نہیں ہوسکا کہ ضعف اس درجہ کا ہوگیا ہے کہ کھڑے ہوتے ہوئے چکر آتا ہے اندیشہ گرنے کا ہوتا ہے مسجد تک جانے میں مغرب اور عشار اور صبح کو بغیر دوسرے شخص کے پکڑے جا نہیں سکتا ہوں، ادھر شاہ صاحب چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ ان کی صحت کی حالت میں سواری کا انتظام بسہولت ہوجاتا تھا۔ اب ایسی سواری دستیاب نہیں کہ جس میں رائپور سے بہٹ تک پہونچوں، عنقریب ارادہ کر رہا ہوں کہ کوئی سواری کا انتظام ہوجاوے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا، بیل گاڑی کی حرکت سے دماغ پر ایک ایسا اثر پہونچتا ہے کہ جس کی تاب نہیں لاسکتا ہوں، اگرچہ یہ صدمہ تو ایسا ہے کہ تم کو تو لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، مگر آخر مشیت ایزدی پر صبر کرنا اور راضی برضا رہنا اس کے سچے بندوں کا کام ہے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالے تمہاری یہی حالت ہوگی، اپنی والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ کی جہاں تک ہوسکے تسلی کرو۔ اور صبر

اور راضی برضا ہونے کا ان کو اجر سناؤ، اگرچہ عنوان اس صدمہ کا بہت وجوہ سے بڑھا ہوا ہے مگر آخر ہمیں تمہیں سب کو پس وپیش یہی راہ طے کرنا ہے، مالک حقیقی اپنے جو چاہے کرے کسی کو مجال دم زدن نہیں رضا وتسلیم بندوں کا کام ہے، زیادہ کیا عرض کروں، یہ نہیں معلوم ہوا کہ کیا مرض پیش آیا اور کس وقت انتقال ہوا عائشہ کو بہت بہت دعا، اور اپنی والدہ مکرمہ کی خدمت میں سلام ودعا عرض کردو، ازجانب مولوی عبدالقادر صاحب وملاجی صاحب ومولوی رستم علی صاحب ومولوی سراج الحق صاحب بعد سلام مسنون مضمون واحد ہے[1]

راقم عبدالرحیم از رائپور . بروز اتوار

مولانا سید احمد صاحبؒ مدنی کا مکتوب گرامی

بسم اللہ ۔ عزیزم میاں مولوی محمد زکریا صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ ۔

ازجانب خاکسار سید احمد غفرلہ بعد اہدائے سلام مسنون الاسلام آں کہ احقر بخیریت رہ کر صحت وعافیت تمہاری مع جملہ بچے بچے کا خواستگار ہے، اگرچہ آپ مدرس ہو گئے ہیں ہم جیسے دور افتادہ کو کیوں خیال میں لانے لگے مگر اول تو اس عاجز کو آپ کے والد بزرگوار سے اور مرحوم کو اس نابکار سے کچھ ایسا تعلق مخلصانہ تھا جس کی وجہ سے اگر آپ خدانخواستہ بے اعتنائی بھی برتو گے تو ایں جانب علیہ الرحمۃ والغفران ایسے نہیں ہیں کہ چپکے ہو کر بیٹھ رہیں، الحاصل حافظ محمد یعقوب صاحب کے خط سے آپ کے والد ماجد صاحب مرحوم کا اس دار فانی کو چھوڑ کر دار جاودانی کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو کر جو کچھ اثر قلب پژمردہ بلکہ مردہ پر ہوا ہے عالم الغیب ہی جانتا ہے، مگر عزیزم کیا کیا جائے بجز انا للہ وانا

---

[1] آپ بیتی ۱/۲ ص ۴۸ وص ۴۹

الیہ راجعون کے چارہ نہیں، اسی پر صَلَوَاتٌ مِنْ رَّبِّهِمْ کا انعام ملنے کی توقع ہے، اب آپ سِرٌّ لِأَبِيْهِ کا کرشمہ کر دکھاؤ، جیسے کہ وہ اپنے کمالات علمی واخلاقی کی وجہ سے ہردلعزیز تھے تم بھی اپنے آپ کو ویسا ہی ثابت کرو۔ ے

ان الفتی من یقول ها انا ذا لیس الفتی من یقول کان ابی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں عرصہ ہوا ایک عریضہ ارسال کیا تھا، اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد دوسرا عریضہ بھائی مقبول صاحب کی خدمت میں ارسال کیا، مگر تعجب ہے کہ آج تک کسی کا جواب نہیں آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں راستہ میں ضائع ہوا، آپ مہربانی کرکے دونوں حضرات و نیز جملہ واقفین کی خدمت میں مؤدبانہ سلام عرض کر دیں اور خصوصیت سے حضرت مولانا مدظلہم اور مولانا رائپوری مدظلہم کی خدمت اقدس میں زبانی یا بذریعہ تحریر اس عاجز کی طرف سے نہایت ادب سے سلام مسنون کے بعد دعائے فلاح دارین کی التجا کر دیں۔ اور اگر ہمت کرکے دو چار پیسہ کا ٹکٹ خرچ کرکے اس عاجز کو مدینہ منورہ کے پتہ پر دو چار حرف خیر وعافیت وغیرہ کے لکھ بھیجیں تو آپ کی سعادت مندی سے بعید نہیں معلوم ہوتا، میاں الیاس کو بھی ایک خط لکھا ہے مگر وہ تو ہمیشہ کے بست درست اپنے مطلب میں چست ہیں، ہم جیسے نابکاروں کی دلداری کی کیا پرواہ کریں گے، مگر یاد رہے کہ خدانخواستہ یہ سراپا عصیان ہندوستان میں آ گیا تو ایسی خبر لے گا کہ وہ بھی یاد کریں گے اور اگر خدانخواستہ وہ مدینہ منورہ آ گئے تو پھر کیا پوچھنا۔ ہندوستان کا راستہ ہی نہ بھلا دیا تو کہنا،

اب اینجانب علیہ الرحمۃ عنقریب ملک شام کو طلاق مغلظہ دیکر دو چار روز میں

مدینہ منورہ کو بھاگا چاہتے ہیں، بس گویا کہ پابرکاب ہیں کیا عجب ہے کہ راستہ میں قدس شریف کی بھی زیارت سے بھی شرف حاصل ہو، نہیں تو سویز ہوتے ہوئے ینبوع میں جاکودیں گے اور پھر کیف خلقت پر سوار ہوکر منزل مقصود کی راہ لیویں گے، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہم کے واسطے ایک سماوار مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہم نے خرید کر ارسال کرنے کے واسطے ارشاد فرمایا تھا، اپنی بدنصیبی کے اثر سے کچھ کا کچھ ہوگیا، اب جاکر دیکھیں گے مل گیا تو روانگی کی فکر کریں گے۔[۱]

میاں زکریا یاد رکھو اگر میرے خط کا جواب نہ دیا تو پھر میں روٹھ جاؤں گا پھر کتنا بھی مناؤگے منوں ہی گا نہیں، بس اور زیادہ بات چیت نہیں کرتا،

اس کے بعد یہ عبارت بھی تھی جس کو مولانا نے قلمزد کر دیا تھا،

"اگر شکل اول کا نتیجہ ظہور پذیر ہوا ہو تو اس کو دعا اور پیار، نہیں تو موجب تاخیر کیا ہے، اینجانب علیہ الرحمۃ کے نتیجہ صاحب تو اپنی ماں کو بھی لے گئے اکیلے رہنا ہی گوارا نہیں ہوا۔ اور طرفہ یہ کہ خود تو مدینہ میں اور اماں جان تبوک میں" فقط

سید احمد غفرلہ ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۳۷ھ

---

[۱] اس سماوار کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا کے والا نامے میں سماوار کے سلسلہ میں جو لفظ ہے کہ "کچھ کا کچھ ہوگیا" اس لفظ میں اشارہ اس حادثۂ عظیمہ کی طرف ہے جبکہ مدینہ کے بالکلیہ انخلاء کا حکومت ترکیہ نے اپنے آخری دور میں حکم کیا تھا۔ اور حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اڈریانوپل (شام) کی طرف منتقل کئے گئے تھے۔ اس کا مختصر حال حضرت مدنی قدس سرہ کی خود نوشت سوانح (نقش حیات) جلد اول ص۲۰ پر ہے شام سے واپسی کے متعلق جو مولانا نے اس خط میں لکھا ہے وہ اسی طویل غیبت سے واپسی کا ذکر ہے، اور رجب ۳۸ھ میں اس ناکارہ کی پہلی حاضری حجاز مقدس ہوئی اسوقت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نئے نئے واپس شدہ تھے۔ (آپ بیتی نمبر ۴ ص۱۱۱)

شیخ الحدیث
عارف باللہ
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ
کے
ابتدائی حالات

باب سوم

پیدائش، عقیقہ، کھیل کود

پیدائش حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اپنی کتاب "شریعت وطریقت" کے بالکل ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں کہ

" اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ رات کے گیارہ بجے کاندھلہ میں میری والدہ کی سوتیلی نانی کے گھر میں ہوئی جو اماں مریم کے نام سے مشہور تھیں، بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض خاتون تھیں، خاندان کے اکابر تراویح پڑھ کر اپنے گھر جانے سے پہلے وہاں گئے اور مبارکبادی کے بعد مٹھائی کا مطالبہ کیا، انھوں نے اپنی فیاضی سے بہت سی مٹھائی منگوائی اور مبارکبادی دینے والوں کو ان کی حیثیت کے موافق دی بڑی چہل پہل اور شور وشغب رہا[1]"

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے دادا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں تشریف رکھتے تھے، جب ان کو پوتے کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو فرمایا کہ ہمارا بدل آگیا اور ہمارے جانے کا وقت آگیا اس کے تقریباً بیس دن بعد ۴ شوال ۱۳۱۵ھ کو دہلی میں وفات پائی[2]،

ساتویں روز حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ سے کاندھلہ تشریف لائے اور بچہ کو اندر سے منگوایا اور دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا کے اچانک پہونچ جانے اور بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے پر خواتین کو ایک گونہ حیرت ہوئی کیونکہ قدیم خاندانوں کے رواج کے مطابق

---

[1] شریعت وطریقت ص۹ [2] ایضاً ص۱۱

اس میں حجاب محسوس کیا جاتا تھا کہ باپ بزرگوں کے سامنے اپنے بچہ کو منگوائے اور گود میں لے، مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس دستور کو توڑا جو محض ایک رسم کے طور پر رواج پائے ہوئے تھا، بعض خواتین نے یہ کہہ کر اپنی حیرت دور کی کہ آخر باپ ہے اگر اپنے بچہ کو دیکھنے کے لئے منگوا لیا تو اس میں کیا بیجا بات ہے اور بچہ کو باہر بھیجدیا مولانا اپنے ساتھ حجام کو لے آئے تھے بچہ آیا تو حجام کو اشارہ کیا، اس نے سر کے بال مونڈ دیئے اس کے بعد بچہ کو اور اس کے بالوں کو والدہ کے پاس بھجوا دیا اور فرمایا کہ بال میں نے بنوا دیئے بکرے آپ ذبح کروا دیں اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دیں،

نومولود کے دو نام رکھے گئے، محمد موسیٰ اور محمد زکریا، دوسرے نام نے شہرت پائی اور حضرت شیخ رح اسی سے مشہور ہوئے،

اپنے کھیل کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ڈھائی برس کی عمر تک یہ ناکارہ کا ندھلہ رہا، سنا ہے میرا کھیل توڑ پھوڑ تھا میری نانی میرے لئے بہت سے برتن ڈول، چھوٹی چھوٹی مٹی کی پیالیاں جو اس زمانے میں بہت کثرت سے کمہاریاں بنا کر لایا کرتی تھیں اور گھروں میں بچوں کے کھیلنے کے واسطے قیمۃً دے جایا کرتی تھیں، جس مکان میں اس ناکارہ کی پیدائش ہوئی تھی اس میں ایک چبوترہ بہت اونچا تھا جو اب تک بھی خوب یاد ہے یہ ناکارہ اس چبوترے کے اوپر بیٹھ کر ان پیالیوں اور ڈول وغیرہ کو زور سے نیچے پھینکتا اور جب وہ ٹوٹ جاتیں تو خوب خوش ہوتا اور جب نہ ٹوٹتیں تو بچوں کی طرح نیچے اتر کر بڑی مشقت سے اس کو اوپر لیجا کر پھر

نیچے پھینکتا، سنا ہے کہ میری والدہ نور اللہ مرقدہا میری اس ناپاک حرکت پر مجھے ڈانٹا کرتیں تو میری نانی مرحومہ میری والدہ پر خفا ہوتیں کہ میری زندگی میں اگر تو نے میرے بچے کو کچھ کہا تو تیری خیر نہیں۔ جب اس کا دل برتن پھوڑ کر خوش ہوتا ہے تو مجھے تو اس کی خوشی چاہیے۔[1]

اس وقت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا قیام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہ رہا کرتا تھا، ضرورۃً کاندھلہ آجایا کرتے تھے شیخ الحدیث کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گنگوہ پہونچ گئے اس وقت گنگوہ صلحاء و علماء کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تربیت باطنی اور شہرۂ آفاق درس حدیث نے طالبین صادقین اور علماء کاملین کو دور دور سے کھینچ کھینچ کر اس قصبہ میں جمع کر رکھا تھا اور وہاں ایک ایسی روحانی و علمی فضا در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی جس کی نظیر اس مبارک عصر میں دور دور ملنی مشکل تھی۔

شیخ کے بالکل بچپن کا وہ زمانہ جو غیر شعوری طریقہ پر اچھے اثرات اور نقوش کے مرتسم ہونے کا زمانہ تھا اسی مبارک ماحول میں گذرا وہ بارہ سال کی عمر تک گنگوہ میں رہے جب کبھی کسی تقریب میں شرکت کی غرض سے یا کسی ضرورت کے ماتحت والدہ صاحبہ کا عارضی طور پر کاندھلہ جانا ہوتا تو آپ بھی ساتھ چلے جاتے پھر گنگوہ واپسی ہو جاتی، خود شیخ کا وطن کاندھلہ ایک بڑا دینی و علمی مرکز تھا جس میں گھر کے اندر اور باہر عبادت کا ذوق، نوافل و تلاوت کا اہتمام، اہل اللہ اور مردان باصفا سے وابستگی و شیفتگی، درس و مطالعہ کا انہماک، تہذیب و متانت، وضع داری و سنجیدگی اور

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۲۵

بلند ہمتی کی فضا بنی ہوئی تھی۔ اور اس سے اس ہونہار بچّے کے حسّاس اور بیدار دل و دماغ کا متاثر ہونا بالکل قدرتی امر تھا،

۲۲ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ کو حضرت گنگوہیؒ نے وفات پائی اور وہ آفتاب ارشاد غروب ہوا جس نے گنگوہ کی سرزمین کو مطلع انوار بنا دیا تھا، اور جس کے دم سے اس چھوٹے سے قصبہ کو بڑی مرکزیت اور عظیم مقبولیت حاصل تھی، اس وقت حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی عمر آٹھ سال تھی، پانچ سال حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے ظل عاطفت میں گذارے، اور اس اثنا میں وہاں کے علمی، عملی اور روحانی ماحول نے پوری طرح قلب و روح کو مستفیض کیا،

گنگوہ کی حاضری اور اہل خانقاہ کا لاڈ اور پیار

اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

" ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار ہی پیار تھا، یہ منظر مجھے ابتک یاد ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ (بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ اور خادم خاص .... حضرت گنگوہی) اس سیاہ کار کو اپنی گردن پر بٹھائے رکھتے ایک ٹانگ سینے کے ایک طرف دوسری ٹانگ دوسری طرف لٹکائے ہوئے میں گردن پر سوار رہتا وہ اسی حالت میں اپنے کام میں مشغول رہتے، بازار جاتے یا کسی اور کام کو جاتے تب بھی میں ان کی گردن پر سوار رہتا، نماز کے وقت البتہ اتار دیتے تھے[1]"

نیز تحریر فرماتے کہ

یہ ناکارہ ڈھائی برس کی عمر میں کاندھلہ سے گنگوہ گیا اور قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کا دور تھا اور حضرت قدس سرہ کی اس ناکارہ کے والد پر بہت ہی توجہ اور خصوصی نظر تھی، خادم خاص اور کاتب خطوط اور شریک حجرہ تھے، اس لئے حضرت کے خدام میں ہر شخص انتہائی شفقت سے پیش آتا، خانقاہ سے باہر ایک مٹھائی کی دکان تھی، ابو اس دکاندار کا نام تھا، اس نے گویا بیٹا بنا رکھا تھا۔ جب میں مولانا

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ ص۲۵ و ص۲۶

سیداحمد صاحب کی گردن پر سوار ادھر کو گذرتا وہ بیٹا بیٹا کہہ کر اپنی دکان سے بھاگتا اور دو تین مٹھائی کی ڈلیاں میرے ہاتھ پر رکھتا، میرے ہاتھ سے تو وہ سنبھلتی بھی نہ تھیں، حضرت مولانا سید احمد صاحب قدس سرہ اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے مونڈھے کے اوپر کو چلتے چلتے مجھے کھلا بھی دیتے۔

گنگوہ میں ہر ہفتہ پینٹھ لگتی تھی جو اب بھی لگتی ہے، اس میں دور دور کے دکاندار حضرت قدس سرہ کی زیارت کے اشتیاق میں اپنی اپنی دکانیں لے کر آیا کرتے تھے، بڑوت کے ایک مخلص حضرت گنگوہی کے جانثار خادم حاجی مولا بخش ان کی جوتوں کی دکان تھی ہر ہفتہ تشریف لاتے اور بہت اصرار کرتے کہ مجھے ایک جوڑا جوتے کا دیکر جائیں اور جب پہلا جوتا صحیح سالم ہوتا تو ابا جان انکار فرمادیا کرتے تھے، اس مجبوری کو مجھے اگلے ہفتے اس کو چاقو سے کاٹنا پڑتا تھا اور پانی میں بھگونا پڑتا تھا۔[۱]

نیز ارشاد فرمایا کہ " میری عمر ڈھائی برس کی تھی جب گنگوہ حاضر ہوا، اور آٹھ برس کی تھی جب حضرت قدس سرہ کا وصال ہوا، شعور تو اب تک بھی نصیب نہ ہوا، اور وہ تو عرف میں بے شعوری کا زمانہ تھا، اس بے شعوری اور بے تمیزی کے زمانے میں بھی اپنی چند حماقتیں ضرور یاد ہیں، سب سے پہلی تو یہ کہ حضرت قدس سرہ چار زانو تشریف فرما ہوتے اور یہ بے ادب بدتمیز گستاخ حضرت قدس سرہ کے دونوں گھٹنوں پر ایک ایک پاؤں رکھکر حضرت قدس سرہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لپٹ کر کھڑا ہو جاتا تھا، اب جب خیال آتا ہے تو دھڑ دھڑی آجاتی ہے کہ میرے کپڑوں میں سے کتنی بدبو

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۴ صـ۳ و صـ۴

حضرت کو آتی ہو گی ، اور کتنی تکلیف حضرت کو پہنچتی ہو گی ،

یہ بھی خوب یاد ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کی معیت میں حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کی کئی دفعہ نوبت آئی اور حضرت کو چونکہ نزدل آب ہو چکا تھا اس لئے حضرت قدس سرہ تو بہت آہستہ آہستہ نوش فرماتے تھے اور مجھے اس عمر میں جو بدتمیزی کرنی چاہئے تھی وہ کیا بیان کردں ، البتہ چونکہ حضرت قدس سرہ کی صاحبزادی جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ برابر کھڑی ہوئی ہوا کرتی تھیں اور ان کے بارعب چہرے سے میں ڈرا کرتا تھا اس لئے جب وہ ادھر ادھر ہوتیں تو جلدی سے دست درازی کیا کرتا تھا ، لیکن بعد میں بڑے ہو کر حضرت صاحبزادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی براہ راست جو شفقتیں ہوئیں وہ بھی لاتعد ولاتحصیٰ ہیں ،

یہ بھی خوب یاد ہے کہ حضرت قدس سرہ کو امرودوں کا بہت شوق تھا ، اور چونکہ دانت نہیں تھے اس لئے حضرت مولانا سید احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ حضرت قدس سرہ کے لئے ایسی باریک ورقیاں امرودوں کی کاٹتے تھے جیسے پتنگ کا کاغذ ہوتا ہے بڑی ہی مہارت تھی ، حضرت قدس سرہ کے سامنے سے جو کچھ بچتا اس کا واحد وارث میں ہی تھا ، اس کے علاوہ حضرت کی چارپائی کے نیچے پھل مٹھائی وغیرہ کی ٹوکریاں اور ہانڈیاں رکھی رہا کرتی تھیں ان پر بھی چوری سے نہیں اگر غصب سے کہوں تو بے محل بھی نہیں ، بہرحال غاصبانہ تصرف میرا ہی ہوتا تھا غصب میں نے اس لئے کہا کہ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ اگر دیکھتے تو گھورتے اور مجھے جھڑک بھی دیتے تھے لیکن حضرت مولانا سید احمد صاحب جو حضرت قدس سرہٗ

کی اس قسم کی چیزوں کے منتظم تھے ان کی طرف سے اذن عام تھا، بلکہ والد صاحب کے گھورنے اور جھڑکنے پر میں اگر اس چیز کو واپس ڈال دیتا اور وہ دیکھ لیتے تو اٹھا کر چپکے سے اور کبھی ان کے سامنے بھی مجھے دیدیتے۔

حضرت قدس سرہ کے یہاں عام معمول چائے کا تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تھا یا نہیں، لیکن یاد پڑتا ہے کہ کبھی کبھی دو حصہ دودھ اور ایک حصہ چائے کی ایک چھوٹی پیالی ہوتی تھی، البتہ صبح کے وقت میں دو تین بیضوں کا نیمبرشت ایک تکیہ بنا کر تھا وہ بہت ہی عجیب چیز ہوا کرتی تھی اور بہت ہی اہتمام سے بنا کرتا تھا مولانا سید احمد صاحب) مرحوم تین بیضوں کو تقریباً آدھ گھنٹہ بھر کی سے اسقدر پھینٹتے تھے کہ وہ پھول کر بڑا پیالہ ہوجاتا۔ پھر اس کو پکتے ہوئے گھی میں فرائیپان میں ڈالتے جس سے وہ بلا مبالغہ پھول کر ایک چھوٹے نان کی برابر ہوجاتا پھر اس کو جلدی جلدی بسترے کی طرح لپیٹتے جس سے وہ گاؤ تکیہ معلوم ہونے لگتا جو اندر کی طرف سے تو بالکل کچا اور اوپر سے چیلی کی طرح پکا ہوا، بہت ہی لذیذ ہوتا اس میں سے ایک دو چمچہ تو حضرت قدس سرہ نوش فرمایا کرتے تھے، باقی وہ سارا گاؤ تکیہ اس حقیر فقیر زاہد عن الدنیا کے حوالہ ہوجاتا، اکابر میں کوئی ہوتا تو بطور تبرک ان کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا،

حضرت قدس سرہ کو ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام اور شوق تھا، گرمیوں میں حضرت کے لئے بعد ظہر اولے کا شربت شورہ قلمی میں ٹھنڈا کیا جاتا — پندرہ بیس منٹ تک حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ المونیم کے ڈبوں میں اس کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے اندر کے بند ڈبے میں شربت ہوتا، اور باہر کے کھلے ڈبے میں شورہ۔ وہ

پندرہ بیس منٹ تک اس کو گھماتے جس سے وہ برف سا ہو جاتا وہ اندر کے بند ڈبہ کو بالکل صاف کر کے کہ کہیں اندر اثر نہ رہ جائے گلاس میں حضرت قدس سرہ کو پلانے کے لئے نکالتے اور باہر حضرت قدس سرہ کی خدمت میں لیجاتے اور ایک چوتھائی کے قریب اس ڈبہ میں خاص طور سے اس سیاہ کار کے لئے بھی چھوڑ کر جاتے، حضرت قدس سرہ کے گلاس میں جتنا بچتا اسی میں میرا زائد حصہ ملا کر مجھے مرحمت فرماتے،

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ہمرکابی میں عیدگاہ میں جانا بھی خوب یاد ہے، ایک پالکی میں سرہانے کی طرف حضرت قدس سرہ ہوتے اور دوسری طرف یعنی پاؤں کی جانب یہ سیاہ کار بیٹھا ہوا کرتا تھا اور بڑے بڑے مشائخ درس، اکابر صوفیا، محدثین اس کو اٹھانے والے ہوتے، دس بارہ آگے دس بارہ پیچھے ہوتے اور دو ڈھائی سو کا مجمع ادھر ادھر، تشبیہ تو اچھی ہے نہیں مگر کوئی اور لفظ سمجھ میں نہیں آتا کہ جنازہ کی طرح سے ایسی جلدی جلدی کندھا بدلتے کہ میں بیٹھا اس منظر کی سیر کیا کرتا تھا، خانقاہ سے عیدگاہ تک نہایت آہستہ خراماں خراماں وہ پالکی چلتی اور ہر شخص کی تمنا ہوتی کہ مجھے بار بار یہ سعادت ملے، ہمت والے نوجوان تو دو دو بار نمبر لگا لیتے جس کو دیکھتا رہتا اور ضعفا ایک ہی چکر لگا پاتے، مگر چونکہ تواضع اور احترام کا خاص منظر تھا اس لئے دوسرے آنے والے کے بعد پہلے والے کو ہٹنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا تھا،

ایک حماقت ساری عمر یاد رہے گی حضرت قدس سرہ کی سہ دری اور مشرقی جانب ایک بہت بڑا چبوترہ تھا، اس کے اوپر ایک بہت بڑا چھپر پڑا رہتا تھا وہ گویا میرے والد صاحب اور ان کے متعلقین کی قیامگاہ تھی، اس میں چار پائیاں

پڑی رہتی تھیں، اور سردیوں میں پرال اور گرمیوں میں چٹائیاں وہی گویا میری بھی قیام گاہ تھی، جب حضرت قدس سرہ دوپہر کا کھانا کھا کر مکان سے تشریف لاتے اور خانقاہ شریف کے اندر داخل ہوتے تو میں اس قدر زوردار جھٹکے سے السلام علیکم کہتا اور دونوں عینوں کو ایسے جھٹکے سے کہتا اور حضرت قدس سرہ اتنے ہی زوردار جھٹکے سے وعلیکم السلام کہتے کہ حضرت قدس سرہ کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی ہے اور اجل خلفاء اور اکابر علماء جب حضرت قطب عالم کی مجلس میں بیٹھتے تو ایسا سر جھکا کر بیٹھتے کان علی رؤسھم الطیر سناٹا چھایا ہوا ہوتا تھا،[۵]

---

۵ آپ بیتی نمبر ۴ ص ۷ تا ص ۱۱

باب چہارم

تعلیم و تربیت

کی تفصیلات

قاعدہ بغدادی سے لیکر قرآن مجید حفظ ہونے تک

اس کے متعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں

ہمارے خاندان میں عموماً چوتھے یا پانچویں برس بچہ پڑھنے بیٹھ جاتا تھا، مگر میں سات برس کی عمر یا اس سے زائد پر بھی پڑھنے نہیں بیٹھا، میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا میرے والد صاحب پر خوب خفا ہوتیں، مجھے ان کی خفگی کے الفاظ بھی خوب یاد ہیں کہ "یحییٰ! اولاد کی محبت سب کو ہوا کرے مگر اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہو جایا کرتے" میرے والد صاحب دودھ پینے کے زمانے میں پاؤ پارہ یاد کر چکے تھے۔ اور سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر چکے تھے اور اس کے ساتھ میرے دادا سے مخفی اپنے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی بھی سکندر نامہ، زلیخا، بوستان وغیرہ سب پڑھ چکے تھے۔ اور شام کو اپنے شوق سے ابتدائی عربی شروع کر دی تھی، اس لئے میری دادی صاحبہ کو اور بھی زیادہ

غصہ آتا وہ فرماتیں کہ یہ بیل آسمان پر جارہا ہے تو اس سے آخر کیا کرائیگا، جوتے گٹھوائیگا چمار بنادیگا، پاخانہ کموادیگا بھنگی بنادیگا، آخر تونے کیا سوچ رکھا ہے" ان کی شدید خفگی مجھے خوب یاد ہے اور میرے والد صاحبؒ کا ایک جواب کہ "آپا جو دن کھیلنے کو ملیں کھیلنے دو، ایک دفعہ جب اوکھل میں سر دیگا تو پھر قبر جاتے ہوئے نکلے گا، اس جواب پر بہت ناراض ہوتیں کہ آخر اوکھل میں سر دینے کا کوئی وقت آویگا بھی یا مرنے کے بعد دیگا، مجھ پر براہ راست بھی خوب خفا ہوتیں کہ فلاں بچے کے اتنے سیپارے ہوگئے فلاں کے اتنے ہوگئے، تیرے کتنے ہوئے اندھے؟

ساتواں یا آٹھواں سال تھا، گنگوہ میں جناب الحاج ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب مظفر نگری جو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وہ اور ان کی اہلیہ عاشق زار تھے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے لئے بڑے اہتمام سے پلاؤ پکایا کرتے تھے، مجھے بھی خوب یاد ہے ان کا پکانا بھی اور حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے ساتھ کھانا بھی، ان کی اہلیہ محترمہ سے ہمارا قاعدہ بغدادی شروع ہوا، پڑھنے پڑھانے کا تو ہمیں کچھ یاد نہیں دو باتیں ضرور یاد ہیں، ابا جان کے یہاں کتابوں کی دکان تھی، قاعدہ بغدادی کی گڈی ہمیں معلوم تھی تین چار دن میں پہلا پھاڑ کر دوسرا لے آیا کرتے تھے، دوسری بات یہ خوب یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ مرحومہ اگر یہ ناکارہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہوتا تھا تو اس پلاؤ میں سے میرا حصہ ضرور نکالتی تھیں اس کے علاوہ بادام اور کشمش اور کھوپا یہ تین چیزیں بھی خوب یاد ہیں،

اس کے علاوہ بھی دن بھر کھانے میں گذرتا تھا، یاد نہیں قاعدہ بغدادی کتنے دنوں میں پڑھایا نہیں پڑھا، اس کے بعد ہمارا سیپارہ لگ گیا، کسی مکتب میں یا کسی

باقاعدہ حافظ صاحب کے پاس تو پڑھنے کی نوبت کبھی آئی نہیں، اس واسطے کہ میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے یہاں پڑھنے سے زیادہ اہم اختلاط سے حفاظت تھی،

میرے ابا جان کے خاص شاگردوں میں ایک حافظ ابراہیم صاحب رسولپوری بھی تھے، قرآن اچھا پڑھتے تھے حافظ تھے، ایک دن کے واسطے ہماری شاگردی ان حافظ صاحب کے حوالہ ہوئی، اور سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے، ہوا یہ کہ اس دن میری اپنی والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے لڑائی ہوگئی، ایک پیسہ کہیں سے آگیا تھا، اس میں ایک طرف تو سکہ تھا دوسری طرف تلوار کا نشان تھا مجھے بہت اچھا لگتا تھا، میں نے والدہ مرحومہ نور اللہ مرقدہا کے پاس امانت رکھوایا تھا، ان کو کچھ اہمیت نہ ہوئی انھوں نے خرچ کر ڈالا، ایک دن پہلے اس سیاہ کار نے ان سے مانگا انھوں نے فرمایا کہ وہ خرچ ہوگیا کہیں سے آویگا دیدوں گی، اس زمانے میں اس قسم کے پیسے اکثر آتے رہتے تھے اپنے غصہ سے تو یہ سیاہ کار اب تک عاجز ہے غصہ میں رات کو روٹی نہ کھائی، صبح کو والدہ صاحبہ نے جدید استاد حافظ صاحب مرحوم سے کہلوا دیا کہ اس نے رات غصہ میں روٹی نہیں کھائی حافظ صاحب مرحوم نے کہا کہ جا روٹی کھا کر آ، میں نے کہا کہ جی میرا پیسہ مل جاویگا تو کھالوں گا، انھوں نے فرمایا اچھا تو کان پکڑ لے اور جب روٹی کھا ویگا چھوڑ دیجیو، پکڑ لئے جب حافظ صاحب سبق کے لئے گئے جو آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ کا تھا اسوقت چھوڑ دیئے جب دور سے آتا دیکھا تب پکڑ لئے، وہ ایک گھنٹہ کے بعد پھر وہ ابا جان کے پاس سبق کیلئے گئے پھر چھوڑ دیئے، پھر وہ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لیگئے پھر چھوڑ دیئے، عصر کی نماز تک یہی قصہ رہا، رات بھی روٹی نہ کھائی تھی اس واسطے ماں پر جو گذرنی چاہیے تھی گذری دوپہر کو والدہ کو معلوم ہوا کہ حافظ جی نے چھٹی بند کر رکھی ہے کہ جب تک روٹی نہ کھا ویگا چھٹی نہیں ملے گی اور میری

ایک درخواست تھی کہ تلوار کا پیسہ ملجائیگا تو روٹی کھالوں گا عصر کے بعد جب اباجان کو یہ قصہ معلوم ہوا تو ہماری یہ ایک روزہ شاگردی ختم ہوگئی، اباجان نے حافظ صاحب کو فرمایا کہ حافظ جی تربیت کے لیئے میں خود کافی ہوں، آپکے سپرد تو اس وجہ سے کیا تھا کہ آپ کے سامنے بیٹھ کر یہ یاد کرتا رہیگا،

ہماری شاگردی تو اسوقت سے ختم ہوگئی، مگر یہ حافظ صاحبؒ اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمادے بعد میں اس سیاہ کار سے بہت اصرار سے بیعت بھی ہوگئے، جب وہ میرے جوتے کو ہاتھ لگاتے تو میں ان سے کہتا ایسا ہرگز نہ کیجئے آپ میرے استاد ہیں، وہ مرحوم بہت ہی شرمندہ ہوتے،

ایک مرتبہ میں نے ان کو اس حرکت سے روکنے کے لیئے جواباً ان کے جوتے کو سیدھا کرکے رکھ دیا، اس پر وہ بیچارے بہت ہی پشیمان ہوئے میں نے کہا کہ جب آپ میرے جوتے کو ہاتھ لگادیں گے اس کا ردعمل میں یہی کروں گا،

اس کے علاوہ ایک عرصہ کے بعد عالی جناب حافظ محمد صالح صاحب نکودر ضلع جالندھر کے اصل رہنے والے تھے جو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجل خلفا میں سے تھے، نہایت بزرگ نہایت نیک نہایت متواضع نہایت خاشع خاضع بڑی کثرت سے نفلیں پڑھنے والے وہ جب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تبرکاً میرے والد صاحب نے مجھے ان کی شاگردی میں بھی حصول برکت کیلئے چند روز کے لئے رکھا، جب تک حافظ صاحب گنگوہ میں قیام رہا،

اس کے علاوہ جب کبھی کاندھلہ جانا ہوتا تو ہمارے کاندھلہ کے مشہور معروف حافظ حافظ استاذ الکل حافظ رحیم بخش صاحب ابن حافظ خدا بخش عرف حافظ منگتو کی شاگردی[1]

---

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں داخل ہوجاتا، شاید دو ڈھائی پارے پوری مقدار مختلف سالوں کی ہوگی،

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حافظ رحیم بخش صاحب عرف حافظ منگتو رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب مرحوم پہلے پہلوانی کرتے تھے۔ اور کسی پہلوان کے پچھاڑنے کے لئے میرے دادا صاحب کے پاس تعویذ لینے گئے۔ ان کو پسند آگئے، انھوں نے حال دریافت کیا کون ہو کہاں رہتے ہو؟ (جواب دیا) نیل گر ہوں پہلوانی کرتا ہوں مولانا (دادے صاحب) نے فرمایا کچھ اور بھی آوے؟ انھوں نے کہا قرآن حفظ کیا ہے، دادے صاحب نے قرآن سنا اور اس کے بعد پہلوانی سے توبہ کرائی بیعت کیا اور فرمایا کہ چار مہینہ میں دیدیا کرونگا تم بچوں کو قرآن پڑھایا کرو، اور نیلگروں کی مسجد میں ان کو بٹھا کر محلہ کے بچوں کو سپرد کیا، دادے صاحب کے جانے کے بعد شرفائے قصبہ نے اس میں اپنی توہین سمجھی کہ ان کے بچے نیلگر سے پڑھیں، انھوں نے اپنے بچوں کو اٹھالیا، چند ماہ بعد جب دادا صاحب دوبارہ آئے اور حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے، اور ان کے لئے جامع مسجد کے سامنے منہدمہ مسجد میں مدرسہ بنا دیا، میرے دادا صاحب کے انتقال کے بعد میرے تایا صاحب مولوی محمد صاحب سے بھی نیازمندانہ تعلق رہا، اور میرے چچاجان تو ان کے شاگرد تھے، میں نے بارہا دیکھا کہ چچاجان جب کاندھلہ جاتے تو حافظ صاحب کی بہت ادب سے اہتمام سے دست بوسی کرتے، حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حکیم صدیق احمد صاحب کاندھلوی یکے از خلفائے قطب عالم گنگوہی سے قرآن شریف کا لفظی ترجمہ حرفاً حرفاً پڑھا، مشہور ہے کہ حافظ صاحب کی چالیس سال تک تکبیر تحریمہ ایک دفعہ کے علاوہ فوت نہیں ہوئی ۱۳۴۷ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، ان کے حافظ کردہ ۴۰۰ کے قریب ہیں، اور کیرانہ کے راستہ میں اپنی باغیچی میں مدفون ہیں، حافظ صاحب کو میرے دادا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس مدرسہ میں دو روپے پر مدرس رکھا تھا، ۱۵۔۲۰ برس بعد منشہ ہو گئے تھے، ہمارے کاندھلہ کے اکابر جب علیگڑھ سے وابستہ ہوئے تو انھوں نے بہت ہی کوشش کی کہ حافظ صاحب کو کالج میں قرآن کا مدرس بنا کر للعہ ضہ ٹنہ بار تک لیجایا جاوے۔ حافظ صاحب نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ ایسے کا بٹھایا ہوا ہوں کہ متمار پر بھی نہیں جاسکتا، میرے چچاجان نور اللہ مرقدہ اور ان کے معاصرین اور ان سے چھوٹی پیڑھی میرے بعد تک کی ساری ہی حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاگرد رہے، وہ قوم کے نیلگر تھے اور نیل کا کام ان کے گھر میں ہوتا رہتا تھا، مرحوم چھٹی لینا بیماری یا کسی اور حرج میں جانتے ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ بہت شدید بیماری میں چند روز کیلئے جب اٹھنے کے قابل نہ تھے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ان دو بزرگوں کے علاوہ کسی سے قرآن پاک پڑھنے کی نوبت نہیں آئی نقل نظامی قرآن جس میں میں نے پڑھا اور اس کا ہر صفحہ آیت پر ختم ہوتا ہے۔ ایک صفحہ کے متعلق میرے والد صاحب کا حکم یہ تھا کہ اسکو سو دفعہ پڑھ دو پھر چھوڑ دو۔ یاد ہونے کے ذمہ دار نہیں کبھی سو دفعہ پڑھا ہو تو یہ بھی اندازہ ہو کہ کتنی دیر میں سو دفعہ ہوتا ہے۔ اپنی ایک حماقت ساری عمر یاد رہیگی کہ دس پندرہ منٹ میں آکر کہدیتا کہ سو دفعہ ہوگیا، اور اپنے کلام کو موثق اور مؤکد بنانے کے واسطے یا اپنے حماقت کے اظہار کے واسطے خود ہی کہدیتا کہ آج تو بالکل صحیح ہوا کل تو کچھ گڑبڑ بھی تھی اور اباجان کا یہ مقولہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا کہ آج کا بالکل صحیح کل کو معلوم ہو جاویگا، سارا قرآن پاک اسی طرح پڑھ کر ختم کر دیا اور حافظ ہوگئے میری دادی صاحبہ نور اللہ مرقدہا حافظہ تھیں اور بہت اچھا یاد تھا۔ سال بھر کا معمول خانگی مشاغل کھانے پکانے کے علاوہ ایک منزل روزانہ کا تھا، اور رمضان میں چالیس پارے روزانہ کا۔ جب وہ گنگوہ ہوتیں تو میرا سبق سننا ان کے ذمہ تھا، اگر وہ نہ ہوتیں تو والد صاحب کبھی اپنے سامنے کسی بچہ کو بٹھلا کر سنوا دیتے جن میں میرے مخلص دوست مولوی عبدالرحمن صاحب گنگوہی یا میرے والد صاحب کے محبوب شاگرد مولوی سعید مرحوم گنگوہی ہوا کرتے تھے اور اس میں اٹکنے کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔ سہارنپور آنے کے بعد اور گویا قرآن شریف ختم ہو جانے کے بعد مولوی سعید مرحوم کے ذمہ میرا سیپارہ سننا بھی تھا اس میں ایک پارہ میں سو غلطیاں معاف تھیں، اور والد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی کبھی سفر میں سنا کرتے تھے، مگر اس میں تو جو یاد تھا وہ بھی بھول جاتا تھا۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گھر پر ہے تو ہم شاگردوں کو مکان ہی میں بلا لیا تھا۔ وہیں پڑھے پڑھاتے تھے بہت ہی بزرگ اور نیک تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

(از آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۳۳ بحذف و تقدیم و تاخیر)

[1] اقتباس آپ بیتی نمبر ۳ صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۳۵۔

فارسی اور اردو کی تعلیم

اپنی فارسی اور اردو کی تعلیم کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں

۱۳۲۵ھ سے میری فارسی اردو اس حالت میں شروع ہوئی کہ قرآن پاک گویا پڑھا بے پڑھا برابر تھا مگر ہم حافظوں میں شمار ہونے لگے، میں نے فارسی زیادہ تر اپنے چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحب) نوراللہ مرقدہ سے پڑھی، ان پر اس زمانے میں بزرگی کا بہت ہی غلبہ تھا، مجاہدات سلوک کا بہت زور تھا۔ خانقاہ قدوسیہ کے پیچھے ایک بہت مختصر آب چک تھی وہاں ایک بوریہ پر آنکھ بند کئے ہوئے دوزانو بیٹھے رہا کرتے تھے، میں سبق کے لئے جاتا تو قانون یہ تھا کہ ایک کتاب چچا جان کے سامنے کھول کر رکھ دیتے ایک ساتھی میرا اور تھا جس کا نام مجھے یاد نہیں، ہم دونوں دوسری کتاب میں پڑھتے، بیٹھنے کے بعد بسم اللہ کر کے سبق شروع کر دیتے اگر اس میں ذرا دیر ہوتی تو چچا جان نوراللہ مرقدہ ایک انگلی سے اپنے سامنے کی کتاب بند کر دیتے، اور گویا تاخیر کے عتاب میں سبق بند، ہم تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آتے، اور کبھی دوبارہ شروع کرتے اور کتاب کھول کر ان کے سامنے رکھتے تو موج تھی کبھی پڑھا دیتے کبھی "حیثت" فرما کر اٹھا دیتے، سبق میں بھی اپنے ہی مطالعہ پر مدار تھا، معمولی غلطی پر شست کہتے یا ہوں اور فحش غلطی پر پھر وہی ایک انگلی سے کتاب بند کر دیتے، اس سیہ کار میں اس زمانے میں بولنے کا مرض بہت زیادہ تھا، چچا جان نوراللہ مرقدہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تو چھ ہفتے چپ رہے تو میں تجھے ولی کر دوں، اس زمانے میں چھ ہفتے تو درکنار چھ دن بھی چپ رہنا مصیبت تھا، میں نے بڑے ہو کر نظام الدین میں ایک مرتبہ ان کو ان کا یہ ارشاد یاد دلایا ان کو یاد آگیا میں نے کہا کہ آپ نے اس وقت چھ ہفتے کو فرمایا تھا اب میں آپ کو چھ

ماہ کامل چپ رہ کر دکھاؤں، چچا جان نے فرمایا کہ وہ بات تو گئی وہ تو اس وقت کی تھی، اس زمانے میں چچا جان دن میں سارا دن مراقبہ کرتے نہ معلوم کیا سوچا کرتے اور مغرب سے عشاء تک نفلیں پڑھتے [۵۱] ——— لکھنے کی مشق کے بارے تحریر فرماتے ہیں کہ "لکھنے کی مشق کو بچپن ہی سے شروع ہو گئی تھی گو خط اب تک بھی اچھا نہ ہوا مگر صحیح اور پختہ اتنا ہو گیا تھا کہ بذل المجہود کی تالیف کے زمانہ میں کئی مرتبہ حاسدین نے بذل کی کتابت اس بہانہ سے منتقل کرائی کہ فلاں صاحب بہت خوش خط ہیں ان سے لکھوائی جائے، لیکن استاد الکل منشی محبوب علی صاحب جنھوں نے بذل المجہود کی پہلی جلد لکھی اور وہ اس زمانے کے سارے ہی کاتبوں کے استاد یا استاد کے استاد تھے۔ اللہ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمادے۔ انھوں نے میرے حضرت قدس سرہ سے یوں کہا کہ حضرت میرے لئے تو ان بدخط سے ہی نقل کرادیا کریں، ان کے شوشے اور نقطے بہت صحیح ہوتے ہیں مجھ جیسے جاہل کے لئے ایسی تحریر زیادہ کارآمد ہے جس کے نقطے اور شوشے زیادہ صحیح ہوں خوشخط پڑی نہ ہو،

بہرحال ابتدا، تو تختی پر ا۔ ب۔ ت سے ہوئی اور اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں بعد تختی پر قرآن شریف پڑھنے کے زمانہ میں بہشتی زیور کی نقل شروع ہوئی، اور اس کے بعد فارسی کتابوں کی نقل اور ترجمہ تختی پر شروع ہوا اس کے بعد مستقل تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں سب سے پہلے ابا جان ایک دو لفظ بتا کر اور صرف کے قواعد بتا کر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کے صیغے بناؤ۔ اس زمانہ میں اس کی مشق ایسی بڑھی کہ رات دن اسی سوچ میں گذرتا تھا۔ [۵۲]

---

[۵۱] آپ بیتی نمبر ۲ ص۳۷ و ص۳۸ [۵۲] آپ بیتی نمبر ۲ ص۱۲۴ ص۱۲۵

گنگوہ سے سہارنپور منتقل ہونا اور عربی تعلیم کا باقاعدہ شروع ہونا

۱۳۲۸ھ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اپنے والدؒ کے ساتھ ۱۳ سال
کی عمر میں گنگوہ سے سہارنپور تشریف لے آئے۔ آپ کے والد صاحب کو حضرت سہارنپوری
قدس سرہٗ نے مظاہر علوم میں حدیث پڑھانے کے لئے طلب کیا تھا۔ انھوں نے مظاہر علوم
میں قیام فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی باقاعدہ عربی تعلیم اسی مدرسہ میں شروع
ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"رجب ۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارنپور آگیا۔ اس لئے کہ تین ماہ قبل میرے والد صاحب
قدس سرہ مستقل قیام کے ارادے سے گنگوہ سے سہارن پور منتقل ہو گئے تھے.....
سہارنپور آکر باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی اور اس سے پہلے ابتدائی عربی اور فارسی
زیادہ تر چچا جان نور اللہ مرقدہ سے اور کم والد صاحب قدس سرہ سے پڑھنے کی نوبت
آئی، لیکن سہارنپور آنے کے بعد باقاعدہ ہماری ایک جماعت مستقل بنی جس کے دوسرے
ساتھی میرے حضرت قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ کے عزیز مظہر علی خاں راجوپوری تھے اور
تیسرے ساتھی سید محفوظ علی گنگوہی جو بعد میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ
کے سالے بن گئے تھے اور اس کے بعد دیوبند منتقل ہو گئے تھے، جب مرحوم کی ہمشیرہ
کی شادی حضرت شاہ صاحبؒ سے ہوئی اس وقت تک وہ سہارنپور میں میرے والد صاحب
کے پاس ہی مقیم رہے، اور اس سے پہلے گنگوہ میں بھی میرے والد صاحبؒ ہی کے پاس
پڑھتے تھے، یہاں آکر باقاعدہ میرے ساتھی بن گئے تھے، اور مستقل جماعت ہماری
تین آدمیوں کی خصوصی جماعت شمار ہونے لگی، سید محفوظ صاحب کے دیوبند جانیکے بعد

ہم دو ہی رہ گئے، صرف کے پڑھانے کا والد صاحب کا ایک خاص طریقہ تھا، وہ الفاظ لکھوا دیا کرتے تھے اور کچھ قواعد لکھوا دیتے تھے، مثال اجوف ناقص وغیرہ کے، میں نے میزان منشعب معروف و متداول نہیں پڑھی، اس زمانے میں میرے ہی لئے غالباً ایک میزان و منشعب خاص تصنیف ہوئی تھی جو دو،دو ورق کی تھی آسی مدراسی پریس میں چھپی تھی، اس میں میرے مقدر سے گردان بھی بجائے فَعَلَ یَفْعَلُ کے ضَرَبَ یَضْرِبُ کی تھی، میزان میں بھی وہی منشعب میں بھی وہی اور عمل میں بھی وہی، اور اس کے بعد وہ ایسی کہیں گم ہوئی کہ تلاش سے بھی نظر نہ پڑی،

میرے والد صاحب کے ہاں پہلے قواعد زبانی یاد کرائے جاتے تھے اور اس کے بعد ان قواعد کا اجرا تختی یا ردی کاغذوں پر کرایا جاتا تھا، اس کے بعد پھر مجھے یاد ہے کہ صرف میر اور پنج گنج تین تین چار چار دن میں سنا دی تھیں ان میں وقت نہیں خرچ ہوا، اس واقعہ کی کچھ تفصیل "اکمال الشیم" کے مقدمہ میں گذر چکی ہے، البتہ فصول اکبری میں بہت وقت خرچ ہوا، رمضان میں تعطیل نہیں ہوتی تھی البتہ رمضان کی کتابیں علیحدہ ہو جایا کرتی تھیں، میری طالب علمی کی کتابوں کا بھی ایک نقشہ جو مقدر سے مل گیا وہ اس جگہ درج کراتا ہوں، اتفاق سے بہت پرانی غالباً ۲۸ھ کی ہے جس پر یہ نقشہ ملا شروع کے تین سال کا ہے اتنا یاد ہے کہ اس زمانے میں رمضان کی کتابیں بالکل الگ ہوتی تھیں، پہلے رمضان میں نحو میر ہوئی اسی کے ساتھ جملوں کی ترکیب نحو میر کے قواعد کے مطابق بنوائی گئی،

وہ نقشہ یہ ہے

سال	کتب
سال اول از رمضان سنہ ۲۸ھ تا شعبان سنہ ۲۹ھ	نحو میر تمام، شرح مائۃ مع ترکیب تمام، ہدایۃ النحو تمام، کافیہ تمام، کبریٰ، ایساغوجی تمام مرقات تمام، شرح تہذیب نصف، معید الطالبین باب اول، نفحۃ الیمن دو قصیدہ از باب دوم الفیہ ابن مالک نصف، فصول اکبری ۲ ثلث، ترجمہ پارہ عم تمام، ترجمہ پارہ تبارک الذی نصف، مجموعہ چہل حدیث، یہ پانچ چہل حدیثوں کا مجموعہ شاہ ولی اللہ اور ملا جامی (وغیرہ) کا اس زمانہ میں بہت مشہور اور شائع تھا،
سال دوم رمضان سنہ ۲۹ھ تا شعبان سنہ ۳۰ھ	بقیہ الفیہ، بقیہ شرح تہذیب، قطبی تصدیقات و تصورات مع میر، تلخیص فن اول، مقامات ۲۳ مقامے، حساب تا کسور عام، بقیہ ترجمہ تبارک الذی، نفحۃ الیمن تا باب اول باب ثانی، باب خامس، قصیدہ بردہ، بانت سعاد، قصیدہ ہمزیہ،
سال سوم رمضان سنہ ۳۰ھ تا شعبان سنہ ۳۱ھ	مختصر، نور الانوار، متنبی، سبعہ معلقہ، حسامی، شرح جامی ۱/۲ حصہ، کنز، قدوری، میبذی، سلم،
سال چہارم رمضان سنہ ۳۱ھ تا شعبان سنہ ۳۲ھ	کاپی میں اس کی تفصیل نہیں، مدرسہ کی روئداد میں صلنا پر اس سال کی کتب ممتحنہ یہ ہیں، مشکوۃ شریف، ہدایہ اولین، متنبی، حماسہ، طحاوی، شرح نخبہ، الفیہ عراقی، مگر اس کا امتحان نہیں دیا،
سال پنجم شوال سنہ ۳۲ھ تا شعبان سنہ ۳۳ھ	کاپی میں اس سال کی کتب بھی درج نہیں، مدرسہ کی روئداد سے نقل کر رہا ہوں سلم، ملا حسن، حمد اللہ، میر زاہد، امور عامہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد رسالہ غلام یحییٰ، مؤطا محمد، طحاوی، اقلیدس، شمس بازغہ، مگر اقلیدس اور شمس بازغہ کا امتحان نہیں دیا مؤطا امام مالک کا امتحان بغیر پڑھے دیا تھا، ممتحن کو یہ علم ہو گیا تھا کہ بغیر پڑھے امتحان دیا ہے اس لئے انھوں نے بغیر پڑھے کی رعایت کی کہ فیل کر دیا، اور کرنا ہی چاہیے تھا

سال ششم شوال ۳۳ھ تا شعبان ۳۴ھ	کتب مقروءہ از والد صاحبؒ، اس سیاہ کار نے حدیث کی کتابوں کا امتحان نہیں دیا، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، بخاری شریف ہدایہ ثالث ابتدائی حصہ، نسائی شریف،
سال ہفتم شوال ۳۴ھ تا محرم ۳۵ھ	نزد حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ. بخاری شریف دوسری مرتبہ ترمذی شریف، شروع سال میں حضرت اقدس نینی تال جیل میں تھے، آخر ذی الحجہ میں تشریف آوری ہوئی تھی،
شوال ۳۵ھ تا شعبان ۳۶ھ	نزد حضرت قدس سرہ، ابو داؤد شریف
شوال ۳۶ھ تا شعبان ۳۷ھ	نزد حضرت قدس سرہ، مسلم شریف، نسائی شریف

میں اکمال الشیم کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں کہ میرے والد صاحب اپنے خاص شاگردوں کے پڑھانے میں مجتہد تھے کسی نصاب کے پابند نہیں تھے، ان کے یہاں زبانی تعلیم زیادہ اہم تھی، بہ نسبت کتابی تعلیم کے، ادب پر بہت زور تھا نحو میر کے ساتھ ہی عربی سے اردو۔ اردو سے عربی بنوانے کا اہتمام تھا،

ادب کی غیر محشی کتابوں کا درس

ادب کی کتابوں میں وہ محشی کتابوں میں پڑھانے کے مخالف تھے، میں نے مقامات جو پڑھی وہ کلکتہ کی مطبوعہ میرے لئے خاص طور سے وی، پی منگوائی گئی تھی جس میں نہ کوئی حاشیہ تھا نہ اعراب، سبعہ معلقہ انھوں نے اپنے دست مبارک سے لکھکر پڑھایا، اس لئے کہ موجودہ سبعہ معلقہ سب محشی تھے، اسی طرح متنبی بھی ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی پوری موجود ہے

الفیہ ابن مالک زبانی یاد کرنا

الفیہ ابن مالک اس ناکارہ نے پورا پڑھا اور اس کا سبق حرفاً حرفاً حفظ سنا جاتا تھا، مجھے یاد ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر ہر شعر کا

ابتدائی کلمہ لکھ لیتا تھا پھر سارا شعر یاد آجاتا تھا پڑھنے کے زمانہ میں اس کی ایک اردو شرح بھی لکھی تھی، تالیفات میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر آئیگا

تین دن میں شرح جامی | شرح جامی کے متعلق نقشہ میں ۱/۲ لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ الفیہ کے بعد ایک دفعہ کاندھلہ جاتے وقت سہارنپور کے اسٹیشن پر شرح جامی شروع ہوئی تھی کاندھلہ کے اسٹیشن تک بغیر ترجمہ کے پڑھتا چلا گیا، ابا جان نے کہیں کہیں مطلب پوچھا میں نے بتلادیا کاندھلہ جاکر ایکدن قیام رہا وہاں بھی ایک گھنٹہ سبق ہوا تیسرے دن واپسی پر کاندھلہ کے اسٹیشن سے سبق شروع ہوا تھا سہارنپور کے اسٹیشن پر ختم ہو گیا تھا، ان تین دن میں مرفوعات تو ساری ہو گئی تھیں منصوبات کا بھی بہت سا حصہ ہو گیا تھا، میری شرح جامی بھی قسمت سے نہ معلوم کہاں سے آئی تھی، بہت ہی مختصر حاشیہ، مجھے اس وقت پتہ نہیں چلا کہ اس میں حاصل محصول کیا چیز ہوتی ہے، جب مدرسی کے زمانہ میں ایک مرتبہ شرح جامی بحث اسم پڑھانے کی نوبت آئی اس کے حواشی دیکھنے شروع کیے تو میں دیکھتا دیکھتا تھک گیا، تحریر سنبٹ، سوال کابلی، سوال باسولی، حاشیہ عبدالرحمن، حاشیہ عبدالغفور نہ معلوم کتنے حواشی دیکھے مگر یہ حاصل محصول ختم ہو کر نہ دیا، جب پتہ چلا کہ یہ بھی کوئی معرکۃ الآراء چیز ہے

معقولات کی تعلیم | میرے والد صاحب نے سلم تک منطق پڑھا کر چھڑا دی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ میرے والد صاحب کے رفیق درس حضرت گنگوہی قدس سرہ کے زمانہ میں مولانا ماجد علی صاحبؒ مانی کلاں ضلع جونپور کے رہنے والے منطق کے امام استاذ الاساتذہ ان کے زمانہ میں ان کی معقول و منطق شہرۂ آفاق تھی، انھوں نے

میرے والد صاحب قدس سرہ سے وعدہ لے رکھا تھا کہ زکریا کو منطق میں پڑھاؤنگا اور میرے والد صاحب نے وعدہ کرلیا تھا، اس لئے انھوں نے سلم تک منطق پڑھا کر چھڑا دیا، اور ان کا ارادہ تھا کہ دینیات سے فارغ ہونے کے بعد ایک سال کے لئے میںنڈھو (ضلع علی گڑھ) بھیجوں گا، جہاں مولانا مرحوم مدرس تھے۔

میرے حضرت قدس سرہ نے ایک مرتبہ میرے والد صاحب سے پوچھا کہ زکریا نے منطق کہاں تک پڑھی؟ تو میرے والد صاحب نے مولانا ماجد علی صاحب سے اپنا وعدہ ذکر کر دیا، میرے حضرت قدس سرہ نے بڑے زور سے لاحول پڑھ کر فرمایا کہ منطق کے واسطے کہیں بھیجنا نہیں، اس بنا پر اپنی طبیعت کے خلاف میرے والد صاحب کو مجھے منطق پڑھوانی پڑی اسی لئے اس نقشہ میں میرا ایک سال خالص منطق کا ہے میرے منطق کے تین استاد ہیں، قطبی میر تک تو میں نے اپنے چچا جان نور اللہ مرقدہ سے مدرسہ کے اوقات میں پڑھی، البتہ شرح تہذیب حضرت ناظم صاحب مولانا عبد اللطیف صاحب سے قطبی سے پہلے خارج میں عصر کے بعد پڑھی تھی، وہ میرے والد کے حجرہ میں تشریف لایا کرتے تھے، میرے والد صاحب کا حجرہ کتب خانہ کا غربی حصہ تھا، اور اس کے باہر کا حصہ جہاں اب کتب خانہ کی جدید عمارت آگئی ہے اس وقت بالکل خالی تھا اس کی منڈیر پر بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو بہت جزائے خیر دے سلم، میبذی، اور میر زاہد، امور عامہ حضرت مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی رح مدرس دوم مظاہر علوم سے مزید دو سالوں میں پڑھیں، اس کے علاوہ منطق کی ساری کتابیں میرے مشفق استاد حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سے اس طرح پڑھیں کہ میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن تو مدرسہ کے گھنٹوں میں ان کے ہاں

ہوتی تھی، اس کے علاوہ باقی سب کتابیں عشار کے بعد پڑھیں، سردیوں کے زمانہ میں عشار کے بعد سے میرا سبق شروع ہوتا تھا. اس طرح پر کہ ایک چارپائی پر تو میں نیم دراز ہوتا تھا اور درمیانی چارپائی پر میرے چچا جان نوراللہ مرقدہ بغیر کتاب کے لیٹے رہتے تھے اس لیے کہ منطق انھوں نے بھی نہیں پڑھی تھی اور اگر میں یوں کہوں کہ منطق کی سب کتابوں میں اپنے عم محترم استاد، نائب الشیخ چچا جان کا رفیق درس ہوں تو بے محل نہیں، تیسری چارپائی پر حضرت ناظم صاحب لحاف اوڑھے لیٹے رہتے تھے، عشار کے بعد سے سردیوں کی موسم میں ۱۲ بجے تک سبق ہوتا تھا، اور حضرت ناظم صاحب کے اعزہ حکیم تقی اور مولوی عبدالوحید اس زمانہ میں مدرسہ میں پڑھتے تھے، میری اور چچا جان والی چارپائیاں ان ہی کی ہوتی تھیں وہ دونوں زبان سے تو کیا کہہ سکتے تھے، دل دل میں جو کچھ کہہ سکتے ہوں وہ ظاہر ہے، مگر چونکہ طالب علم تھے اسواسطے حضرت ناظم صاحب کی طرف سے تاکید تھی کہ میرے سبق تک مطالعہ دیکھیں، وہ دونوں میری کتاب کے سبق کے ختم ہونے تک کچھ اونگھتے ہوئے دیکھتے بیچارے بارہ بجے تک صبر کرتے اور شاذونادر ہی بارہ بجے خلاصی ہوتی، بارہ بجے ہم تینوں استاد شاگرد اٹھ کر بازار چلے جاتے اور ناظم صاحب ان دونوں سے کہہ دیتے کہ آگ جلاکر ذرا سا پانی چائے کا رکھ دو، غصہ تو دونوں کو بہت آتا مگر "حکم حاکم مرگ مفاجات" وہ چائے کا پانی رکھتے اور چائے دم کرکے رکھتے اور ہم تینوں بازار سے دودھ شکر اور مٹھائی خرید کر لاتے پیسے اکثر ناظم صاحب کے ہوتے اور کبھی چچا جان کے اور کبھی میرے والد صاحب قدس سرہ بھی نہایت ناراضگی کے ساتھ غصہ کے ساتھ اس مد میں کچھ مرحمت فرمادیتے میرے والدین کا قیام اس زمانہ میں اس مختصر مکان میں تھا جو مدرسہ قدیم کی مسجد کے

غربی جانب ہے، ابا جان ۱۲ بجے تک تو انتظار کرتے لیکن ۱۲ کے دس بارہ منٹ بعد تحقیق کے لئے تشریف لاتے۔ حضرت ناظم صاحبؒ کا قیام اس زمانہ میں اس مکان میں تھا جو اب گاڑہ بورڈنگ کے نام سے مشہور ہے اور میرے مکان کے بالکل متصل ہے، اگر ابا جان کو آنے پر معلوم ہوتا کہ استاد شاگرد سب بازار گئے ہوئے ہیں تو واپس چلے جاتے، اور اگر ہم واپس آجاتے تو کبھی ہلکی سی ڈانٹ بھی پڑتی "ارے بھائی سبق کی تو مجبوری ہے اس کے بعد کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیے" حضرت ناظم صاحبؒ اور میرے چچا جان کو کبھی خطاب فرماتے "کہ تم لوگوں کو آخر تہجد میں بھی اٹھنا ہے" حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ کبھی ہنس کر فرماتے کہ حضرت تکان ہو جاتا ہے اس لئے چائے کی ضرورت پیش آتی ہے، ابا جان چپ ہو جاتے۔ حضرت ناظم صاحب ان پر بھی چائے کا اصرار کرتے مگر اکثر غصے میں نہیں پیتے تھے، مجھے یاد ہے کہ حمد اللہ اٹھارہ یا انیس دن میں ہوئی تھی، اس زمانے میں مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ کے چھوٹے بھائی مولوی عبد الرحیم صاحب مرحوم بھی مدرسہ میں پڑھتے تھے اور وہ حمد اللہ کئی دفعہ پہلے پڑھ چکے تھے انھیں حمد اللہ سے عشق تھا، میرا بہت مذاق اڑایا کرتے تھے کہ حمد اللہ بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی اٹھارہ دن میں پڑھ لے وہ تو اٹھارہ برس میں پڑھنے کی کتاب ہے، مجھے سنا کر لوگوں سے کہتے کہ آپ نے اٹھارہ دن میں حمد اللہ پڑھی ماشاء اللہ کیا کہنا" مقدر کی بات! کہ حمد اللہ کے امتحان میں دونوں شریک تھے، اس سیاہ کار کے نمبر بڑھ گئے اور ان کے غالباً ان کے غرور کی وجہ سے گھٹ گئے اس زمانہ میں اساتذہ پر بدگمانی کا کوئی نالائق سے نالائق بھی شبہ نہیں کر سکتا تھا مگر وہ مرحوم بار بار یوں کہتے تھے کہ عقل میں نہیں آتا کہ تیرے نمبر کیسے بڑھ گئے،

مجھے اقلیدس پڑھنے کے زمانہ میں اس سے بڑا شغف ہو گیا تھا اس لئے کہ ابتدائی زمانہ میں صیغے بنانے کی مشق ابا جان نے بہت کرا دی تھی اسلئے اقلیدس کے زمانہ میں اس کی شکلیں گھڑنے کا بہت شوق تھا، میرے پرانے کاغذات میں میری صرف صغیر صرف کبیر اقلیدس کی کاپیاں بھی بہت پڑی ہوئی ہیں، شمس بازغہ ہفتہ عشرہ میں متن و شرح دونوں پڑھیں مگر جب یہ اندازہ ہوا کہ متن اور شرح میں زیادہ فرق نہیں اس لیئے دو ایک ہفتہ صرف متن پڑھ کر چھوڑ دیا تھا،

تصریح شرح چغمینی بھی تھوڑی تھوڑی حضرت ناظم صاحب سے ہی پڑھی تھی، ان سب کے کفارہ کیلئے اخیر سال میں اپنے حضرت اقدس قدس سرہ سے موطا امام محمد اور طحاوی پڑھی تھی، طحاوی کا امتحان نہیں دیا کیونکہ اس سے پہلے سال دے چکا تھا، میرے والد صاحبؒ نے بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تجھے فقہ، حدیث اپنے اور حضرت کے علاوہ کسی سے پڑھنے نہیں دوں گا، منطق و نطق جس سے چاہے پڑھ لے اس لئے کہ تو بے ادب اور اور گستاخ ہے، حدیث اور فقہ کے علاوہ کسی اور کتاب کے استاد کی بے ادبی کریگا اور وہ علم ضائع ہو جائیگا بلا سے، لیکن حدیث اور فقہ کی کوئی کتاب ضائع ہو جائے یہ مجھے گوارا نہیں، اس لیئے میں نے فقہ کی ابتدائی کتابیں تو اپنے چچا جان سے پڑھی ہیں، اور انتہائی اپنے والد صاحب سے اور حدیث کی کتابیں صرف اپنے والد صاحب اور حضرت قدس سرہ سے۔

اس کے علاوہ میرے تین استاد ہیں، نحو میر کے چند سبق مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام پاکستان سے پڑھے ہیں جو اس وقت سہارنپور میں مدرس تھے، ان کے علاوہ میرے منطق کے استاد صرف دو ہیں، ایک مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی

رحمۃ اللہ علیہ جن سے میں نے تین کتابیں مدرسہ کے اسباق کے ساتھ پڑھیں، سلم العلوم، میبذی، میر زاھد امور عامہ، اور ان تین (کتب) کے علاوہ سب حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں[1]۔

مشکوۃ المصابیح کا آغاز اور خصوصی دعا

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ مشکوۃ شریف شروع کرنے کا واقعہ یوں تحریر فرماتے ہیں،

"۱، محرم ۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوۃ شریف شروع ہوئی والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانے میں نماز وہی پڑھایا کرتے تھے، نماز کے بعد غسل فرمایا اور اس کے بعد اوپر کے کمرہ میں جو آجکل مہمان خانہ ہے دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر پندرہ بیس منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں، مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں، لیکن میں اسوقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا اس کو مرتے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھیے۔ اللہ جل شانہ نے میری نا پاکیوں گندگیوں، سیئات کے باوجود ایسی دعا قبول فرمائی کہ محرم ۳۲ھ سے رجب ۱۳۹۰ھ تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو، اگرچہ دعا کے وقت یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے پڑھ بھی لیا پھر مدرس بھی ہو گیا تو حدیث پاک پڑھانے تک دس بارہ برس تو لگ ہی جائیں گے کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جو یکم جمادی الاولیٰ ۲۳ھ

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ از صفہ ۳۹ تا صفہ ۵۲ بحذف،

سے مدرس تھے اس وقت تک مشکوٰۃ تک نہیں پہونچے تھے، مگر اللہ جل شانہ مسبب الاسباب ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرے تو اسباب تو خود اسکی مخلوق ہیں، ۳۲ھ میں مشکوٰۃ پڑھی ۳۳-۳۴ھ میں دورہ پڑھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، ۳۵ھ سے بذل المجہود شروع ہوئی جو ۴۵ھ میں ختم ہوئی، اور اس کے ساتھ ہی دوسرے علم حدیث کے تالیفی سلسلے بھی شروع ہوتے رہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابتک ساتھ دے رہے ہیں، شوال ۴۱ھ میں علم حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو ۸۸ھ تک رہا اور اس کے بعد نزول آب کی وجہ سے تدریس کا مبارک سلسلہ چھوٹ گیا، اللہ ہی کا شکر و احسان ہے کہ اب ۹۰ھ تک تو حدیث کی تالیف کا سلسلہ باقی ہے[۱]، دیکھئے میری بداعمالیاں اسکو آگے باقی رہنے دیتی ہیں یا نہیں[۲]،،

اس ناکارہ کو اپنی تعلیم کے قصے تو بہت یاد ہیں مگر بے ارادہ طول ہوتا جارہا ہے، صرف مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا قصہ لکھتا ہوں کہ وہ بغیر ترجمہ کے پڑھی ہے البتہ یہ اجازت تھی کہ جس لفظ کا دل چاہے ترجمہ پوچھ لوں اگر ان کے نزدیک بتانے کے لائق ہوتا تو بتاتے ورنہ ایک ڈانٹ پلاتے، اور ان کا جہاں دل چاہے ترجمہ پوچھ لیں، اگر صحیح بتادیا الحمد للہ ورنہ ایک ڈانٹ ادر پڑتی کہ پوچھا کیوں نہیں حدیث پوری ہونے کے بعد اس ناکارہ کے ذمہ تھا کہ یہ بتاؤں کہ یہ حدیث مذہب حنفیہ کے موافق ہے یا مخالف، اگر مخالف ہے تو اپنی دلیل اور حدیث پاک کی

---

[۱] الحمد للہ تالیفی سلسلہ کسی نہ کسی طرح آخر حیات تک جاری رہا، وَذٰلِکَ فضل اللہ یؤتیہ من یشاء [۲] آپ بیتی نمبر۲ صفحہ ۱۶ ۱۲

توجیہ، مشکوٰۃ شریف کے مطالعہ کے لئے مظاہر حق دیکھنے کی اجازت تو نہیں تھی، لیکن ہدایہ اور طحاوی مطالعہ کے وقت دیکھنا ضروری تھا، مشکوٰۃ کے حواشی اور دوسرے کی جس کتاب کے حاشیہ کو دل چاہے دیکھنے کی اجازت تھی، خوب یاد ہے اور رہے گا کہ ایک حدیث کے ختم پر اس ناکارہ نے یہ توجیہ کی کہ تغلیظ پر محمول ہے ایک تھپڑ کھایا اور فرمایا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ محض ڈرانے کے لئے جھوٹ بول دیا، اس کے بعد فرمایا کہ تغلیظ کی توجیہ احکام میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ چور کے اور شراب پینے والوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیں، اخبار میں یہ توجیہ نہیں ہوا کرتی، اس کے بعد جب اکابر شراح کے کلام میں کہیں اخبار میں تغلیظ کی توجیہ دیکھتا ہوں تو اپنا وہ تھپڑ یاد آجاتا ہے۔

دورہ کے اسباق اور اُن کی تفصیلات

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنے دورہ پڑھنے کی تفصیلات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

سنہ ۱۳۳۳ھ میں میرے دورہ کا سال شروع ہوا، میرے ذہن میں یہی تھا کہ نہ تو مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے نہ مدرسی کا شوق ہے، اس لئے دورہ کی کتابیں ایک سال میں پڑھنے کا ارادہ بالکل نہیں تھا، ابوداؤد شریف میرے والد صاحبؒ کا خاص سبق تھا جو میرے حضرت قدس سرہ کے زمانے میں بھی اہتمام سے میرے والد صاحب ہی کے پاس ہوتا تھا، شوال سنہ ۳۳ھ میں حضرت قدس سرہ نے حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی معیت میں حجاز کا وہ مشہور و معروف معرکۃ الآراء سفر کیا جس میں کابل کی طرف سے

آکر ہندوستان پر حملہ کا منصوبہ بنایا گیا تھا، حضرت قدس سرہ کی غیبت میں حضرت کے اسباق ترمذی، بخاری بھی میرے والد صاحبؒ ہی کے پاس آچکے تھے، لیکن میرے ذہن میں چونکہ سارے دورہ کی کتابیں ایک سال میں پڑھنا نہیں تھا اس لئے میں نے صرف ابوداؤد میں شرکت کی اور والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے بہت خوشی سے اس کی اجازت دی، چند ہی روز بعد میرا کاندھلہ جانا ہوا تو میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحبؒ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تو نے ترمذی بخاری مولوی یحییٰ صاحب سے کیوں نہیں پڑھی، میں نے اپنا منصوبہ بتلا دیا، انھوں نے فرمایا میرا اندازہ یہ ہے کہ انھیں اس کا احساس ہے کہ تو نے ان سے ترمذی نہیں پڑھی، مجھے بڑی حیرت ہوئی، بڑا تعجب ہوا، میں اسی دن آنے والا تھا کہ ایک ہی شب کیلئے گیا تھا مگر میں نے کاندھلہ سے ہی ایک خط والد صاحب کی خدمت میں بہت زور کا لکھا کہ پھوپھا صاحب سے معلوم ہو کر بہت حیرت ہوئی میں نے جو کچھ کیا جناب والا کی اجازت ہی سے کیا، وہ خط میری واپسی کے ایک دن بعد پہنچا، اس کو پڑھ کر میرے والد صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو کوئی بات نہیں کی، میاں رضی کو کس بات سے شبہ ہوا، مگر میں نے اندازہ یہ کیا کہ پھوپھا صاحب کی روایت صحیح ہے اور والد صاحب کو اس کا احساس ضرور ہے اس لئے میں نے اپنی تجویز کے خلاف ابو داؤد شریف کے ساتھ ترمذی بھی شروع کر دی، ترمذی شریف کے بعد بخاری شریف اور ابو داؤد شریف کے بعد نسائی شریف والد صاحب کے یہاں ہوئی، اور چونکہ بخاری شریف پہلی دفعہ ہوئی تھی اس لئے والد صاحب نے نسائی شریف کا گھنٹہ بھی بخاری جلد ثانی کو دیدیا اور نسائی شریف جمعہ جمعہ پوری کرائی۔ بخاری شریف جلد ثانی میں کتاب التفسیر میں آدھے صفحہ

ے زیادہ ایک گھنٹہ میں سبق کسی دن نہ ہوتا تھا. آیات کا پڑھنا اور اس کے بعد امام بخاری کی تفسیر کے متعلق کلام فرمانا (اس میں وقت لگ جاتا تھا) آیت کے پڑھنے میں تو ان کو دیر نہیں لگتی تھی کیونکہ قرآن مجید ان کو ازبر یاد تھا، البتہ آیات کی مشہور تفسیر اور امام بخاری کی تفسیر اور ان دونوں کے تطابق میں دیر لگتی تھی، اس زمانہ میں میرا ایک رفیق درس حسن احمد مرحوم سہارنپور محلہ کھالا پار کا رہنے والا نہایت ہی متین اور نیک اور میرے والد صاحب قدس سرہ کا گویا عاشق زار، اتنا اتنا معتقد کہ حد نہیں، دورہ سے پہلے تو میری مرحوم سے جان پہچان کچھ زیادہ نہ تھی، صرف ایک نیک طالب علم سمجھا جاتا تھا، مگر دورہ میں اس کے جوہر کھلے، مرحوم میرے پاس ہی بیٹھتا تھا اور میرے والد صاحب کی تقریر نقل کرتا تھا، میں نے اسکو جوانی کے زمانہ میں کبھی کوئی فحش مذاق کرتے نہ دیکھا نہ سنا میرے اور مرحوم کے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورہ میں دو اہتمام تھے، ایک یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہ ہو جو استاد کے سامنے پڑھنے سے رہ جائے دوسرے یہ کہ بے وضو کوئی حدیث نہ پڑھی جائے، میرا اور مرحوم کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آجاتی (اس لئے کہ ۵-۶ گھنٹے مسلسل سبق ہوتا تھا) وہ دوسرے کو کہنی مار کر ایک دم اٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا، اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی، اس لئے کہ صحت اچھی تھی، اس سیاہ کار کا تو اس زمانے میں ظہر کے وضو سے عشاء پڑھنے کا معمول سالہا سال رہا پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آہی جاتی تھی، والد صاحب پہلی ہی مرتبہ میں سمجھ گئے تھے کہ ایک دم ایک ساتھی اٹھا ایک منٹ میں آستینیں اتارتا ہوا بھاگا ہوا آرہا ہے اس سے ان کو اندازہ بھی ہوگیا تھا اور اس چیز سے ان کو مسرت

بھی تھی۔ ....

۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو میرے والد صاحب قدس سرہ کا انتقال ہو گیا یا تو ایک سال پہلے یہ جذبہ تھا کہ ترمذی، بخاری حضرت سہارنپوری ہی سے پڑھنی ہے اور ابتداءً ابا جان سے شروع نہ کی لیکن ان کے انتقال کے بعد (دستور یہی ہے کہ قدر اور محبت زندگی میں کم ہوتی ہے انتقال کے بعد بڑھ جاتی ہے) اب یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ترمذی، بخاری دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، ورنہ والد صاحب کی حیات میں یہ جذبہ تھا کہ حضرت سہارنپوری کی واپسی پر دوبارہ پڑھوں گا، مگر والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ خیال نہ یہ کہ دل سے نکل گیا بلکہ اس کا عکس دل میں جم گیا، حضرت قدس سرہ کی نینی تال جیل سے واپسی پر ترمذی شریف جو اب تک میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد سے، بند تھی حضرت کے یہاں شروع ہوئی اور حضرت نے تشریف لاتے ہی اس سیہ کار کو اور میرے عزیز دوست مخلص رفیق حسن احمد مرحوم دونوں کو یہ حکم فرمایا کہ "ترمذی، بخاری مجھ سے دوبارہ پڑھو"، انکار کی تو کیا مجال تھی اور اس کا شائبہ بھی کسی حرکت سے ظاہر نہیں کر سکتے تھے کہ دوبارہ پڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا۔

اسی زمانہ میں اس سیاہ کار نے خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ مجھ سے دوبارہ بخاری پڑھ، حضرت شیخ الہند قدس سرہ (انگریزوں کی قید میں) مالٹا تشریف لیجا چکے تھے، بہت سوچتا رہا کہ خواب کی تعبیر کیا ہو گی، حضرت قدس سرہ سے خواب عرض کیا، حضرت نے فرمایا اس کی تعبیر بھی یہی ہے کہ مجھ سے بخاری دوبارہ پڑھو، اس وقت تو اپنی حماقت سے تعبیر سمجھ میں نہ آئی۔

---

۵ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں اور حضرت سہارنپوری قدس سرہ ۱۳۳۵ھ میں نینی تال جیل سے تشریف لائے۔

لیکن بعد میں سمجھ آگیا کہ اس وقت شیخ الہند فی الحدیث کا مصداق حضرت قدس سرہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے، بہر حال تعمیل ارشاد میں شروع تو ہم دونوں نے کردیا (مگر جذبہ یہ تھا کہ بخاری ترمذی دوبارہ کسی سے نہیں پڑھنی ہے۔ اس لئے) میں نے یہ کوشش کی کہ اتنے قوی اشکالات دمادم کروں کہ حضرت قدس سرہ میرے تبحر علمی کو دیکھ کر یوں فرمادیں کہ تجھے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ....

بذل المجہود کی تالیف کی ابتداء ۲ ربیع الاول میں ہوئی، اس کے بعد بھی میں اسی جذبہ اور کوشش میں رہا کہ حضرت دوبارہ نہ پڑھنے کی اجازت دیدیں میرے ساتھی میرے بیجا سوالات پر بہت ہی چیں بہ جبیں ہوتے خاص طور سے مجھے بخاری میں اشکالات کی زیادہ سہولت پیدا ہو گئی دو گھنٹہ میں سبق صفحہ ڈیڑھ صفحہ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

جمادی الاولی آگیا اور بخاری شریف کے چند پارے ہوئے، حضرت قدس سرہ نے ایک دفعہ یوں فرمایا کہ میں تو رجب میں بھاولپور کا وعدہ کرچکا ہوں، کتاب بہت باقی رہ گئی میرے بعد مولوی ثابت علی صاحب مولوی عبداللطیف صاحب سے پوری کرلیجو، اس فقرہ سے زمین پاؤں تلے سے نکل گئی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ جو آپ سے بھی پڑھنا نہ چاہتا ہو وہ اگلے سے کیا پڑھے گا، ...... جب دوسرے دن حضرت سبق کے لئے تشریف لائے تو حضرت کے بیٹھتے ہی رمضانی حافظوں کی طرح جو میں نے بخاری شریف پڑھنی شروع کی کہ نہ کوئی اشکال تھا نہ کوئی شبہ تھا کبھی آدھا پارہ کبھی پون پارہ دونوں گھنٹہ میں ہی پڑھتا تھا کسی اور کو پڑھنے ہی نہیں دیا جمادی الثانیہ میں بخاری ختم کردی،

اب تیسرا دور شروع ہوا، میں نے شوال میں حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بذل کے لئے وقت بہت تھوڑا ملتا ہے اس لئے کہ بذل پہلے صرف تیسرے چوتھے گھنٹے میں ہوتی تھی، میرا خیال یہ ہے کہ ترمذی شریف حضرت والا مولانا عبد اللطیف صاحب کے حوالہ کر دیں اور بجائے صبح کے شام کو ابو داؤد شریف پڑھا دیا کریں، میری ترمذی بخاری تو حضرت کے پاس ہو گئی، میری تمنا یہ ہے کہ بقیہ کتابیں بھی ہر سال ایک ایک کتاب ہو کر پوری ہو جائیں، حضرت نے بڑی مسرت سے اس کو قبول فرما لیا، اور اس لئے کہ ایک تو اس میں بذل کے لئے زیادہ وقت ملتا تھا جو حضرت کی عین تمنا تھی، دوسرے اس سیاہ کار کے اوپر حضرت کی شفقتِ بے پایاں کی وجہ سے ابو داؤد کے پڑھانے سے حضرت کو مسرت تھی، اس لئے شوال ۳۵ھ سے حضرت کے یہاں ابو داؤد ہوئی شعبان تک، اور شوال ۳۶ھ میں میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں اس سال مسلم ہو گی، حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا اور اس سال مسلم شریف اور نسائی شریف حضرت کے پاس پڑھی، ابن ماجہ شریف دونوں بزرگوں (والد صاحبؒ اور حضرت سہارنپوریؒ) کے پاس پڑھنے کی نوبت نہیں آئی البتہ مدینہ پاک میں ۴۵ھ میں بذل المجہود ختم ہونے کے بعد ابن ماجہ حضرت قدس سرہٗ سے شروع کی تھی اور چند سبق پڑھے تھے لیکن پھر ماہ مبارک آ گیا اور پھر حضرت کی طبیعت ناساز ہو گئی اس لئے پوری نہ ہو سکی، طحاوی شریف اولاً میں نے اپنے والد صاحب سے مشکوۃ کے ساتھ پڑھی .... مشکوۃ والے سال میں اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے تقریباً ایک جلد پوری اور دوسری کا کچھ حصہ پڑھا، اور اس کے بعد مؤطا امام محمد کے ساتھ کچھ حصہ حضرت اقدس کے یہاں پڑھا۔ حضرت قدس سرہٗ کا معمول

اول ترمذی شریف اس کے بعد بخاری شریف اور اس کے ختم پر موطا امام محمد اور طحاوی شریف پڑھانے کا چند سال رہا، اس لئے بندہ نے طحاوی شریف کا معظم حصّہ اولاً اپنے والد صاحب سے تقریباً ڈیڑھ جلد پڑھی اور اس کے بعد تبرکاً دوسرے سال میں کچھ حصّہ حضرت قدس سرہ سے پڑھی، یہ تو طالب علمی کا دور تھا جو بہت ہی عجلت میں چند واقعات لکھے[۱]

حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی سند

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ہونہار شاگرد، معاونِ بذل کو سند بھی عطا فرمائی تھی جسے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ لامع الدراری کے مقدمہ میں نقل فرمائی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيدنا محمد فخر الأولين والآخرين ، وعلى آله وأصحابه وأزواجه وأولياءه أجمعين .

أما بعد : فيقول العبد المفتقر إلى رحمة ربه القوى خليل أحمد ابن الشاه مجيد علي الأنصاري الأيوبي الانبهتوي عفا الله عنه : إن أخي في الله مولانا الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي قرأ عليّ من أوائل الصحاح الستة في جماعة وسمع مني شيئا من المسلسلات للشيخ ولي الله المحدث الدهلوي وطلب مني إجازتها ، وقد حصل لي القراءة والسماع أولا لجميع كتب الحديث وغيرها[۲] ...... * ...... الحبر الكامل والبحر الفاضل الفائق بأنوار على النيرين الشمس والقمر مولانا الشيخ محمد مظهر النانوتوي الصديقي ،

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۲ از ص۶۱ تا ص۶۲ بحذف ۱۲

[۲] قطعت الفارة الفويسقة جانبا من هذا المكتوب الشريف فتركت بياضا في مواضع القطع ۱۲ ز

ثم قرأت بعض الصحاح أعني الجامع لصحيح للبخاري من أوله إلى آخره والشمائل للترمذي والمسلسلات ومسند الجن المسمى بالنودر والدر الثمين للشيخ ولي الله وأورقا معدودة من صحيح الإمام مسلم وشيئا من مسند الدارمي على مولانا الشيخ عبد لقيوم بن مولانا الشيخ عبدالحي المرحوم البوفالي ثم البدهانوى ، فحصل لي منه الاجازة العامة سنة ألف ومائتين وثلاث وتسعين من الهجرة النبوية على صاحبها أفضل الصلاة وأزكى التحية ، وذلك حين إقامتي ببلدة بوفال على خدمة التدريس في المدرسة السليمانية ، ثم لما حضرت خير بلاد الله مكة المشرفة زدها الله كرامة ونوراً لزيارة بيت الله الحرام أول مرة سنة ألف ومائتين وثلاث وتسعين حصل لي إجازة عامة من مفتي الشافعية بمكة المحمية مولانا الشيخ السيد أحمد زيني دحلان ، ثم لما اكتحلت بغبار طيبة وتشرفت بزيارة خير البقاع روضة سيد المرسلين سيدنا وحبيبنا محمد الأمين عليه وعلى آله الصلاة والسلام إلى يوم الدين وحضرت عتبة الشيخ مولانا عبدالغني المهاجر المدني رحمه الله رحمة واسعة قرأت عليه شيئا من أوائل الصحاح الستة فأجازني إجازة عامة وذلك في سنة ألف ومائتين وأربع وتسعين' ولى اجازة عامة من مولنا الشيخ السيد احمد البرزنجي مفتي الشافعية بالمدينة المنورة سابقا اجازني بها سنة ١٣٢٩هـ ، وقد[له] .....* .... المذكورة إجازة عامة من مولانا الشيخ بدر الدين المحدث الشامي مراسلة ، فأجزت الأخ المذكور كما أجازني المشايخ الأعلام بكل مايجوز لي روايته ودرايته من كتب

له مقطوع القارة وأظن أن العبارة هكذا : وقد حصل لي في السنة المذكورة ، لأن إجازة الشيخ بدر الدين حصلت له في في السنة المذكورة كما في التذكرة ١٢ ز .

الحديث الصحاح الستة والموطأين للإمامين همامين : مالك بن أنس والإمام محمد بن حسن الشيباني ومسند الد رمي والمسلسلات للشاه ولي الله المحدث الدهلوي قدس سره والمسلسل بإجابة الدعاء عند لنلتزم خاصة وغيرها من كتب الفقه والتفسير والأصول والمنقول والمعقول إجازة عامة ، وأجيزه أن يجيز غيره ممن تأهل هذ لفن الشريف مع لشرئط المعتبرة عند علماء هذا الشأن .

وأوصيه بتقوى الله في السر والإعلان ، وأن يجتنب عن الأمور المحدثة في الدين وعن طلب الدنيا ولذاتها ، وأن لا ينساني في دعواته الصالحة .

وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم .

حرره العبد الأثيم

خليل أحمد كان الله له

اور اس سے بڑھ کر وہ سندِ شہادت جو مقدمہ بذل المجہود میں مذکور ہے اسمیں حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں :۔

واعانني عليه بعض اصحابي خصوصًا منهم عزيزي وقرة عيني وقلبي الحاج الحافظ المولوي محمد زكريا ابن مولانا الحافظ المولوي محمد يحيٰى الكاندهلوي رحمه الله تعالى فاني كنت لا اقدر على الكتابة ولا على التتبع لرعشة حدثت في يدي وضعف في دماغي وبصري فكنت املي عليه وهو يكتب ويتتبع المباحث المشكلة من مظانها فيسهل على املائها فشكر الله تعالى سعيه واحسن جزائه وما بذل فيه جهده واكرمه الله تعالى بعلومه الباطنة والظاهرة النافعة في الدنيا والآخرة وبالاعمال المبرورة المتقبلة الزاهرة۔

تربیت

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ کو صاحبزادہ کی تعلیم سے زیادہ تربیت کا خیال تھا اور اس بارے میں کسی طرح کی نرمی اور رواداری برداشت نہیں کرتے تھے، ڈانٹ ڈپٹ سے گذر کر انھوں نے خوب زیادہ مار پٹائی سے بھی کام لیا۔ جس کی تفصیلات حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے آپ بیتی میں لکھی ہیں نگرانی اور سختی کا کچھ تذکرہ اور الاعتدال میں بھی آگیا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

میری ابتدائی تربیت جن اصول کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے، کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی اور نہ بلا معیت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی، حتی کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اور اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں، کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی نگرانی میں شرکت کرتا تھا اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلےٰ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدی کی سی زندگی گذری مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھے نباہنے کی توفیق عطا فرمائی، جس کی برکات اب میں دنیا ہی میں پا رہا ہوں، مثال کے طور پر ایک قصہ

لکھتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتہ مدرسہ میں سے کسی نے اٹھا لیا تو چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتہ خریدنے کی ضرورت نہیں ہوئی، کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت ہی نہیں آئی، مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے ہیں وہ ڈال دیتا ہے جو اب تک بھی دستور ہے، اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازہ سے باہر نہ تو قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی، اس قسم کے سیکڑوں واقعات گذرے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے، حتی کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بنسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو، بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو، جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے مجھے تو تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لئے دقت کا سبب ہے

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں مارا[1]

آپ بیتی میں اپنی تربیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں،

"یہ عنوان بھی بہت طویل ہے جس طرح میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس سیاہ کار کی تربیت فرمائی وہ درحقیقت بہت ہی اہم بہت ہی دقیق اور شدید نگرانیوں کے ساتھ ہوئی، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں سب سے زیادہ شدت ترک تعلقات پر تھی، ان کا مقولہ جو بار بار انھوں نے ارشاد فرمایا یہ تھا کہ آدمی چاہے کتنا ہی غبی اور کند ذہن ہو

---

[1] الاعتدال ص۳۱ و ص۳۲

اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں تو وہ کسی وقت ذی استعداد بن کر رہتا ہے، اور آدمی چاہے جتنا بھی ذی استعداد، ذہین اور علم کا شوقین ہو اگر اسکو تعلقات کا چسکہ ہے تو وہ اپنے جوہروں کو کھو کر رہے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ ابتداء عمر میں امردوں کا کسی سے میل جول ان کے نزدیک نہایت خطرناک تھا، یہ تو میری مجال ہی نہ تھی کہ میں کسی کو سلام کروں یا میں از خود کسی ایسے شخص کے پاس جماعت کی نماز میں کھڑا ہوں جس کے پاس اس سے پہلے کی نماز میں کھڑا ہو چکا ہوں، اگر کوئی دوسرا اجنبی مجھے سلام کر لیتا تھا تو مجھ سے جواب طلب ہو جاتا کہ یہ کون ہے اور اگر کوئی ایسا شخص جو پہلی نماز میں بھی میرے برابر ہوتا تھا اتفاقاً میرے پاس آکر کھڑا ہو جاتا تو مجھے ڈر کے مارے نیت توڑ کر جانا پڑتا تھا اس لئے کہ اسکو بھگتنا تو مجھے پڑتا تھا، اور اس خیال سے کہ پاس والے کو یہ خیال ہوگا کہ کیا بات ہوئی کبھی کھانسنے کا بہانہ کرتا تھا اور کبھی ناک پکڑ کر کہ گویا نکسیر آگئی ہے وہاں سے نکلتا تھا،

اس کے ساتھ ہی میرے والد صاحب کی نگاہ میں بڑی اہم چیز صاحبزادگی کا مسئلہ بھی تھا، ان کا بار بار کا سینکڑوں دفعہ کا سنا ہوا مقولہ کہ یہ صاحبزادگی کا سور بہت دیر میں نکلتا ہے۔ اس ناکارہ کے متعلق اگر کبھی ان کو کسی فعل سے اس کا شبہ بھی ہو جاتا تو پھر خیر نہیں ہوتی تھی، ابھی ایک واقعہ اس سلسلہ میں لکھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ،

میں تو حدیث پاک کے سبقوں میں ہمیشہ سے ان ہی واقعات کو بہت لطف اور مزے سے نقل کرتا ہوں اور بڑی دعائیں دیتا ہوں کہ ان کے جوتوں کی برکت سے دینداری کی ظاہری صورت بنائے بیٹھا ہوں اور ان کی ہر مار پر بڑی ہی دعائیں دیتا ہوں گو اس وقت بتقاضائے عمر اور نافہمی جتنا بھی رو یا ہوں یا رنج و غضب کیا ہو ظاہر ہے چند واقعات

ضرور سنو، تم کو لطف آئے یا نہ آئے مجھے تو لکھنے میں لطف آوے ہی گا،

(۱) میری عمر تین چار سال کی تھی، اچھی طرح سے چلنا بھی بے تکلف نہیں سیکھا تھا، سارا منظر خوب یاد ہے اور ایسی باتیں اوقع فی الذہن ہوا کرتی ہیں، میری والدہ نور اللہ مرقدہا کو مجھ سے عشق تھا، ماؤں کو محبت تو ہوا ہی کرتی ہے مگر جتنی محبت ان کو تھی اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائے میں نے ماؤں میں بہت کم دیکھی، اس وقت انھوں نے میرے لئے ایک بہت خوبصورت تکیہ چھوٹا سا سیا تھا، ایک بالشت میری موجودہ بالشت سے چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا اس کی ہیئت بھی کبھی نہیں بھولوں گا، اس کے اوپر گوٹہ ٹھپہ گوکھرو کرن بنت وغیرہ سب ہی کچھ جڑا ہوا تھا، نیچے لال قند کا غلاف اور اس پر سفید جالی کا جھالر بہت ہی خوشنما وہ مجھے اتنا محبوب تھا کہ بجائے سر کے وہ میرے سینے کے اوپر رہا کرتا تھا، کبھی اس کو پیار کرتا کبھی سینے سے چپٹایا کرتا، والد صاحب نے آواز دیکر فرمایا کہ زکریا مجھے تکیہ دیدے، مجھ میں پدری محبت نے جوش مارا اور اپنے نزدیک انتہائی ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیت سے میں نے کہا "کہ میں اپنا تکیہ لے آؤں" فرمایا کہ دے آ۔ میں انتہائی ذوق وشوق میں کہ ابا جان اس نیازمندی اور سعادتمندی پر بہت خوش ہوں گے دوڑا ہوا گیا۔ انھوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اور داہنے ہاتھ سے ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آجتک تو اس کی لذت بھولا نہیں اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولونگا اور یوں فرمایا کہ "ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں، کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں" اللہ ہی کا فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے کہ اس کے بعد سے جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا اس دنیا میں کوئی مال نہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

(۲) میری عمر آٹھ سال کی تھی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا، حضرت کے وصال کے بعد والد صاحب نے خانقاہ شریف ہی میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کردیا، خانقاہ کی مسجد میں اسوقت تک والد صاحب ہی نماز پڑھاتے تھے۔ نماز ظہر شروع ہوگئی، اور میں خانقاہ کی مسجد میں ایک طاق تھا اس پر ہاتھ رکھکر لٹکنے کی کوشش میں تھا مگر اسپر میرا ہاتھ نہیں پہونچتا تھا، ان شاگردوں میں ایک شخص مولوی صغیر احمد تھے وہ وضو کرکے جلدی سے آئے اور ادھر رکوع شروع ہوگیا، انھوں نے تیزی سے آکر محبت کی بنا پر مجھے طاق پر لٹکا دیا، مجھے غصہ آگیا کہ میری مساعی جمیلہ میں اس نے ٹانگ کیوں اڑائی جب سب سجدہ میں گئے تو میں نے مولوی صغیر کی کمر میں زور سے ڈک مارا، چوٹ تو ان کے کیا لگتی مگر آواز بہت ہوئی، نماز پڑھتے ہی مقدمہ قائم ہوگیا، خانقاہ میں گولر کے نیچے سارا مجمع اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی سہ دری کے آخری در کے سامنے ابا جان اور مطالبہ یہ کہ کس نے مارا تھا اور کس کے مارا تھا، مگر ڈر کیوجہ سے کوئی بولا نہیں، دس بارہ منٹ کے بعد فرمایا کہ اچھا اب تو سبق کا حرج ہو رہا ہے سبق کے بعد سب کی چھٹی بند جب تک کہ تحقیق نہ ہوجائے، عصر کے بعد دوبارہ میدان حشر قائم ہوا، ان کا مطالبہ اور جواب میں سکوت، انھوں نے فرمایا کہ ایک کو جانے کی اجازت نہیں چاہے صبح ہوجائے . . . .

اور میں اپنے دل میں یہ دعائیں کررہا تھا کہ جو ہونا ہوگا وہ ہوجائیگا مولوی صغیر جلدی سے بتلادیں خواہ مخواہ سب پھنس رہے ہیں، بالکل میدان حشر کا منظر تھا جس کی بنا پر پریشان پھر رہے تھے کوئی پندرہ منٹ کے بعد مولوی صغیر نے دبی ہوئی اور مری ہوئی زبان سے کہا کہ "میرے مارا تھا" اب تو مقدمہ کا بہت سا حصہ گویا طے ہوچکا، اس پر سختی سے مطالبہ ہوا کہ کس نے، مگر وہ چپ، جب اس نے دیکھا کہ ضرب یضرب ہونے کو ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس نے،

اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ "اس نے" انھوں نے کہا جی "پھر فرمایا کہ "اس نے" تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا، اس وقت والد صاحب کا دستور عصر کے بعد حضرت گنگوہی کے مزار پر حاضری کا تھا، یہ نابکار بھی ساتھ ہوتا، اور میری ایک چھوٹی سی چھتری تھی جو ٹوٹ گئی تھی اور اسکی ڈنڈی کو لکڑی بنا لیا تھا جو مزار پر جانے کے وقت میں میرے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی، میرے ہی ہاتھ سے چھین کر اتنا مارا کہ وہ چھوٹی سی لکڑی بھی دو جگہ سے ٹوٹ گئی، اور صرف ایک لفظ ان کی زبان پر ہر بار پر ہوتا تھا کہ ابھی سے صاحبزادگی کا یہ سور، انھیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ بعد صاحبزادگی باپ کے شاگرد کو مار دیا، سردی کا زمانہ تھا اور میں روئی کا انگرکھا پہنا کرتا تھا مگر اسوقت نہیں تھا اس لئے صبح اور عشار کے وقت پہنا کرتا تھا، اور عصر کے وقت چونکہ سردی نہیں ہوتی تھی اس وقت صرف ایک ہی کرتہ بدن پر تھا، میرے بازو اتنے سوج گئے تھے کہ پندرہ دن تک انگرکھا بالکل نہیں پہن سکا۔

(۳) اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے حجرہ کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی۔ ابا جان نے آکر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا کہ "سبق یاد نہیں کیا جاتا" میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے بعد مغرب کے عشار کی اذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے، لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سی نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا اسوقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے۔ مگر جلدی ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا، اس لئے کہ جب نفلیں پڑھنے کا وقت آیا اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔

(۴) میری عمر دس سال کی تھی میری والدہ گنگوہ سے رامپور جا رہی تھیں، بہلی میں

اور بھی چند مستورات تھیں اور میں بھی تھا، ایک ٹٹو (گھوڑی) جس کے ساتھ اس کا چلانے والا بھی تھا اس پر والد صاحب تشریف فرما تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گھوڑے کی سواری کی عادت نہ تھی. مگر معمولی سا ٹٹو جس کے ساتھ اس کا چلانے والا بھی ہو اس پر ایک دو دفعہ بیٹھنے کی نوبت آئی، راستہ میں ایک جگہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہ شفقت ارشاد فرمایا کہ "تو گھوڑی پر بیٹھ" میں نے بہت شوق سے کہا کہ "جی" اور شوق میں گاڑی سے کود پڑا اور گھوڑی پر بیٹھ کر اور شوق عزت میں گھوڑی کو بہلی کے سامنے لایا میری والدہ نے اور دوسری مستورات نے جب میں قریب پہنچا کچھ زبان سے اور کچھ اشارہ سے کہ بڑی بات ہے ابا تو پاؤں جا رہے اور تو گھوڑی پر بیٹھا، میں نے ابا جان سے عرض کیا کہ عورتیں یوں کہہ رہی ہیں، انھوں نے بہت غصہ میں فرمایا کہ " اندھی کے تجھے نظر نہیں آتا عورتیں ہی کہہ رہی ہیں تیری آنکھیں پھوٹ گئیں" ما بدولت بیک بینی و دو گوش گھوڑی اتر کر گاڑی میں بیٹھ گئے، اس بات پر مجھے اللہ کا شکر ہے کوئی گرانی نہیں ہوئی اور میرے ذہن میں تھا کہ تو نے برا کیا۔

(۵) میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس کا بھی بہت اہتمام تھا کہ میرے پاس پیسہ نہ رہے کسی دوسرے سے پیسہ لینا تو درکنار کسی کھانے پینے کی چیز کا لینا بھی ناممکن تھا بلکہ اس کے شبہ پر بھی سخت تحقیقات ہوتی تھیں، جیسا کہ اگلے نمبر پر مستقل ایک واقعہ ذکر کروں گا، البتہ خود پیسے دینے کا بہت معمول تھا اور ساتھ یہ کہ میرے پاس پیسہ نہ رہے اس لئے جب مجھے کچھ دینے کا ارادہ فرماتے تو پہلے والدہ سے فرما دیتے کہ زکریا کو اتنا پیسہ یا روپیہ دینا ہے. اور والدہ نور اللہ مرقدہا اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی اونچے درجے عطا فرمائے مجھ سے محبت بے انتہا تھی اسی وقت سے مجھے قرض دینے کے فضائل اور ثواب اتنے لاتعد و لاتحصی سناتیں اور

آخرت میں کارآمد ہونیکی ترغیبیں اور دنیا میں جو خرچ ہو اس کی لغویت خوب بتلائیں اور اس کے بعد پھر فرماتیں کہ تیرے پاس کچھ پیسے ہوں تو دیدے تجھے ثواب ہوگا، کچھ تو واقعی والدہ کی محبت اور کچھ ثواب کی اہمیت تو اس وقت کہاں ہوتی البتہ من نوقش فی الحساب فقد عذب کا نقشہ بغیر حدیث پڑھے ہی سامنے تھا اس لئے کہ ان پیسوں کا حساب دنیا بھی تو کارے دارد تھا اور اسی کا یہ اثر تھا کہ ابتک پیسہ جیب میں رکھنے کی عادت نہیں اللہ نے دوست واحباب ایسے مہیا کر رکھے ہیں کہ وہ ہر وقت میری فرمائشیں پوری کرتے رہتے ہیں،

(۶) اس سے پہلے نمبر میں لکھا تھا کہ شبہ پر تحقیقات ہوتی تھیں ۔ایک واقعہ مثال کے طور پر لکھ رہا ہوں ، مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ مظاہر علوم) کی چھت پر والد صاحب کا قیام اور پیشاب کی جگہ اسی چھت پر اس کے بالمقابل تھی والد صاحب پیشاب کے لئے تشریف لیگئے، راستہ میں ایک جگہ سے کباب کی خوشبو آئی جو مولانا ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام پاکستان نے کسی طالب علم سے بعد مغرب یہ کہکر کہ کباب لاکر یہاں رکھ دینا میں نفلوں کے بعد لے لوں گا نماز کی نیت باندھ لی ، والد صاحب کے بعد میں پیشاب کو گیا۔ والد صاحب کو یہ شبہ ہوا کہ وہ کباب اس نے منگائے تھے اور پیشاب کے بہلنے سے یہ کھا کر آیا ہے ، مجھے قریب بلاکر یوں کہا کہ "منھ کھول" اس میں کبابوں کی خوشبو بالکل بھی نہیں تھی ، پھر مجھ سے مطالبہ فرمایا کہ وہ کباب کس کے ہیں میں نے لاعلمی ظاہر کی اول تو سختی سے تحقیق فرمایا پھر جا کر ان کو دیکھا تو وہ وہیں رکھے تھے چونکہ مولانا ظفر احمد صاحب اس زمانہ میں شریک دستر خوان تھے ، جب سب حضرات کھانے کے واسطے بیٹھے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے کسی طالب علم سے فرمایا کہ وہاں کباب رکھے ہیں وہ اٹھالاؤ تب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطمینان ہوا ۔

(۷) پیسوں کے سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ سناؤں ان کی تعلیم کا طرز تو عجیب و نرالا تھا ہی ان کے یہاں اہم کتاب کے شروع پر یا ختم پر مٹھائی کے نام سے کچھ پیسے ملنے کا بھی دستور تھا جو میرے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ مخصوص شاگردوں میں سب ہی کے ساتھ تھا، لیکن میرے ساتھ یہ خصوصیت تھی کہ ان پیسوں کی مٹھائی کھانا سخت معیوب تھا بلکہ نہایت سنگین جرم تھا کہ یہ ان کے یہاں چٹورپن تھا۔ بلکہ ان پیسوں کا مصرف کوئی ضرورت کی چیز کتاب وغیرہ یا والدہ کے توسط سے کوئی مقوی دماغ چیز تھی،

جب میرا فقہ شروع ہوا یعنی قدوری اور کنز کی بسم اللہ ہوئی تو مجھے بیس روپے انعام میں ملے تھے اور دینے کے بعد فرمایا کہ "ان کا کیا کریگا" میں چونکہ بھیڑیئے کی آنکھ سے سبق پڑھے ہوئے تھا میں نے کہا کہ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے چاروں بزرگ حضرت سہارنپوری، حضرت دیوبندی، حضرت رائپوری، حضرت تھانوی کی خدمات میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کروں، یہ میری تجویز کسی اخلاص پر تو مبنی تھی نہیں ۔من حوسب عذب کے ڈر سے تھی، بڑی شاباش ملی اور میری فہم و دانش پر مبارکباد پھر فرمایا کیا مٹھائی دیگا،

آپ بیتی میں یہ قصہ یہیں تک لکھا ہے ۔سوانح یوسفی میں قصہ کی تکمیل اسطرح ہے کہ "شیخ نے متفرق مٹھائیوں کے نام لیئے فرمایا لاحول ولا قوۃ ان میں سے کون ایسا ہے جو مٹھائی کھائیگا، تمہاری خاطر میں ایک آدھ ڈلی چکھ لیں گے باقی سب دوسروں کی نذر ہو جائیگی، ایسا کرو کہ پانچ روپے کی مصری (شکر) خرید کر حضرت (سہارنپوری) کی خدمت میں پیش کر دو ایک مہینہ تک تمہاری ہی مصری کی چائے نوش فرمائیں گے چنانچہ تعمیل کی گئی، بقیہ اکابر ثلثہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے نقد مختلف اوقات میں

پیش کر دیئے گئے ان سب حضرات نے بڑی مسرت سے قبول فرما کر دعائیں دیں

(۸) رمضان ۲۸؁ھ میں جبکہ میری عمر تیرہ[۱۳] سال کی تھی اور سہارنپور آنے کے بعد پہلی عید تھی، کاندھلہ اس سے پہلے شاید تین چار سال کی عمر میں ایک عید کی تھی اس کی چہل پہل عیدگاہ میں بچوں کے ساتھ جانا اور عیدگاہ کے مناظر خوب یاد تھے، ۱۵ر رمضان کے آس پاس والد صاحب نے ازراہ شفقت و مراحم خسروانہ فرمایا "تیرا کاندھلہ عید کرنے کو جی چاہے" میں نے بڑے زور میں کہا کہ "جی" فرمایا کہ اچھی بات ہے ۲۹ر کو بھیجدوں گا، خوب یاد ہے کہ یہ پندرہ دن خوشی کے اندر ہر دن روز عید تھا اور ہر رات شب قدر کبھی خوشی میں اچھل بھی پڑتا تھا اور ایک ایک دن بڑی مشکل سے گذارتا تھا، اور جب ۲۹ر کی رات آئی تو پھر کیا پوچھنا سوچتا تھا کہ اب کسی کے ساتھ جانا طے ہوگا، ۲۹ر کی صبح کو میں تو ہر آن ع "چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است" اس آواز کا منتظر تھا کہ یہ فرمائیں کہ "جا فلاں کے ساتھ چلا جا" انھوں نے دس گیارہ بجے کے قریب نہایت رعب دار منھ بنا کر فرمایا کہ "بس کیا کریگا جا کر" آواز سے تو ہم رو ہی نہیں سکتے تھے آنسوؤں پر قابو ہی نہیں تھا بے اختیار نکل پڑے اور حجرہ میں جا کر پھر جو ہچکیوں کے ساتھ رونا شروع کیا اللہ بہت ہی معاف فرمائے جو منھ میں آیا سب کچھ کہدیا۔ بھلا اس جھوٹے وعدہ کی کیا ضرورت تھی بزرگ ہو کر بھی مکاری کرتے ہیں، میں نے کونسی درخواست یا منت کی تھی، اپنے آپ خود ہی تو وعدہ کیا، اور وہ دن اور دوسرا دن عید کا میرے لئے محرم تھا، وہ میری لال آنکھیں اور آنسوؤں کو خوب دیکھ رہے تھے مگر ایک لفظ نہیں کہکر دیا عید سے دوسرے دن یوں فرمایا کہ "میرا جی تو چاہے تھا تیرے بھیجنے کو اور میرا ارادہ بھی تھا مگر جتنی خوشی تو نے جانے کی کی وہ مجھے اچھی نہیں لگی، اس وقت تو بھلا آپ جانیں کیا

سمجھ میں آتی، مگر اب واقعی سمجھ میں آگئی کہ لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا
بما اٰتاکم کی داغ بیل پڑ گئی۔

(۹) مجھے کبھی بچپن میں اچھا کپڑا پہننا یاد نہیں اپنے ہوش سے پہلے والدہ نے پہنائے ہوں
تو یاد نہیں اس زمانہ میں ہر جمعہ کو سر منڈانا بھی ضروری تھا کہ بال بھی زینت ہیں،
کاندھلہ میرا وطن ہے لیکن عمر بھر میں کبھی تین مرتبہ کے علاوہ ایک دو شب سے زیادہ قیام
یاد نہیں بلکہ ہوا ہی نہیں، اس جگہ جس واقعہ کو لکھنا ہے وہ بہت ہی اہم بہت ہی عجیب
ہے، اوائل ۳۰ھ میں جبکہ میری عمر ۱۵ برس کی تھی میری والدہ مرحومہ کاندھلہ میں نہایت
ہی سخت علیل ہوئیں اور ایسی علیل ہوئیں کہ ہر دن ان کی زندگی کا آخری تھا (اگرچہ اس مرض
میں انتقال نہیں ہوا) والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس شدت مرض اور مایوسی کی
حالت اور میری یاد کی خبر پہونچی تو انھوں نے یہ سمجھکر کہ پانچ سات دن کا قصہ ہے مجھے
کاندھلہ بھیج دیا اور اتنا لمبا چوڑا کام میرے سپرد کر دیا کہ پندرہ سولہ گھنٹے تک بھی پورا نہ
ہو سکے، روزانہ تاریخ ارمقامات کے تین سو لغت لکھنا اور صراح وغیرہ دوسری کتب کی مدد
سے ان کا ترجمہ بھی لکھنا، پھوپھا مرحوم (پھوپھا رضی الحسن صاحب) سے سلم کا سبق پڑھنا
ایک منزل روزانہ قرآن کی دو تین مرتبہ پڑھنے کے بعد دادی صاحبہ (جو حافظہ قرآن تھیں) کو
سنانا اور تین سبق فارسی کے گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا حاجی محسن مرحوم کو پڑھانا،
چونکہ مجھے کبھی اچھا کپڑا پہننے کی نوبت نہ آئی تھی اور میری والدہ کی انتہائی خواہش اور تمنا یہ
تھی کہ وہ مجھے اچھا کپڑا پہنے ہوئے دیکھیں مگر والد صاحب کے خوف سے وہ بھی نہیں بنا سکتی
تھیں چونکہ وہ ان کی مایوسی کی حالت تھی اور ہر دن کو وہ اپنا آخری دن سمجھتی تھیں اسلئے
انھوں نے میری خالہ و پھوپھیوں سے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا اور چونکہ ہر رشتہ دار اسوقت

ان کی ہر دلجوئی کا متمنی تھا اس لئے سب نے مل کر ایک نفیس جوڑا میرے لئے سیا، والدہ نے یہ بھی کہا کہ اگر میں زندہ رہی تو اس کے دام ادا کر دوں گی، سب نے کہا کہ ایسے لفظ مت کہو کیا یہ تمہارا ہی بچہ ہے ہمارا نہیں، بہرحال ان کی عجلت پر نہایت عمدہ جوڑا سلا جو اب تک نظروں میں ہے، نہایت ہی نفیس حسین ایک گلابی بنیائن اسپر نہایت ہی باریک چکن کا کرتہ، اور نہایت ہی عمدہ سیلے کا عمامہ اور چونکہ اسوقت میں میرے تمام عزیز علی گڈھ پڑھتے تھے اور سب سلیپر پہنتے تھے گو اس سے پہلے میں نے نہ کبھی پہنے اور نہ مجھے پسند آیا، ساری عمر دھوڑی کا جوتہ اور وہ بھی بغیر پھول کے، مگر ماحول کا تو اثر ہوتا ہی، بھائی اکرام، ظہیر الحسن مرحوم ماسٹر محمود یہ سب لوگ سلیپر پہنتے تھے مگر معمولی، اور اسوقت ہمارے اور والدہ مرحومہ دونوں کے شوق سے خریدا جا رہا تھا، اس لئے بانا کا نہایت ہی مضبوط سولہ روپے کا خریدا اور اس وقت کے سولہ آجکل کے پچاس روپے سے تو کم نہ ہوں گے، دو تین دن میں بڑی محنت اور بہت عجلت سے میری خالہ اور پھوپھیوں نے بہت ہی نفیس جوڑا سیا، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ والدہ کی اور میری دونوں کی خیر خبر لینے کے واسطے کاندھلہ تشریف لے گئے، ما بدولت اس شاہی جوڑے کو پہن کر اور اس کی نمائش کرنے کے واسطے اپنے دروازے سے نکل رہے تھے ایکدم ایک کی نگاہ دوسرے پر پڑی ان کی نگاہوں میں تو شیر ببر کی طرح سے خون کی لہر دوڑ گئی میں لنگور کے سامنے بندر ایسی حالت میں تھا کہ پاؤں کے نیچے زمین نہیں تھی اور انھوں نے للکار کر فرمایا کہ آ گے آ، تعمیل کے سوا چارہ کیا تھا اور وہ نہایت ہی نفیس اور مضبوط جوتا جو چار پانچ منٹ پہلے ہی پاؤں میں پڑا تھا وہ ان کے ہاتھ میں تھا اور بجائے پیر کے سر پر پڑا پڑ پڑ رہا تھا اور ایک لفظ زبان پر تھا کہ تجھے معشوق بننے کے واسطے بھیجا تھا، سارے گھروں کی مستورات مجھے چھڑانے

کے واسطے وہاں جمع ہوگئیں، ابا جان نے ایک ڈانٹ پلائی کہ جو چھڑانے آئیگی اس کے جوتا ماروں گا، بلا مبالغہ سَو کے قریب تو سر پر پڑے ہوں گے، یہ اللہ کا احسان تھا کہ ایڑی کی طرف سے نہیں پڑے بلکہ پنجے کی طرف سے پڑے جس سے سر نہیں پھٹا. البتہ صبیغ[1] کی طرح سے دماغ کا بہترین علاج ہوگیا، وہ عمامہ تو اسی وقت تہ کرکے چھوٹی ہمشیرہ کے نکاح کے لئے رکھا گیا اور چکن کے کرتے کی بھی دو کرتیاں بہن کی شادی کے لئے بنا کر رکھدی گئیں اور وہ بنیائن اور سلیپر عزیز ظہیر الحسن مرحوم کو نذرانہ ہوگیا، اور عمدہ لٹھے کا پاجامہ اسوقت تو جھک مار کر اتارنا ہی پڑا، اور ہم پھر وہی کھر پا دہی جالی، اللہ کے فضل وانعام واحسان سے اچھے کپڑے سے جو نفرت اس وقت بیٹھی تھی اسمیں اضافہ ہی ہوتا رہا. اور اب واقعی اس کے اندر تصنع نہیں کہ اب اچھے کپڑے سے کچھ اس قدر نفرت سی ہوگئی کہ اپنے ہی نہیں دوسرے کے بدن پر بھی اچھا نہیں لگتا، اور اب دماغ میں یہ چیز جم گئی کہ اچھے کپڑے کے اندر کیا فائدہ اگر اچھی غذا کھائی جائے تو خیر دماغ وجسم کو طاقت دیتی ہے مگر اچھے کپڑے سے نہ رنگ وروپ میں فرق پڑے اور نہ بدن میں طاقت آئے، پندرہ بیس دن میں وہ اس سے زیادہ میلا ہوجاتا ہے جتنا کھدر بھی نہیں ہوتا،

پھر ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ " یہ میری ضربات کی آخری ضرب تھی، اسکے بعد ایک آدھ تھپڑ تو شاید کبھی لگا ہو ورنہ قابل یادکوئی مار نہیں، اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو ان کی بات کی بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے

---

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص صبیغ نامی تھا اس نے کچھ ایسی نئی نئی باتیں لوگوں میں کہنی شروع کیں جن سے گمراہی پھیلنے کا سخت اندیشہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو بلایا اور تر وتازہ لکڑیوں سے اسکو مارنا شروع کیا حتی کہ سارا بدن خون سے لبریز ہوگیا. اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہ قصہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ نے خود بحوالہ مسند دارمی و در منثور الاعتدال میں صـ۲۱۷ پر مفصل لکھا ہے ۱۲

اور ہر بار پر لاکھوں رحمتیں ان پر نازل فرمائے آمین ثم آمین،

حالت تو اپنی خراب ہی رہی لیکن ان تنبیہات اور تربیت اور اللہ کے فضل و احسان کی وجہ سے آدمیوں میں شمار ہونے لگا ورنہ نہ معلوم کس حال میں ہوتا۔[۱]

اس کے بعد حضرت شیخ نے مشکوٰۃ شریف کے سبق میں ایک تھپڑ لگنے کا تذکرہ فرمایا ہے جو مشکوٰۃ شریف کے سبق کے سلسلہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حاصل تربیت تعلق مع اللہ

متعدد واقعات مار پٹائی کے لکھ کر حضرت اقدس قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں "یہ سارے افسانے خواب ہی ہو گئے اور یہ سارے مراحل والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد سے گویا نگرانی ختم ہو گئی، انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے یا اس سے بھی کچھ زائد حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ و قدس سرہ جن کا شدید اصرار والد صاحب کے بار بار بلانے پر رہتا تھا، ان کے خط کے جواب میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ہی قلم سے تحریر فرمایا کہ" اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آ جا نہیں سکتا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا، حضرت کو چونکہ بہت اشتیاق رہتا تھا، اس لئے والد صاحب طویل قیام کیلئے رائپور تشریف لے گئے۔ اس ناکارہ نے ان کی تشریف بری کے بعد مکاری سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے (بذریعہ خط) اپنے نقصان کا اظہار کیا تو جواب میں تحریر فرمایا کہ بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت

---

[۱] یہ سب واقعات آپ بیتی نمبر ۱ (تنقید بر سوانح یوسفی) سے لئے گئے ہیں۔ ۱۲

تک رہتی ہے جبتک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو، اور اسکے بعد ضرورت نہیں رہتی، اللہ کا شکر ہے کہ اسکے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہو گیا اب میری ضرورت نہیں رہی کاش اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور لطف واحسان سے والد صاحب کے اس حسن ظن کو انا ظن عبدی بی کے عالیشان فرمان کیوجہ سے صحیح فرمادے تو اسکے لطف وکرم اور انکے احسانات عظیمہ سے بعید نہیں جو ہمیشہ ہی میری ناپاکیوں کے باوجود رہے۔[۱]

اس مضمون کو ہم حضرت شیخ قدس سرہ کے ایک مکتوب پر ختم کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو ایک عزیز کے نام ہے۔ اس میں رگڑائی کی ضرورت ظاہر فرمائی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ میری رگڑائی میرے باپ کے جوتوں سے ہو گئی تھی، چنانچہ ارشاد ہے :-

عزیزم سلمہٗ بعد سلام مسنون اسی وقت میں تمہارا محبت نامہ پہنچا، ایک طرف تمہاری قرابت۔ دوسرے تمہارے تبلیغی انہماک کیوجہ سے بلا مبالغہ بلا تو رِیہ بہت ہی تمنا ہے کہ تم میرے اکابر کے نقش قدم پر چلو، دعا بھی ہے مگر تمہارے ابتدائی نشو ونما کیوجہ سے تمہارے رگڑے جانیکی ضرورت ہے اور تمہارے بار بار اصرار اور شدید اصرار کے میں نے اپنے کو اس پر قادر نہیں پایا اسی لئے بار بار دعاؤں میں تو کسر نہیں چھوڑی مگر تعمیل حکم سے قاصر رہا اور دعا سے بالکل دریغ نہیں کیا۔ ع رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانیکے بعد

جن لوگوں کی ابتدائی عمر میں رگڑائی اچھی طرح ہو جاتی ہے! جیسا کہ میرے باپ کے جوتوں نے میری کردی تھی تو ان کو بعد میں زیادہ دقت اٹھانی نہیں پڑتی۔ اسکو صوفیا، تربیت جلالی کہتے ہیں لیکن جنکی ابتدائی رگڑائی نہیں ہوتی انکو اخیر میں بھگتنا پڑتا ہے میں نے اسکے بہت سے تجربے مشائخ میں کئے۔

پیارے! تجربے بہت ہو گئے یا تو کوئی سخت پریشانی کا ابتلاء ہوتا ہے حاسدین کیطرف سے ہو یا کسی موذی مرض کیطرف سے یا اور کوئی چیز، اور اگر آدمی خود ہی ارادہ کرے تو پھر جبری رگڑنے کی ضرورت نہیں میرے پیارے بہت آسان ہے ؎ راہ خدا از دو قدم بیش نیست: یک قدم بر نفسِ خود نہ، دیگر بر کوئے دوست

انانیت۔ کبر۔ عجب۔ دوسروں کی توہین۔ انکی تذلیل یہ ساری چیزیں تعارب ہیں، اگر کوئی اپنے ارادہ سے نفس کے اوپر قدم رکھ لے پھر کسی کی بھی ضرورت نہیں رہتی نہ رگڑنے کی نہ تربیت جلالی کی، ویسے تو ہم لوگ حقیر ذلیل، فقیر اپنے کو لکھنے کے بڑے عادی ہیں، کمترین خلائق زبان سے یا خطوط جتنے چاہے لکھوالو، لیکن حقیقت میں اسکی پہچان، اور جانچ اور معیار اپنی نگاہ میں بلکہ قلب میں مادح وذام ایک ہونا ہے، اگر کچھ بننا چاہتے ہو تو میرے اس اکسیری نسخہ پر عمل کر لو پھر انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب مشائخ میں ہوگے۔[۲]

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۱ ص ۱۸ و ص ۱۹ [۲] مکتوبات شیخ جلد دوم ص ۱۲۔

باب پنجم

حضرات اساتذہ کرام کا تذکرہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے فارسی کی کتابیں اور عربی کی بعض ابتدائی کتابیں چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام التبلیغ سے پڑھی اور منطق کی کتابیں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سے پڑھی۔ جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ منطق کے علاوہ کس کس سن میں کون کونسی کتابیں پڑھیں ان سب کی تفصیل ایک نقشہ میں پہلے گزر چکی ہیں۔ جس میں فقہ، اصول فقہ، معانی بیان وغیرہم کا ذکر ہے، مشکوۃ المصابیح اور دورۂ حدیث کی کتابیں اپنے والد حضرت مولانا محمد یحیی صاحب سے پڑھی۔ پھر ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھا۔

درس نظامی کے اساتذہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہم ہیں

ان میں سے حضرت والد صاحب اور چچا جان رحمہما اللہ کا تذکرہ باب دوم

میں مفصل گزر چکا جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ جامعہ مظاہر علوم کے تذکرہ میں انشاء اللہ لکھا جائے گا
ذیل میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے مختصر احوال حسب مذکور حیطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں

حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و تعلیم

قصبہ پرقاضی ضلع مظفر نگر کے سادات میں سے تھے سن پیدائش معلوم نہیں)۔ حافظ امانت علی بگرھوی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ جو قصبہ مذکورہ کی جامع مسجد میں پڑھاتے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا سید جمعیت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست بہاولپور میں ملازم تھے۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں بہاولپور میں اپنے والد صاحب سے ہی پڑھیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بہاولپور آنا جانا رہتا تھا اور وہاں چند سال قیام بھی فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ جب آپ بہاولپور تشریف لے گئے تو حضرت مولانا سید جمعیت علی صاحب نے اپنے ہونہار بیٹے کو آپکے حوالہ کر دیئے۔ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ میں آپ مظاہر علوم تشریف لائے اس وقت آپکی عمر پندرہ سولہ سال رہی ہوگی اس طرح سن پیدائش ۱۲۹۹ھ یا ۱۳۰۰ھ بن سکتا ہے۔

مظاہر علوم میں آپ نے تقریباً تمام علوم فنون کی کتابیں پڑھیں ۱۳۲۲ھ میں دورہ حدیث سے فراغت ہوئی۔ صحیحین اور سنن ابی داؤد، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور سنن نسائی حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سے پڑھی۔ اس زمانے میں آپ کے چچا حضرت مولانا ثابت علی صاحب بھی جامعہ مظاہر علوم میں مدرس تھے ۱۳۲۰ھ میں ان سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر مظاہر علوم میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ۱۳۲۳ھ و ۲۸ھ میں حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری جب ۳۳ھ میں حج کے لئے روانہ ہوئے تو پہلی مرتبہ آپ ناظم مدرسہ بنے ۳۹ھ میں استاد حدیث بنائے گئے اور پہلی مرتبہ بخاری شریف، ترمذی شریف کا درس دیا۔ ۴۳ھ میں حضرت سہارنپوری کے ہمراہ مدرسہ کی ضروریات کے سلسلہ میں رنگون جانا ہوا۔ ۴۴ھ میں دوبارہ مستقل مدرسہ کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔ ۷۲ھ میں ایک بار پھر بکار مدرسہ رنگون تشریف لے گئے۔

کامل انتیس ۲۹ سال تک مدرسہ کی خدمات انتہائی تیقظ اور بیداری سے انجام دینے کے بعد ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق دو اگست ۱۹۵۴ء دو شنبہ کو وفات پائی اور قبرستان حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئی عمر تقریباً چھتر سال ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۶ھ میں جب بذل المجہود کی اختتام کے بعد مدینہ منورہ سے واپس ہوئے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ نے انکو شیخ الحدیث اور مشیر ناظم بنا کر بھیجا۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے استاد تھے۔ لیکن انہوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کے حکم کو قبول فرمایا اور ہمیشہ اخیر دم تک حضرت شیخ الحدیث صاحب سے مشورہ لیتے رہے۔ اور نہ صرف مشورے لئے بلکہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آئی یا کسی معاملہ میں اپنے آپ کو بچانا چاہا تو مسئلہ کو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے فرما دیتے وہ جیسے فرمائیں ویسے ہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

اسی لیے بعض حاسدین یوں کہتے تھے کہ ناظم تو مولوی زکریا صاحب ہیں مولانا عبد اللطیف صاحب تو گویا کچھ بھی نہیں۔

حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے احترام واکرام میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے تقریباً روزانہ ہی عصر کے بعد کچے گھر میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے گھر جاتے اور ملاقات فرماتے اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس الفت ومحبت کے روابط بے تکلفی کی صورت میں ہر خاص وعام پر عیاں تھے اور اسی بے تکلفی کی بنیاد پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت کی اجازت بھی دے دی۔

جس کا واقعہ یوں ہے کہ جب دوسری مرتبہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رنگوں جانے لگے تو کسی نے کہا کہ وہاں لوگ بیعت کے لیے رجوع کریں گے، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے تو کسی سے خلافت واجازت نہیں ہے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بے تکلف فرمادیا کہ آپ

ہیں تو میرے استاد اور آپ کو اجازت دینا بے ادبی بھی ہے تاہم میں آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے اجازت قبول فرمائی اور رنگون میں آپکے ذریعہ سلسلہ چشتیہ امدادیہ خلیلیہ کا فیض جاری ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ سے ۱۳۴۶ھ میں واپس ہوئے اور آپ کو شیخ الحدیث مقرر کر دیا گیا تو اس موقعہ پر صحیح بخاری شریف پڑھانے کا مسئلہ سامنے آیا۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سے ابتک حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پوری بخاری شریف پڑھاتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی تھے اگر پوری بخاری شریف حضرت شیخ الحدیث صاحب کو دی جاتی تو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل گیر ہونے کا قوی امکان تھا۔ لہذا حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی یہ تجویز فرمایا کہ سہ ماہی تک حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف جلد اول پڑھایا کریں۔ پھر سہ ماہی کے بعد سے وہ جلد ثانی شروع کرادیں اور مکمل جلد ثانی پڑھائیں۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی جلد اول وہاں سے پڑھائیں گے جہاں تک حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا کر پہنچائی ہو۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک اسی طرح بخاری شریف کا سبق ہوتا رہا۔ پھر ۱۳۷۴ھ سے لیکر ۱۳۸۸ھ تک مکمل صحیح بخاری شریف حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہی ہوتی رہی، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا عبدالوحید سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ محلہ سرائے ترین سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں ضروری معلومات انکے صاحبزادہ قاری عبدالمعید صاحب مقیم ممبئی سے جو حاصل ہوئی ہیں درج ذیل ہیں قاری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی ؒ دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحؒ سے دورہ پڑھ کر فارغ ہوئے اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حضرت نہایت شفقت فرماتے تھے۔ ایک خانقاہ امدادیہ کے لیئے مدرس کی ضرورت ہوئی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کو جبکہ وہ ریاست مینڈھو ضلع علی گڑھ میں مدرسہ یوسفیہ کے صدر مدرس تھے تحریر فرمایا "خانقاہ کے مدرسہ کے لیئے ایک مدرس کی ضرورت ہے جو آپ جیسا جامع و مانع ہو" حضرت رحؒ نے والد صاحب کو مجاز بنانے کو ارشاد فرمایا تو والد صاحب نے یہ فرما کر معذرت کر دی کہ

"مجھ سے اس کا تحمل نہ ہو سکے گا"

ایک بار والد صاحب نے کچھ تاخیر سے خط بھیجا تو جواب تحریر فرمایا کہ:

"آپ عبدالوحید تو تھے ہی وحید بھی ہو گئے"

عمرت دراز باز کہ ایں ہم غنیمت است" یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر علوم سہارنپور اور ریاست مینڈھو کے مدرسہ

مذکورہ میں دونوں جگہ ملا کر تقریباً پندرہ سال رہے۔ ہوتا یہ تھا کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ العزیز جب نواب لیاقت حسین خان کو جو والی ریاست تھے۔ تحریر فرماتے کہ:

"مولوی عبدالوحید کو مظاہر علوم بھیج دو"

تو وہاں چلے جاتے اور جب نواب صاحب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر کرتے:

"اب یہاں مولوی عبدالوحید صاحب کی سخت ضرورت ہے"

تو حضرت وہاں بھیج دیتے اس زمانہ میں حضرت تھانوی کے معتمد صاحب امیر الروایات وارواح ثلاثہ، حضرت امیر شاہ خاں صاحب رح بھی مینڈھو ہی میں مقیم تھے اور وہاں ہی وصال فرمایا۔

توجب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر علوم تشریف لے جاتے تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نائب رہتے اور جب حضرت حج کو تشریف لے جاتے تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ اسطرح قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ ورفع اللہ لہ ذکرہٗ کے والد صاحب اساتذہ میں تھے جس کا تذکرہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "آپ بیتی" میں بھی فرمایا ہے اور اوجز کے "مقدمہ" میں "رئیس المناطقہ" کے لقب سے ملقب فرمایا ہے والد صاحب رح کے کمالات علمی واخلاقی اور ذکر درد م اور نظر یہ قدم وغیرہ اوصاف کا کیا بیان کروں۔ مظاہر علوم کے اکثر اساتذہ کا بیان ہے کہ جس وقت شمس بازغہ، ملا حسن، میبذی وغیرہ کی تقریر فرماتے تھے تو پورے مدرسہ قدیم میں معلوم

ہوتا تھا کہ شیر دو نک رہا ہے۔

شاگردوں میں حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الرحمن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رح، مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی رح، مولانا صدیق احمد صاحب کشمیری رح، میرے ماموں حقیقی حضرت مولانا محمد حیات صاحب دامت برکاتہم شیخ الجامعہ جامعہ عربیہ حیات العلوم مراد آباد، یہ سب حضرات وغیرہم منجملہ دیگر اساتذہ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض یافتہ تھے۔

اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ۔

"اگر مجھ سے کوئی شرح جامی دو گھنٹہ روزانہ پڑھے تو تین سال میں ختم ہو۔"

سراجی کے مسائل مناسخہ وغیرہ کا منٹوں میں حل فرماتے تھے۔ علم ہیئت پڑھانے کے لیئے اسطرلاب و کرہ کی حاجت نہ تھی، مٹھی کا کرہ بنا کر سب نشان سمجھا دیا کرتے تھے

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ | حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ

کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے لیکن ان سے زیادہ نہیں پڑھا۔ صرف ایک دو اسباق نحو میر کے پڑھے۔ مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رفع اللہ درجاتہ کے خواہرزادہ تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر جامع العلوم کانپور میں دورہ پڑھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طلب پر مظاہر علوم میں چند سال مدرس رہے۔ تھانہ بھون

میں بھی خانقاہ امدادیہ میں قیام فرمایا۔ جہاں تصنیف وتالیف اور افتاء کا کام سپرد تھا۔ مشہور کتاب "اعلاء السنن" وہیں کے زمانۂ قیام میں تالیف فرمائی۔ مدرسہ راندیر یرنگون، ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی پڑھایا۔ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ اور مدرسہ اشرف العلوم بڑاکٹرہ ڈھاکہ میں بھی درس دیا۔ پھر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں تشریف لائے اور وہاں بیس۲۰ برس بخاری شریف پڑھائی۔ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ کو نو۹ے سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ مشہور کتاب اعلاء السنن ہے جو اٹھارہ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اوراس کے دو مقدمے "انہاء السکن" او "ازاحتہ الفتن" اس کے علاوہ ہیں۔ قرآن مجید کی پہلی منزل کے احکام دو جلدوں میں تحریر فرمائے۔ اس کام پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لگایا تھا۔ دوسری منزل کا لکھنا بھی ان کے ذمہ تھا لیکن اس کے لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

آپ نے جو تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں فتاوے لکھے تھے وہ کئی جلدوں میں محفوظ ہیں۔ اس کی بعض جلدیں "امداد الاحکام" کے نام سے مکتبہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی اور بھی چھوٹی بڑی کئی کتابیں ہیں۔ اپنے حالات میں ایک رسالہ بنام "انوار النظر" تحریر فرمایا تھا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد مولانا عبدالشکور ترمذی نے جو آپ کے خلیفہ مجاز ہیں آپ کی مفصل سوانح عمری تالیف فرمائی جو بنام "تذکرۃ الظفر" فیصل آباد پاکستان سے شائع کی گئی۔

امتحانات و ابتلاءات

مقبولان بارگاہ کے ساتھ اللہ جل شانہ کا عموماً یہ معاملہ رہا ہے کہ ان کو امتحانات میں ڈالا جاتا ہے، اور جسمانی یا روحانی مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، قلتِ مال اور فقر و فاقہ کے ذریعہ ان کی جانچ ہوتی ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۳۴)

پھر جب اللہ جل شانہ کی توفیق اور عنایت خاصہ سے یہ حضرات امتحان میں پورے اتر جاتے ہیں جو ان کے رفع درجات کا سبب ہوتے ہیں تو ان کے لئے فتوحات اور آسائشوں کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں، برخلاف دوسری قسم کے لوگوں کے، کہ ان کے ساتھ استدراج کا معاملہ ہوتا ہے، وہ عنداللہ مقبول نہیں ہوتے، لیکن ان کی ہر خواہش پوری ہوتی رہتی ہے، اور گناہوں کے باوجود دنیا کے منافع پر افق سے مالا مال ہوتے رہتے ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اذا رأیت اللہ عزوجل یعطی العبد من الدنیا علی معاصیہ ما یحب فانما ھو استدراج[۱]

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۴۳)

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ہی جب کہ ابتدائی مدرسی کا زمانہ تھا اور معمولی تنخواہ تھی ابتلا پیش آگیا، اور

---

[۱] جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو گناہوں کے باوجود اس کی محبوب چیزیں عطا فرماتا تو یہ استدراج ہے۔ یعنی یہ ایسی ڈھیل ہے جس کی وجہ سے مغرور ہو کر گناہوں میں مزید مبتلا ہوتا چلا جائیگا پھر ان گناہوں کی وجہ سے گرفتار عذاب ہوگا ۱۲

اس کے بعد بھی ابتلا ور امتحان کے متعدد مواقع پیش آئے، آپ بیتی نمبرا (تنقید برسوانح یوسفی) میں پانچ واقعات تحریر فرمائے ہیں، اور ان کے بعد ایک واقعہ ایک بڑے رئیس گھرانے میں شادی کی پیش کش سے متعلق تحریر فرمایا ہے، اللہ جل شانہٗ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو ان امتحانات میں ثابت قدم اور راسخ العزم رکھا، اپنے شیخ (حضرت سہارنپوری قدس سرہ) کو کسی قیمت پر چھوڑنا گوارا نہ کیا؛ اور مظاہر علوم کی معاوضہ مالی کے بغیر خدمات انجام دینے کو سیکڑوں روپے ماہانہ کی تنخواہوں پر ترجیح دی، توفیق الٰہی سے ایسے امتحانات میں جو ثابت قدمی نصیب ہو جاوے وہ بعض اوقات پورے مستقبل کا فیصلہ کر دیتی ہے اور اس عالم اسباب میں اس کے بڑے بڑے دور رس نتائج نکلتے ہیں، ایک چھوٹا سا واقعہ بعض اوقات زندگی میں حد فاصل کا کام دے دیتا ہے اور بہت سی ترقیات اور فتوحات کا مستحق بنا دیتا ہے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا، ان سب ابتلاءات کی تفصیل خود حضرت شیخ کی زبانی سنیئے، ارشاد فرماتے ہیں،

(۱) ان میں سب سے پہلا واقعہ جو میری عمر اور حالت کے اعتبار سے زیادہ اہم تھا وہ تھا جو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال سے تیسرے ہی دن پیش آ گیا، بڑے حضرت اقدس رائپوری شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس سیاہ کار کے ساتھ جو محبت تھی اور وہ اسی کا عکس اور آئینہ تھا جس کو حضرت مولانا عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے شیخ کے اتباع میں پورا فرمایا، وہ سب تو آپ کے سامنے ہے یہ در حقیقت حضرت رائپوری ثانی کا اپنے شیخ کا کمال اتباع تھا، میرے والد صاحب قدس سرہٗ سے بڑے حضرت رائپوری کو اس سے بھی زیادہ تعلق تھا، میرے بچپن اور

والد صاحب کے بار قرض اور کتب خانہ کی بکری کا لعدم ہونا، والدہ مرحومہ اور ہمشیرہ مرحومہ کی کفالت وغیرہ امور کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ امور بالا بہت قابل فکر ہیں تم ابھی بچے ہو، تجارت سے واقفیت نہیں، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کو تجارت میں بہت مہارت ہے (اور حضرت رح نے صحیح فرمایا کہ مولانا مرحوم کو اس لائن میں بہت ہی مہارت تھی) اسلئے تم اپنا کتب خانہ لیکر میرٹھ منتقل ہو جاؤ اور مولانا عاشق الٰہی صاحب کی زیر نگرانی تجارت کرو تو انشاء اللہ قرضہ بھی جلدی ادا ہو جائیگا اور متعلقین کی کفالت کا انتظام بھی سہولت سے ہو جائے گا۔ حضرت قدس سرہٗ نے بہت ہی شفقت اور طویل تقریر سے یہ مضمون ارشاد فرمایا جس کو میں نے بہت مختصر نقل کیا، مجھے خوب یاد ہے کہ اسوقت میرے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی، میں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت اگر یہ حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر مشورہ ہے تو میری تمنا تو یہ ہے کہ حضرت سہارنپوری تو انشاء اللہ تشریف لے ہی آئیں گے (حضرت سہارنپوری قدس سرہ اس وقت نینی تال جیل میں بمد تفتیش محبوس تھے) میری تمنا ہے کہ حضرت سہارنپوری کی زندگی میں کسی دوسری جگہ نہ جاؤں، حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ نے میرا جواب سن کر فرمایا کہ بس بس اور انتہائی مسرت اور انتہائی اخلاص کے ساتھ مجھے اس قدر دعائیں دیں کہ آج بھی وہ دعائیں میرے لئے انتہائی موجب لذت ہیں اور ان کی برکات ہر وقت محسوس کرتا ہوں اور ارشاد فرمایا کہ میری بھی یہی خواہش تھی۔ مگر مولانا عاشق الٰہی صاحب نے بہت اصرار کیا تھا کہ زکریا میرے کہنے کو مانتا نہیں آپ اس کو حکم فرمادیں کہ وہ میرٹھ منتقل ہو جائے، اور جو وجوہ مولانا نے بتائیں تھیں وہ ظاہر تھیں اس لئے میں نے مشورہ دیا تھا، یہ جواب سن کر اللہ مجھے معاف کرے مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں اگرچہ

مولانا میرٹھی نے ازراہ شفقت فرمایا تھا مگر میری حماقت میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے واقعی مولانا کی شفقت کا بدلہ بہت ہی گرانی کے ساتھ دیا، اگر اس وقت کوئی لفظ گستاخی کا مولانا مرحوم کی شان میں نکل گیا ہو تو اللہ ہی معاف فرمائے اور مولانا کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

دوسرا تیسرا ابتلا رہی ہے جس کو علی میاں نے تحریر فرمایا گو بہت مختصر لکھا بہر حال صحیح لکھا، (اس کے بعد سوانح یوسفی سے دو واقعات لکھے جاتے ہیں جن کا حوالہ حضرت شیخ نے دیا ہے)

(۲) شیخ کے خاندان کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بہت قدیم اور گہرا تھا، علیگڈھ تحریک کے بانی سرسید احمد خاں مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے اور انھوں نے اس تلمذ کا ہمیشہ بڑا احترام کیا، جسکے نتیجہ میں اس خاندان کے ذہین اور شریف نوجوان مختلف دوروں میں علی گڑھ کالج سے استفادہ کرتے رہے، ان میں بیسویں صدی کی ابتدا میں دو بھائی مولوی بدر الحسن صاحب (جو سب ججی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے) اور مولوی علاء الحسن صاحب (جو ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے) خاص طور پر ممتاز و نامور ہوئے، شیخ کے اکثر ہم عمر، اور قریبی عزیز علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے، مولوی بدر الحسن صاحب نہ صرف علی گڑھ کے اولڈ بوائے تھے بلکہ کالج کے ٹرسٹی اور اس کے اہم ارکان میں سے تھے، شیخ کی تنخواہ صرف ۱۵ پندرہ روپے ماہانہ تھی، آئندہ کی ترقیات کا بھی حال معلوم تھا، والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، خاندان کا معیار زندگی زمینداری اور اعلیٰ سرکاری عہدوں کی وجہ سے خاصا بلند تھا، مولوی بدر الحسن صاحب نے ازراہ شفقت

۱؎ تنقید بر سوانح یوسفی ص۲ و ص۳

یہ منصوبہ بنایا کہ شیخ جن کی ذہانت اور محنت خاندان میں مشہور اور مسلم تھی، پرائیویٹ طریقہ پر علوم مشرقیہ کے دو امتحانات دیدیں اس کے بعد کالج میں تین ۳۰۰ سو روپے کی ملازمت یقینی، خاندان کے بزرگوں کی طرف سے اس بارے میں نہ صرف تائید تھی بلکہ اصرار تھا جو ناراضگی کی حد تک پہونچ گیا، لیکن شیخ نے ادب سے مگر شدت کے ساتھ اس سے انکار کیا اور فرمادیا کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس میں کمی وبیشی کا تعلق صرف مقدر سے ہے۔ اگر اللہ کو رزق کی کشائش اور روزی کی فراخی منظور ہے تو یہیں بیٹھے بیٹھے وہ حاصل ہوگی، ورنہ ہزار جتن کرنے کے بعد بھی اس کی کوئی ضمانت نہیں، شیخ کا یہ جواب سن کر خاندان کے ایک بزرگ (مولوی شمس الحسن صاحب) نے جو شیخ کو سمجھانے آئے تھے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور بڑی داد دی۔[1]

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے آپ بیتی نمبر ۲ ص۸۷ تا ص۸۸ میں لکھی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ سبعہ معلقہ کے سبق کی وجہ سے میری ادب دانی کو اتنی شہرت ہوئی کہ مولانا بدرالحسن صاحب جو اس زمانہ میں لکھنؤ میں سب جج تھے وہ سہارنپور تشریف لائے انھوں نے نہایت خفیہ میری تحقیقات خوب کیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور جب ہر شخص کی زبان سے میری ادب دانی سنی تو مرحوم کو بہت خوشی ہوئی اور مجھ سے ازراہ شفقت فرمایا کہ تیرے لئے مولوی فاضل کا امتحان دینا بہت آسان ہے جلد از جلد امتحان کا فارم بھیجدے اس میں تیری کامیابی یقینی ہے، اس کے بعد میں تجھے اپنے ساتھ لکھنؤ لیجاؤں گا اور چند مہینے انگریزی پڑھا کر زبان کا امتحان بی اے کا دلوادونگا اس کے بعد علی گڑھ کالج کی ناظم دینیات کی ملازمت جو صرف میری ایک تحریر پر مل سکتی ہے تین ۳۰۰ سو روپے تنخواہ ہے تجھے مل جائے گی۔ میں نے ادب سے معذرت کردی کہ سہارنپور چھوڑنے کا تو ارادہ نہیں ہے۔ انھیں گراں ہوا، فرمایا بے وقوف ہے ایک آدھ لفظ اور بھی کہا، مگر میں ساکت رہا، انھوں نے اگلے دن کاندھلہ جاکر میرے والد کے حقیقی ماموں اور میری اہلیہ کے حقیقی تایا مولانا شمس الحسن صاحب کو جو خاندان میں نہایت غصیلے مشہور و معروف تھے مجھے سمجھانے کو بھیجا، مرحوم کو حضرت (سہارنپوری) قدس سرہ کی وجہ سے مجھ پر شفقت تھی اس لئے کہ وہ حضرت قدس سرہ سے بیعت (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۳) اس سے بڑا امتحان چند دنوں کے بعد پیش آیا، کرنال میں نواب عظمت علیخاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو چکے تھے۔ مرحوم کی عادت تھی کہ جس بات کو وہ بہت اہتمام سے کہنا چاہا کرتے تھے تو ابتداءِ کلام اس طرح ہوا کرتی تھی "اے کہے تو ایک بات کہدوں" اس سے اہمیت مقصود ہوتی تھی، اور اس جملہ کو دو مرتبہ کہا کرتے تھے، میں مغرب کی نماز پڑھتے ہی انکو لے کر زنانہ مکان کی چھت پر چلا گیا، سردی کا موسم تھا، مغرب سے لے کر عشاء کی اذان ہو گئی وہ مجھ کو سمجھاتے رہے اور میرے لڑکپن پر بعض مرتبہ چہرہ پر غصہ بھی آجاتا تھا، ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ تھا کہ شادی ہو چکی ہے اور گھر میں ولادت بھی قریب ہے۔ ہمشیرہ کی شادی بھی کرنی ہے، آٹھ ہزار کا قرضہ بھی ہے، پندرہ روپے میں کیا کیا کریگا، میرے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تو ہمیشہ سنا اور پڑھا اور جناب کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مقدر میں جو ہے وہ مل کر رہے گا۔ اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا، میں جس ماحول میں ہوں اس میں اگر اپنی گندگیوں سے محفوظ رہوں یہ بھی اللہ کا احسان ہوگا، اس کم عمری میں عنفوان شباب میں علی گڑھ کے ماحول میں میرا محفوظ رہنا ناممکن ہے، وہ فرماتے تھے دنیا دارالاسباب ہے محض مقدر پر نہیں رہا جا سکتا، میں نے عرض کیا اسباب کے درجہ میں دو سبب موجود ہیں، ایک مدرسہ کی ملازمت جو یقیناً محدود ہے دوسرے کتابوں کی تجارت جس میں اللہ جل شانہ جتنا بھی عطا فرمادے کوئی تحدید نہیں، عشاء کی اذان پر یوں فرمایا کہ "اے کہے تو کہدوں" میں نے عرض کیا ضرور! فرمایا تو نے جو کچھ کہا اگر دل سے ہے تو تیرا منھ چومنے کے قابل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم نے سب کچھ زبان زوری سے کہا، میں نے عرض کیا کہ دعا فرمادیں کہ اللہ جل شانہ اس کو دل سے بھی کرادے، وہ بھی تشریف لیگئے، میرے بعض معاصر عزیزوں کو میری یہ حرکت اس قدر ناگوار ہوئی کہ چند ماہ بعد جب میں کاندھلہ گیا تو میرے بڑوں نے تو کوئی تعارض نہیں کیا مگر میرے معاصرین نے بہت ہی طعن و تشنیع، سب و شتم اور ایک عزیز مرحوم نے تو سب سے زیادہ غصہ کا اظہار کیا حتی کہ چند معاصرین اعزہ کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے تو وہ مرحوم یہ کہہ کر اٹھ جاتا کہ میں ایسے کمینے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتا جو صدقے زکوٰۃ کی روٹیوں کو عزت کی تنخواہ پر ترجیح دیتے ہوں، مرحوم خوب خفا ہوا، لیکن اللہ جل شانہ کا اس سیہ کار کے ساتھ ایک خاص معاملہ ہمیشہ رہا کہ جو ابتداء میں بہت زور سے خفا ہوئے وہ انتہاء میں اتنے ہی زیادہ عقیدت و محبت اور اگر یوں کہوں کہ عشق میں مبتلا ہوئے تو غلط نہیں، مرحوم آخری عمر میں بہت زیادہ بیمار رہا، اللہ بہت زیادہ مغفرت فرمائے مجھے بار بار بلانے کے تار بھی دیتا (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مظفر جنگ کے مشہور وقف کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دارالعلوم قائم کیا گیا جس کی خصوصی غرض وغایت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے نیز جدید شبہات اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے جو اس وقت اپنی تبلیغی کوششوں میں بہت سرگرم تھے، ایسے فضلار تیار کئے جائیں جو عربی و انگریزی دونوں سے واقف اور علوم قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں، اس کے لئے یہ تجویز ہوئی کہ بڑے وظائف دیکر مستند عربی مدارس کے فضلا کو انگریزی، اور کالجوں و یونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے، مولانا سر رحیم بخش صاحب مرحوم جو ریاست بھاولپور کے صدر کونسل اور ریجینٹ تھے، اس تحریک کے بڑے سرپرستوں میں سے تھے، ان کا تعلق گنگوہ رائپور اور سہارنپور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا، اور وہ مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں میں تھے، انھوں نے ابتدائی مدرس حدیث کے لئے شیخ کا انتخاب کیا، اور اس کے لئے سہارنپور کا مستقل سفر کیا، ضابطہ کی تین سو ماہانہ تنخواہ کے علاوہ انھوں نے زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کا وعدہ فرمایا، مثلاً رمضان کی چھٹی، حضرت کی خدمت میں رہنے کے لئے ہر سال تین ماہ کی چھٹی بلا وضع تنخواہ، اجناس کی سہولت، ان سب کے ساتھ ان کی صرف ایک شرط تھی کہ حضرت پر ظاہر نہ ہو کہ یہ تحریک ان کی ہے، اس لئے کہ مظاہر علوم کی ایک سرپرست کے حیثیت سے ان کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ مدرسہ کے مدرس کو کسی اور جگہ کے لئے آمادہ کریں، انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دو سال کی چھٹی لے لو اور یہ کہو کہ قرض کا بار زیادہ ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میرا بار بار جانا تو بہت مشکل تھا کبھی کبھی چلا بھی جاتا وہ مرحوم اکثر یہاں آتا کئی کئی دن رہتا۔ اور اس کا اصرار یہ تھا کہ میرے سینہ پر ہاتھ رکھ اس سے سکون ہوتا ہے، انتہی بحذف۔

شادی بھی ہو چکی ہے اور بچے بھی ہیں، مدرسہ کی تنخواہ سے گذارہ نہیں ہوتا۔

(اس وقت شیخ کی تنخواہ بیس روپے تک پہونچی تھی، مولانا سر رحیم بخش صاحب کے دیرینہ تعلقات، ان کی بزرگانہ، مخدومانہ حیثیت، ان کا پر خلوص اصرار، قرض کا بار، تنخواہ کی قلت اور ترقی کے امکانات کا فقدان، یہ سب وہ حقائق تھے جو اس پیش کش کو قبول کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے اور ان کے لئے شرعی، اخلاقی، وعلمی دلائل بھی پیش کرتے تھے، یہ ایک نوجوان عالم کے لئے جو ذہانت کے جوہر سے آراستہ اور حدیث وادب میں شہرت یافتہ تھا ایک بڑی آزمائش تھی، شیخ اس وقت حقیقتاً ایک دوراہے پر کھڑے تھے۔ اگر وہ اثبات میں فیصلہ کرتے تو ان کی زندگی کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا اور آج شاید ان سطور کے لکھنے کی نوبت نہ آتی، کہ عرصہ ہوا کہ وہ اسکیم فیل ہو چکی، مدرسہ کا نام ونشان باقی نہیں رہا، اس کے لائق مدرسین کچھ تو پیوند خاک ہو گئے اور کچھ گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں، بنظر بہ اسباب ظاہر شیخ کا معاملہ اس سے کچھ مختلف نہ ہوتا،

لیکن توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی، اور جس کو شیخ الحدیث کے لقب سے مقبول خاص وعام ہونا تھا، اور جس سے خدائے تعالیٰ کو حدیث کی خدمت، طلبائے علوم دینیہ کی تربیت اور ایک عالمگیر دینی تحریک (تبلیغ) کی سرپرستی، اور مشائخ عصر کی جانشینی کا اہم کام لینا تھا اس کو اس معاملہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی گئی، شیخ ہی کے الفاظ میں سنئے)

فرماتے ہیں "اس ناکارہ نے مولانا مرحوم سے کہا کہ آپ کے مجھ پر احسانات بہت زیادہ ہیں ان احسانات کے مقابلہ میں مجھے آپ سے معذرت کرنی نہایت ہی نامناسب ہے، لیکن اس سب کے باوجود آپ تو مجھ سے یہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سے اجازت لوں، لیکن آپ کے براہ راست کہنے پر اگر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے تو میں عرض کر دوں گا کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں

عزیمت کا یہ جواب سن کر مولانا رحیم بخش صاحب جو بڑے جوہر شناس اور جہاندیدہ تھے کبیدہ خاطر نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے جواب کی بڑی قدر کی اور فرمایا کہ "میں تمہارا معتقد تو پہلے سے تھا لیکن اس جواب سے میں اور زیادہ معتقد ہو گیا"[۱]

(۴) چوتھا ابتلاء اس ناکارہ کے سفر حج سے واپسی کے تین چار سال بعد (جس کی تاریخیں صحیح تو مل ہی جائیں گی کہ وہ خطوط میرے کباڑ خانہ میں کسی بستہ کے اندر ضرور ہوں گے) یہ پیش آیا، کہ سفر حج سے واپسی ۴۶ھ سے دورہ شریف کے اسباق مستقل میرے یہاں ہونے لگے، اور چونکہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں ابوداؤد مستقل اور مسلسل رہی اور پھر بذل میں اس ناکارہ کا اشتغال بھی مسلسل اسی کے ساتھ رہا، اس لئے یہ کتاب تو ۷۳ھ تک جب تک حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم کا انتقال نہیں ہوا، مسلسل اور مستقل میرے ہی پاس رہی، اس کے علاوہ دوسری کتابیں نسائی شریف، بخاری شریف جلد اول وغیرہ بھی ہوتی رہیں۔ لیکن ابوداؤد شریف کو اہل مدرسہ نے ہمیشہ میری ہی سمجھا اور میں نے بھی اس کو ہمیشہ اپنی ہی سمجھا، اس لئے جو طلبہ ابوداؤد شریف پڑھ کر جاتے تھے وہ اپنی محبت سے اس کے ذکر و تذکرہ اور جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے اطراء المادح کے ساتھ کیا کرتے تھے، ان ہی مادحین میں سے میرے مخلص دوست مولوی عادل قدوسی گنگوہی بھی تھے جنھوں نے ۴۲ھ میں دورہ سے فراغت حاصل کی، یہ تو مجھے یاد نہیں کہ حدیث کی کیا کتاب مجھ سے پڑھی لیکن یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں تصحیح کے کام پر ملازم ہو گئے، اور وہاں کے مطبع کے اکابر میں وہ اونچی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، انھوں نے نہ معلوم

---

[۱] سوانح یوسفی از ص۹۱ تا ص۹۴

اہل مطبع کو کیا جھوٹی باتیں سنائیں کہ دو تین سال بعد ان کا ایک بہت طویل خط یاد پڑتا ہے کہ سات آٹھ ورق کا بہت ہی دل لبھانے والا پہنچا، جس میں لکھا تھا کہ دائرہ میں بیہقی کے اسماء رجال کی تالیف کا مشورہ طے ہوا، اور یہاں کی مجلس نے صرف دو آدمیوں کا انتخاب کیا ہے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا اور تیرا، اور ان میں بھی تجھے ترجیح ہے، اس لئے کہ کام بہت لمبا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی مشیخت و ضعف و پیری کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں پوری نہ ہوسکے تنخواہ آٹھ سو روپیہ اور ایک موٹر تیرے استعمال کے لئے سرکاری جس کا پٹرول اور ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ جملہ چیزیں سرکاری ہوں گی تاکہ تو جہاں جس وقت جانا چاہے جاسکے، مکان بھی سرکاری ہوگا، ان میں سے تو کوئی چیز دل لبھانے والی نہیں تھی جس کو میں نے دل لبھانا لکھا وہ یہ تھی کہ دائرہ کی ملازمت صرف چار گھنٹہ ہوگی باقی میں تو مختار ہوگا کہ جو چاہے کرے، دائرہ کے کتبخانہ پر تو تیرا اختیار رہے ہی گا جس وقت چاہے تو آوے اور جس وقت چاہے تو لکھے، کتب خانہ آصفیہ کے اوپر تجھے یہ اختیار ہوگا کہ جتنی دیر چاہے بیٹھکر کتابیں دیکھے اور جو چاہے کتاب منگالے، اور تو چونکہ اوجزالمسالک لکھ رہا ہے اس لئے اس کی تالیف میں جتنی آسانی یہاں ہوسکتی ہے وہ مظاہر علوم میں نہیں اور دائرہ تجھ سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ بھی علم حدیث ہی کا ہے اور بہت ہی اوجز کی تالیف کی سہولتیں لکھی تھیں جس کے جواب میں اس ناکارہ نے صرف ایک کارڈ لکھا تھا، جس میں نہ القاب نہ آداب ع

"مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر" فقط زکریا

صرف یہ مصرع لکھا تھا، اس کے بعد دوبارہ عزیز کا خط آیا، اللہ تعالیٰ

اس کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے، اس نے بہت ہی شفقت و محبت سے لکھا کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرو، او جز کی تالیف جتنی بہتر یہاں ہو سکتی ہے سہارنپور میں نہیں ہو سکتی، لیکن اسوقت تو مجھ پر ملازمت سے وحشت کا ایسا اثر مسلط تھا کہ نظر ثانی کی بالکل گنجائش نہ تھی، مگر بعد میں کبھی کبھی اس ابتلار کے متعلق یہ خیال رہا کہ معلوم نہیں میں نے اچھا کیا یا برا کیا،

(۵) اس کے بعد پانچواں ابتلا تقسیم ہند سے دو تین سال پہلے پیش آیا۔ وہ یہ کہ اسی ابوداؤد شریف کی برکت سے بنگالی طلبا جن کی تقسیم ہند سے پہلے تک بہت ہی کثرت سے آمد تھی، ان میں سے اب بھی بہت سے مشرقی پاکستان کے مدارس میں صدر مدرس یا شیخ الحدیث، انہوں نے نہ معلوم کیا کیا کہا اور کس کس سے کہا، وہاں سے چاٹگام یا ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ کے منتظمین کا ایک بہت لمبا خط آیا، نام میں اس وقت تردد ہے جس میں وہاں مشیخت حدیث کے لئے اور صرف ترمذی بخاری شریف پڑھانے کے لئے بارہ سو روپے تنخواہ پر اس ناکارہ کو بہت ہی اصرار سے بلایا تھا اور ایک تار ارجنٹ اس مضمون کا کہ خط کے جواب کا شدت سے انتظار ہے، مگر اس وقت تک خط نہیں پہونچا تھا، دو روز بعد دوسرا ارجنٹ جوابی تار "خط کے جواب کا سخت انتظار ہے" ملا، اس وقت خط پہنچ چکا تھا، تار کا جواب تو میں نے صرف یہ لکھکر کہ معذوری ہے مفصل خط میں میں نے لکھا کہ جن دوستوں نے آپسے میرا نام لیا ہے! انھوں نے محض حسن ظن سے غلط روایات پہونچائیں، یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے نہ متحمل، اس کے بعد اللہ کا احسان ہے کہ پھر کوئی واقعہ اس قسم کا پیش نہیں آیا، اور بجز حیدرآباد والے واقعہ کے اور سب پر اللہ کا بہت ہی شکر ادا کیا کہ اللہ نے بہت

ہی کرم واحسان فرمایا، اگران میں سے کسی ایک میں بھی پھنس جاتا تو صورۃً جو ایک ڈھونگ بنا رکھا ہے یہ بھی نہ رہتا، البتہ حیدر آباد والے واقعہ میں ضرور خیال آتا ہے کہ شاید لامع و اوجز خوب اچھی طرح لکھی جاتی اور چونکہ مدرسہ کا قصہ بھی نہ ہوتا اس لئے فراغت بھی خوب ملتی اور جلد لکھی جاتی، لکن الخیر فیمن وقع

ان واقعات کے لکھنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے نکاح کی ایک پیش کش اور اس کے رد کرنے کا واقعہ تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اگر یوں کہوں کہ ابتدائی ابتلاء تھا تو بے محل نہ ہوگا۔ واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ

"مرزا ثریا جاہ کو میرے دادا صاحب نور اللہ مرقدہ سے بہت ہی عقیدت اور محبت تھی، انھوں نے میرے دادا صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے باصرار یہ خواہش اور تقاضا کیا کہ میں اپنی لڑکی قیصر جہاں بیگم کا نکاح عزیز مولوی محمد یحییٰ صاحب سلمہ سے کرنا چاہتا ہوں، دادا صاحب پسند تو نہ کرتے تھے مگر مرزا صاحب کے شدید اصرار پر انھوں نے میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے استمزاج کیا، والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے معذرت کردی، جس کا صاحبزادی مرحومہ کو بھی بہت قلق تھا، مگر اس خاندان سے میرے والد صاحب اور چچا جان نور اللہ مرقدہما اور اس ناکارہ کے ابتدائی دور میں ایسے تعلقات وابستہ تھے جیسے گھر والوں کے ہوتے ہیں، میرے والد صاحب اور چچا جان نور اللہ مرقدہما کی کثرت سے آمد ورفت قیصر جہاں مرحومہ کے مکان میں ہوتی تھی، جب کبھی میرا جانا ہوتا تو مرحومہ بچپنے میں باوجود اپنی انتہائی نفاست، نزاکت کے مجھے اپنے پاس سلایا کرتیں اور بہت لپٹ کر سویا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجے عطا فرماوے مرحومہ نے کئی مرتبہ میرے سامنے میرے والد صاحب سے اصرار کیا کہ مجھے تو آپنے قبول نہ کیا مگر زکریا میرا بچہ ہے

میں اس کو اپنا بیٹا بناؤں گی اپنے پاس رکھوں گی اور اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کروں گی والد صاحب کا جواب تو یہ ہوتا تھا کہ جس چیز کو میں نے اپنے لئے پسند نہ کیا اس کے لئے کیسے پسند کروں ؟ مگر ان کا شدید اصرار از خود رفتہ تھا جس کی بنا پر ایک مرتبہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے امتحاناً مجھ سے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ پاندان لئے لئے پھرنا میرے بس کا نہیں، اس کی شرح یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر مرزا محمد شاہ کو مرحومہ سے عشق تھا، وہ نہایت نفیس مسہری پر بیٹھی رہتی تھیں اور مرزا شاہ مرحوم پاندان ان کے پاس لاکر رکھتے اور یہ کہتے کہ بیگم ایک پان کھلا دو مجھے یہ چیز اس قدر ناگوار ہوتی کہ ہمارے خاندان کے بالکل ضد، ہمارے گھر کا تعامل بیوی گویا محکومہ خادمہ ہے، خاوند کا منصب ہے بیوی سے یہ کہے ایک پان بنا لا، میرے اس جواب پر والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود اپنا قصہ مجھے سنایا یہ ارشاد فرمایا کہ میرے والد صاحبؒ نے بھی بچپن میں مجھ سے قیصر جہاں کے نکاح کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے یہ جواب دیا تھا کہ ان شہزادی سے نکاح کرنے کے بعد بولئے پر لیٹنا تو کبھی نصیب نہیں ہوگا، اور یہ قصہ سنا کر یہ فرمایا کہ میرے اور تیرے جواب میں آسمان زمین کا فرق ہے تیرے جواب سے تکبر کی بو ٹپکتی ہے، اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ بہت ہی باریک نگاہ سے میری ہر حرکت کو دیکھا کرتے تھے[1]

---

[1] تنقید بر سوانح یوسفی ۳ تا ۶

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قرضوں کی ادائیگی کیلئے جانفشانی اور اس بارے میں ابتلاء عظیم

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو والد صاحب کے قرضوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں بڑی آزمائش کا سامنا ہوا، قرضے لے کر والد صاحب کے قرضے ادا کئے اس طرح سے وہ قرضے آپ کے ذمہ ہو گئے، قرضے لینے کے لئے بڑی دوڑ دھوپ کرنی پڑی بھوک اور دھوپ میں دوڑنا پڑتا تھا، پھر جن سے قرضے لیتے ان کی ادائیگی کا فکر دامنگیر ہو جاتا تھا، اس کی تفصیلات بڑی دردناک ہیں جن کا تذکرہ آپ بیتی نمبر ۲ میں آ گیا ہے وہاں سے نقل کیا جاتا ہے، حضرت شیخ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا سب سے اہم اور ابتدائی واقعہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا حادثۂ انتقال ہے جو ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو ہوا، میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے ذمہ انتقال کے وقت آٹھ ہزار روپے قرض تھے، جس کا کچھ حال تذکرۃ الخلیل میں حضرت میرٹھی رح لکھ چکے ہیں، مجھ پر ان کے قرض کا بہت ہی بوجھ تھا کہ اللہ جل شانہ کے یہاں مطالبہ نہ ہو میں نے والد صاحب کے انتقال کے بعد چچا جان نور اللہ مرقدہ کے مشورہ سے دوستوں کو بہت سے کارڈ لکھے، کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ان کے ذمے جو قرض تھا وہ آج سے میری طرف منتقل ہو گیا، یہاں آنے کی ہرگز ضرورت نہیں وہیں سے دعاء مغفرت و ایصال ثواب اپنی وسعت کے موافق کرتے رہیں، جن سے کچھ لین دین تھا ان کے خط میں یہ اضافہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کے والد صاحب کے ذمہ کچھ قرضہ ہو تو اس کی تفصیل سے مطلع کریں"

میرے حضرت قدس سرہٗ نے تو نینی تال جیل سے واپسی پر میری اور چچا جان نور اللہ مرقدہٗ

کی اس تجویز کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ یوں لکھنا چاہیے تھا کہ ان کا ترکہ کتابیں ہیں اپنے قرضہ کے بقدر کتابیں لے لو، میرا بڑا جی خوش ہوا کہ اگر میرے کارڈوں سے پہلے حضرت کی تشریف آوری ہو جاتی تو حضرت کی تجویز کے خلاف لکھنا ناممکن تھا اور مجھے یہ لکھتے ہوئے غیرت آتی تھی کہ کتابیں لیجاؤ[1]،

والد صاحب کے ذمے آٹھ ہزار روپے قرض تھا۔ اور میری عمر تقریباً انیس سال کی تھی قرض خواہوں کو یہ فکر ہو گیا تھا کہ یہ رقم ماری گئی، ایسے خصوصی تعلق رکھنے والوں نے بھی ایسے شدید تقاضے کئے، جس کا واہمہ بھی نہ تھا، اس سال مالی حیثیت سے مجھے بہت ہی پریشانی ہوئی، مالک الملک کے اس قدر احسانات لاتعد و لاتحصی برسے ہیں کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا کا اعتقاد ہی نہیں عملی تجربہ ہے،

والد صاحبؒ کا تجارتی کتب خانہ اشتہاری قیمت سے تو قرضے کی حیثیت سے تو کچھ زائد تھا لیکن تجارتی اور نیلام کی صورت سے قرضہ سے بہت کم تھا، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے مخلص دوست عالیجناب شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ مرحوم کا یہ اصرار تھا کہ میں کتب خانہ کو فوراً بیچدوں اور اس کے بعد قرضہ جتنا باقی رہ جائے اس کو مرحوم ازراہ کرم اپنے پاس سے ادا کریں گے۔ اور میں مرحوم کے یہاں یا کسی دوسری جگہ ملازمت بچوں کے پڑھانے کی اختیار کروں، میں نے اس تجویز کا شدت سے انکار کر دیا۔ اس پر شدید ناراض ہو گئے،

میری ہمشیرہ مرحومہ چونکہ نابالغ تھی اور مجھے حساب کا رکھنا بہت مشکل تھا۔ قرضے کا بھی بڑا مرحلہ تھا، اس لئے میں نے مرحومہ کی طرف سے اپنے چچا جان کو وکیل بنا لیا اور کاندھلہ کی ننھیال والی جائداد میں مسکونہ اور صحرائی کا حساب لگا کر والدہ اور دادی اور ہمشیرہ

---

[1] آپ بیتی ۲ صہ ۵۷

کی طرف لگا دیا جو بہت تھوڑی مقدار میں آیا، اور کتب خانہ جس کی مقدار بہت ہی کم تھی اپنی طرف لگا لیا، اللہ نے وہ احسان فرمایا ہے کہ آج دنیا بھی دیکھ رہی ہے کہ کسی نواب یا بادشاہ کو یہ وسعت کہاں حاصل ہوگی جو اس سیاہ کار کو حاصل ہے، البتہ ابتدائی ایک سال لوگوں کے اس اندیشے سے کہ رقم ضائع ہو جائیگی مجاہدے کا ضرور گذرا،

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے مخلص دوست حکیم خلیل صاحب دیوبندی ثم سہارنپوری مقیم کھالہ پار جو خود تو مالدار نہیں تھے مگر ان کے محلہ کے متعدد نور باف متمول بہت معتقد تھے، اور محلہ پٹھانپورہ کے متعدد معمولی پیسے والے اور مولانا منفعت علی صاحب سابق وکیل سہارنپور (جو تقسیم کے بعد کراچی جا کر انتقال کر گئے) اور سب سے آخر میں میرے مخلص میرے محسن جناب الحاج حبیب احمد صاحب ساکن محلہ منڈی کلاں یہ سب میرے والد صاحب قدس سرہ کی وجہ سے مجھ پر شفیق تھے۔ چونکہ لوگوں کے مطالبے تھے میں ہر دن کے لوگوں سے وعدے کر لیا کرتا تھا کہ کل کو انشاء اللہ ادا کر دونگا چوتھے گھنٹے کا سبق پڑھا کر دار الطلباء سے سیدھا کھالہ پار جاتا، حکیم خلیل صاحب سے کہتا کہ آج شام تک پانچ سو کے دینے کا وعدہ ہے، وہ مجھے اپنے مطب میں بٹھا کر ایک پنسل اور ایک کاغذ لیکر اپنے معتقد نور بافوں میں جاتے جو ان کے گھر کے قریب رہتے تھے، اور جا کر کہتے بھائی ہمارے مولوی صاحب کو پیسے چاہئیں بولو کون کیا دیگا؟ کوئی دس دیتا کوئی بیس دیتا کوئی کم و بیش، وہ پندرہ بیس منٹ میں ایک فہرست لکھکر لاتے جس پر نام، رقم، وعدہ درج ہوتا تھا، اس فہرست کو اپنے قلمدان میں رکھتے اور میرے پاس تشریف لا کر مجھے دوسرا پرچہ لکھواتے، فلاں تاریخ کو دس روپے فلاں

تاریخ میں بیس، فلاں میں پندرہ، فلاں میں پچیس، میں یہاں سے نمٹ کر فوراً پھاٹک پورہ جاتا اور وہاں بھی اس دن کا مطالبہ پورا نہ ہوتا تو مولانا منفعت علی صاحب کے پاس جاتا جو اس زمانے میں محلہ مطربان میں رہتے تھے جہاں میری ضرورت پوری ہو جاتی واپس آجاتا اور آخری درجے میں جناب الحاج حبیب احمد صاحب کے پاس جاتا وہ خود بھی پیسے والے تھے اور ان کے پڑوسی بھی، وہ صورت دیکھتے ہی پوچھتے کتنی کسر باقی ہے؟ میں کہتا حاجی جی آج تو بہت باقی ہے۔ آٹھ سو ابھی باقی ہیں، وہ جاتے اور جتنی کسر ہوتی فوراً لا دیتے یہ روزانہ کا معمول اس وجہ سے بن گیا تھا کہ لمبے وعدے پر اور زیادہ مقدار میں اس وقت پیسے نہیں ملتے تھے،

مرحوم کو پندرہ بیس ہی دن میں کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا جس کا میں نے تو اظہار نہیں کیا کہ یہ دار الطلباء سے سیدھا بغیر کھانا کھائے چلدیتا ہے، موصوف اچھے پیسے والے تھے، مگر لباس اور غذا بہت ہی معمولی، سرکاری نمبردار بھی تھے، جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں سیدھا آتا ہوں تو اللہ ان کو بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے کہ مرحوم کو آخر میں مجھ سے بہت ہی محبت ہو گئی تھی، میرا لڑکپن تھا اس کے باوجود مرحوم نے وصیت کی تھی کہ مجھے غسل بھی زکریا ہی دے اور نماز بھی وہی پڑھائے، جب مرحوم کو یہ معلوم ہوا کہ میں بغیر کھانا کھائے آتا ہوں تو جب میں جاتا اور وہ اس وقت میں میرے منتظر رہتے، صورت دیکھتے ہی پوچھتے کہ کتنی کسر ہے؟ میں کہتا کہ پانچ سو کی، جب ہی اٹھتے زنانہ مکان میں جاتے تین چار روٹی رکابی میں اس وقت کوئی سالن ابلا ہوا گوشت بھجی وغیرہ روٹی پر رکھکر لوٹے میں پانی اور اس کی ٹونٹی میں گلاس لٹکا ہوا لا کر مجھے دیتے اور کہتے کہ اتنے تو روٹی کھا اتنے میں تیرے لئے پیسے لاؤں، اور جب میں کہتا کہ حاجی جی واقعی بالکل بھوک نہیں ہے

نوبت بے تکلفی کے ساتھ بلا مذاق واقعیت کے ساتھ کہتے کہ بھاگ جا میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے، جھک مار کر کھانا پڑتا۔ اور اپنی غرض باولی بغیر بھوک کھاتا تھا، وہ واپس آکر دیکھتے کہ میں نے کچھ کھایا ہے یا نہیں، اگر ایک دو روٹی کھالیتا تو پیسے دیدیتے ورنہ بے تکلف فرمادیتے تشریف لیجاؤ پیسے نہیں ہیں، اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر دے میری بہت ہی مدد کی، جیساکہ اوپر معلوم ہوگیا کہ مجھے تو روزانہ شام کو سیکڑوں کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی اور روزانہ ہی تقاضے رہتے تھے اس لیے ان مرحوم کا ایک دستور اور بھی تھا، وہ نمبردار تھے اور سرکاری روپیہ داخل کرنے کے واسطے نکوڑ جانا پڑتا تھا، امن کا زمانہ تھا اپنی سائیکل پر اکثر بار (یعنی سنیچر) کی صبح کو روپے لیکر جاتے۔ شام کو اسی سائیکل پر سیدھے دارالطلبہ پہونچتے، درس گاہ میں میرے پاس جاکر کہتے کہ ڈیڑھ ہزار میری جیب میں ہیں آج فلاں وجہ سے داخل نہ ہو سکے کل کو اتوار ہے۔ پرسوں صبح تک کے واسطے چاہئیں تو لے لے، اور اگر وہ یوں کہدیتے کہ پرسوں کو چھٹی ہوگئی ہے دو دن کی گنجائش اور ہے، تو پھر میری عید تھی، میں اس رقم کو لیکر شام کو کسی بڑے قرضخواہ کے پاس جاتا اور اس سے یہ کہتا کہ اس وقت میرے پاس روپے ہیں آپکا جی چاہے تو مجھ سے اب روپے لے لیجئے اور نوٹ ان کے سامنے کر دیتا، اس کی وجہ سے مجھے ایک دو ماہ کی توسیع ضرور مل جاتی،

ان مخلصین میں خاص طور سے عالیجناب میرے محسن الحاج حافظ زندہ حسن صاحب مرحوم بھی تھے، اللہ ان کو بہت ہی درجات عالیہ نصیب کرے ان کے احسانات کا اپنی شایان شان بہترین بدلہ عطا فرماوے، ابتدائی زمانہ میں بہت ہی قرض دیا۔ مگر مرحوم میں دو خاص ادائیں تھیں ایک یہ کہ ابتدا میں پانچسو اور ایک سال بعد سے ایک ہزار سے زائد کبھی نہیں دیتے تھے، اور "اللہ کے فضل سے" ان کا تکیہ کلام تھا میں جب بھی مانگتا وہ اس سے آدھے کا

فوراً وعدہ کرتے۔ میں کہتا کہ حافظ جی پانچ سو کی بڑی ضرورت ہے وہ فرماتے کہ اللہ کے فضل سے ڈھائی سو تو میں دیدوں گا، ڈھائی سو کا کہیں اور انتظام کرلو۔ میں نے بھی دو تین دن کے بعد سمجھ لیا تھا جتنے کی ضرورت ہوتی اس سے دوگنا مانگتا، اور وہ اللہ کے فضل سے اس سے آدھے کا یعنی میری بقدر ضرورت کا فوراً وعدہ کرلیتے اور فرماتے کہ اگلی نماز میں لیتا آؤں گا، مجھے کبھی جانا نہ پڑا، وہ اگلی نماز میں مرحمت فرمادیتے، دوسری خاص ادا مرحوم میں یہ تھی کہ وہ وعدہ سے ایک دن پہلے پوچھتے کہ حضرت جی آج کیا تاریخ ہے اور میں کہتا حافظ جی خوب یاد ہے، اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کو اور میرے سارے ہی محسنوں کو جن جن کے بھی کسی نوع کے احسان جانی، مالی، جاہی، علمی، سلوکی، اخلاقی مجھ پر ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم، انعام واحسان سے اپنی شایان شان ان کے احسانات سے بہت زیادہ بڑھا کر ان کو بدلہ عطا فرمادے، میری یہ دعا اپنے سارے محسنوں کے لئے بیس برس کی عمر سے روز مرّہ کی اہم دعاؤں میں شامل ہے۔ اس میں تخلف تو یاد نہیں کہ کبھی عمر بھر میں ہوا ہو، کئی کئی مرتبہ ہوجاتی ہے، ماہ مبارک اور سفر حجاز میں تو خوب یاد ہے کہ یہ سیاہ کار، نابکار، بے کار و بدکار اپنے محسنوں کے احسانات کا بدلہ بجز دعا کے اور کچھ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم سے قبول فرمادے، البتہ دوستوں کو نہایت تجربہ کی وصیت اور نصیحت کرتا ہوں بالخصوص جن کو قرض سے کوئی کام پڑتا ہو کہ قرض کے ملنے میں وعدہ پر ادا کرنیکو جتنا مجرب اور حصول قرض کے لئے سہل نسخہ میں نے پایا ایسا کوئی بڑے سے بڑا نسخہ نہیں پایا، مجھے ابتدائی چند ماہ میں بیشک دقت اٹھانا پڑی لیکن چند ہی ماہ بعد جب لوگوں کو وعدے پر ادائیگی کا یقین ہوگیا تو پھر قرض میں ہمیشہ اس قدر سہولت رہی کہ صرف میرا پرچہ یا کسی معتمد کے ہاتھ زبانی پیام قرضہ لینے کے لئے کافی تھا، میرے محلے کے

دوستوں کا مشہور مقولہ تھا کہ جسے کچہری میں کسی ضرورت سے روپیہ لیجانا ہو گھر کی الماری میں سے نکالنے میں تو دیر لگے گی کچہری جاتے ہوئے راستے میں اس سے لیتے جاؤ جیب میں ملیں گے، ایک دن پہلے اس سے کہد یجیو کہ کل کو ۱۰ بجے کے قریب کچہری جانا ہے بجے اس کی جیب میں پہونچ جائیں گے۔[۱]

۱؎ آپ بیتی ۲/۱ از ص ۵۹ تا ص ۶۴

باب ہفتم

تدریس کا بیان، کتب درسیہ کی تفصیل، اور اس سلسلہ کے بعض اہم واقعات

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے لیکر ۱۳۸۸ھ تک مظاہر علوم میں درس دیا۔ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ جن میں صحیح بخاری وسنن ابی داؤد آپکی کتب درسیہ میں بہت زیادہ معروف ومشہور اور مقبول تھیں آپ نے آپ بیتی جلد ۲ ص۷۲ سے لیکر ص۹۹ تک اس سلسلہ میں جو تفصیلات سپرد قلم فرمائی ہیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ بعض جگہ کوئی بات احقر نے حذف بھی کر دی ہے، اور ص۸۷ سے لیکر ص۹۳ تک کا مضمون مستقل حذف کر دیا ہے۔ یہ یہاں آپ بیتی میں بطور جملہ معترضہ اس جگہ آگیا ہے اس کو انشاء اللہ کسی دوسری جگہ لکھا جائے گا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

محرم ۱۳۳۵ھ کے شروع میں یہ ناکارہ مدرس ہوا، میرے ابتدائی تقرر کے وقت دو سبق۔ ایک میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کے یہاں سے اصول الشاشی کا اور دوسرا حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی[۱] (حال شیخ الاسلام پاکستان جو اس وقت

---

[۱] بوقت تحریر مضمون ہذا مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے، ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ کو کراچی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مظاہرالعلوم کے مدرس تھے) کے پاس سے علم الصیغہ منتقل ہو کر آیا۔ یہ دونوں کتابیں میری بے پڑھی تھیں علم الصیغہ کا تو زیادہ فکر نہ ہوا۔ البتہ اصول الشاشی اہم تھی۔

جماعت بھی اس کی کچھ بڑی تھی۔ میں نے چچا جان نوراللہ مرقدہ سے پوچھا کہ سبق کہاں سے ہو گا؟ انہوں نے بتا دیا کہ فصل فی الامر کے ایک ورق کے بعد سے ہے۔ مگر میں نے اس لئے کہ مجھے طلباء کا اندازہ تھا کہ طالب علم دھوکہ دیا کرتے ہیں چچا جان سے امر کی بحث کے دو ورق پڑھ لئے ایک طلباء کا پڑھا ہوا اور دوسرا بے پڑھا۔ ان سے تو اپنے ہی ضابطے پر پڑھے کہ جلدی جلدی لیکن چونکہ اعلان بدھ کو ہو گیا تھا اور شنبہ سے سبق شروع تھے۔ اسلئے دو تین دن میں نے کتب اصول میں اصول الشاشی کے شروح و حواشی، نورالانوار، منار اس کی شرح کشف الاسرار، حسامی اور اس کی جتنی شروح مل سکیں توضیح تلویح دو دن میں امر کی ابتدائی بحث سب میں نے خوب دیکھے۔

درس گاہ میں پہونچنے کے بعد اجنبیانہ پوچھا سبق کہاں سے ہے؟ سب نے متفق اللسان ہو کر کہا فصل فی الامر سے۔ میں تو پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ دھوکہ دیں گے۔ میں نے ایک گھنٹہ امر کی بحث میں خرچ کر دیا۔ معلوم نہیں کیا کیا کہا ہو گا۔ اتنا یاد ہے کہ پہلا دن تو صرف فصل فی الامر

پر خرچ ہوا تھا۔ اس کے بعد پورا ایک ہفتہ اس ایک ورق میں لگا جو چچا جان ایک دو دن میں پڑھا چکے تھے، ایک ہفتہ بعد میرے پاس اصول الشاشی کی جماعت کی نہایت مؤکد تحریری اور زبانی درخواست پہونچی کہ ہم اصول الشاشی تجھ سے اول سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہدیا مدرسہ کا سبق ہے میرا ذاتی نہیں، مہتمم مولانا عنایت الٰہی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) حکم دیں گے تو مجھے انکار نہیں۔ چونکہ ایک بڑے مدرس کے یہاں سے منتقل ہو کر آئی تھی اس لیے باضابطہ تحریری درخواست کی تو لوگوں نے ہمت نہیں کی۔ البتہ خصوصی لوگوں نے زبانی ان سے کہا انہوں نے انکار کر دیا، میرا ابتدائی تقرر میرے حضرت قدس سرہ کی تجویز سے ۱۵ پر ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت رائے پوری حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا قرضہ بہت ہے۔ شادی بھی عنقریب ہونے والی ہے۔ کم سے کم تنخواہ ۲۵ ہونی چاہیئے اس پر اصرار بھی فرمایا مگر میرے حضرت نے فرمایا کہ مدرسہ کی روایات کے یہ بھی خلاف ہے۔ رعایت ہی رعایت ہے۔ اس لئے کہ مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری میرے سے پانچ برس پہلے کے مدرس تھے۔ اور ان کی اس وقت تنخواہ ترقیات ہو کر ۲۲ تک پہونچی تھی جو میرے تقرر کے ساتھ میری وجہ سے ۱۵ ہوئی تھی

مولانا منظور احمد صاحب کے پاس سبق بھی اس وقت میزان منشعب سے

شروع ہوکر قدوری تک پہونچے تھے ۔ یہ دونوں چیزیں بھی معترضین اور حاسدین کے لئے موجب تکدر اور گرانی تھیں ۔ خود مولانا منظور احمد صاحب کو بھی فطرۃً خیال تو ضرور ہونا چاہیئے مگر انہوں نے اس کا اظہار کبھی نہیں کیا، البتہ مجھ پر یہ اصرار کیا کہ میں نے اصول الشاشی اب تک پڑھائی نہیں اور قدوری کئی دفعہ پڑھا چکا ہوں اصول الشاشی تیری بے پڑھی ہے قدوری پڑھی ہوئی ہے ۔ تجھے اس میں آسانی رہے گی ۔ میں نے مولانا مرحوم سے کہا بالکل صحیح فرمایا بہت آسانی رہیگی اصول الشاشی میری پڑھی ہوئی بھی نہیں ۔ لیکن میں مہتمم صاحب سے کہوں کہ آپ اس کو بدل دیجئے یہ دشوار ہے ۔ اس لئے کہ مہتمم صاحب شروع ہی میں نالائق فرمادیں گے ۔ آپ اگر مہتمم صاحب سے درخواست کر کے تبادلہ کر لیں گے تو مجھے کوئی گرانی نہ ہوگی ۔

مرحوم کو اس کی ہمت اس لئے نہ ہوئی کہ حضرت قدس سرہ کے دور میں اخیر دور تک کسی مدرس کا خود سبق مانگنا انتہائی عیب سمجھا جاتا تھا ۔ اور یہ چیز اس کے تکبر کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ یہ اپنے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے اس زمانے میں کسی مدرس کو کسی سبق کی خواہش ہوتی ۔ اور خواہش تو ہوتی ہی رہتی تھی ۔ تو اس کا دستور یہ تھا کہ کوئی مدرس اپنے دوست مدرس کو اس پر آمادہ کر لیتا تھا کہ جب تقسیم اسباق کا وقت آئے اور اس کتاب کا نام بولا جاوے تو میرے نام پر تجویز کرا دینا ۔

اس لئے مولانا منظور صاحب کی اور بھی ہمت نہ ہوئی کہ مہتمم صاحب سے کہیں۔ اور ان کی بات حضرت کے یہاں پہنچ جائے، اس کے بعد ایک نقشہ میں حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنی کتب درسیہ کی تفصیل تحریر فرمائی ہے جو ذیل میں درج ہے

کتب زیر تدریس زکریا عفی عنہ

از محرم ۳۵ھ تا شعبان ۳۵ھ	علم الصیغہ، مائۃ عامل منظوم، شرح مائۃ، خلاصہ نحو میر نفحۃ الیمن منیۃ المصلی، اصول الشاشی، قال اقول، تین سبق مستقل
از شوال ۳۵ھ تا شعبان ۳۶ھ	مرقات، قدوری، شرح تہذیب، کافیہ، نورالایضاح، شاشی، شرح جامی بحث فعل، بحث اسم نصف پر منتقل ہوگئی عجب العجاب، نفحۃ الیمن،
از شوال ۳۶ھ تا شعبان ۳۷ھ	مقامات، سبعہ معلقہ، قطبی، میر، کنز، قدوری، شاشی،
از شوال ۳۷ھ تا شعبان ۳۸ھ	ہدایہ اولین، حماسہ بعد عشاء بذل کی وجہ سے بعض سبق خارج میں ہوا کرتے تھے۔ ایک سبق حضرت کی اشراق کی نماز تک اور ایک سبق عصر کی نماز کے بعد بھی اکثر پڑھانے کی نوبت آئی
شعبان ۳۸ھ	میں حجاز کو چلا گیا۔ اور محرم ۳۹ھ میں واپسی ہوئی۔ اس زمانہ کے سبق یاد نہیں۔ لیکن ہدایہ اولین تین دفعہ پڑھانے کی نوبت آئی اور قطبی میر تو لاتعداد دلا تھی، شوال ۳۶ھ سے شعبان

۴۴ھ تک شاید ہی کوئی ایسا سال گذرا ہوگا۔ جس میں قطبی تصدیقات اور میر قطبی میرے یہاں نہ ہوئی ہو۔ اکابر مدرسین منطق سے گھبراتے تھے۔ میر قطبی اور قطبی تصدیقات اور شرح تہذیب کی جماعت بھی اکثر میرے ہی یہاں ہوتی تھیں۔ اور شرح تہذیب کی جماعت بھی میر تک پہونچ جاتی تھی

اُس زمانہ کے مدرسین اتنی اعلیٰ تحقیق سے نہیں پڑھاتے تھے جیساکہ اِس زمانہ کے علماء کرام پڑھاتے ہیں کہ کوئی کتاب الاماشاء اللہ نصاب تک نہیں پہونچتی۔ میں نے تین سال نورالانوار پڑھائی اور ہر سال نورالانوار کے بعد اس کی جگہ حسامی ہوا کرتی تھی۔ بحث فعل کے بعد بحث اسم بھی اکثر تین ربع کے قریب ہوجاتی تھی۔

از شوال ۴۰ھ تا شعبان ۴۱ھ	رجب ۴۱ھ سے بخاری کے تین پارے ناظم صاحب کے یہاں سے منتقل ہوکر آئے
از شوال ۴۱ھ تا شعبان ۴۲ھ از شوال ۴۲ھ تا شعبان ۴۳ھ	مشکوۃ شریف مشکوۃ شریف [illegible]
از شوال ۴۴ھ تا صفر ۴۶ھ	شوال ۴۴ھ میں سفر حجاز کو روانگی ۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کا قیام اور وہاں مدرسہ شرعیہ میں مغربی طلبا کو ابوداؤد شریف اور الحاج عبدالحمید کو مقامات عربی زبان میں پڑھائی اور بعض کتب کی تالیف جو نقشہ تالیفات میں آرہی ہیں

قصہ سبعہ معلقہ کا | حضرت قدس سرہ کے زمانے میں کسی مدرس کی

یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ اپنے لئے کوئی کتاب مانگے، البتہ جو کتاب کوئی مدرس کئی دفعہ پڑھا چکا ہو اس کے مانگنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا تھا۔ کوئی مدرس نئی کتاب مانگنا چاہتا تھا تو آپس کے مدرسین میں یہ طے ہو جاتا تھا کہ جب فلاں کتاب کا نام آوے تو اس کے نام تجویز کرا دیجائے۔ مجھے ادب سے کچھ شوق بھی تھا۔ اور والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے پڑھایا بھی کچھ محنت سے تھا۔ شوال ۳۶ھ میں میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ اگر نامناسب نہ ہو تو مقامات تقسیم اسباق کے وقت میں میرے لئے تجویز فرما دیں۔ مہتمم صاحب نے بہت ہی شفقت سے یہ فرمایا کہ ایک ہی سال تیری مدرسی کو ہوا ہے۔ ابھی تقاضا ہی کیا ہے؟ انشاء اللہ مقامات بھی پڑھا دیگا اور حدیث بھی پڑھا دے گا جلدی نہ کر، ابھی ہرگز مناسب نہیں۔

میرا خیال تھا کہ اگر مہتمم صاحب نیم راضی ہوں تو پھر میں کسی مدرس یعنی چچا جان یا مولانا ظفر احمد صاحب سے کہوں کہ وہ مقامات میرے نام کرا دیں۔ اس لئے کہ زیادہ جرح مہتمم صاحب یا مولانا ثابت علی صاحب مرحوم کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ اس زمانے میں ادب کی سب کتابیں پہلے گھنٹے میں ہوتی تھیں اور اس گھنٹے میں جلالین شریف، مختصر المعانی، شرح جامی بحث اسم بھی ہوتی تھی مولانا ظفر احمد صاحب کے یہاں امسال جلالین ان کے بڑے شوق پر میرے چچا جان نے تجویز کرائی تھی۔ اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کے یہاں انکی خواہش سے مختصر المعانی آئی تھی۔ جب ادب کی کتابوں کا نمبر شروع ہوا تو متنبی کا نام بولا گیا اور وہ مولانا ثابت علی صاحب کے یہاں لکھی گئی اس لیے کہ ادب کے سبق اس زمانے میں تین ہی مدرسوں کے یہاں ہوا کرتے تھے۔ مولانا ثابت علی صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب اور چچا جان نور اللہ مرقدہ۔ متنبی کے بعد سبعہ معلقہ کا نام

بولا گیا۔ ادب کی کتابیں آدھ گھنٹہ بھی ہو جاتی تھیں اسکے علاوہ دوسری کتابیں ایک گھنٹہ ہوتی تھیں یا دو گھنٹے متنبی کے بعد سبعہ معلقہ کا نام لیا گیا۔ ادب کے تینوں مدرسین کا گھنٹہ پُر ہو چکا تھا اور مولانا ظفر احمد صاحب اور چچا جان اپنی اپنی کتاب بدلنا پسند نہیں کرتے تھے کہ پہلی دفعہ ہو رہی تھیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ اپنی اپنی کتابیں بدل لو تو انہوں نے عرض کیا کہ پہلی پہلی دفعہ آئی ہیں۔ اور ادب کی کتابیں یہ حضرات کئی دفعہ پڑھا چکے تھے مہتمم صاحب نے مولانا ثابت علی صاحب پر اصرار کیا کہ متنبی اور سبعہ معلقہ آدھ آدھ گھنٹہ پڑھا دیں۔ مولانا ثابت علی صاحب نے ذرا شدت سے انکار کیا جلدی بولنے کے مولانا بہت عادی تھے۔ فرمایا پہلے گھنٹہ میں آدھ گھنٹہ مشکل ہے۔ پہلے گھنٹہ میں آدھ گھنٹہ مشکل ہے یہ لفظ دو چار دفعہ دہرایا۔ اور فرمایا کہ چائے بھی تو پینی ہوتی ہے مولانا مرحوم اپنی چائے خود اپنے ہاتھ سے بناتے تھے اور بڑی لذیذ ہوتی تھی۔ تین چار منٹ سکوت اور ردو قدح میں گذرے مولانا عبداللطیف صاحب نے زکریا کا نام پیش کر دیا مولانا ظفر احمد صاحب نے بڑے زور سے تائید کی ضرور بہت اچھی پڑھائیگا میرے چچا جان نے بھی فرما دیا کہ اچھی پڑھائیگا۔ اس میں اگر مخالفت کرتے تو مولانا ثابت علی صاحب کرتے مگر وہ بھی متنبی کی وجہ سے دبے ہوئے تھے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ لکھ دی، پھر کیا تھا مجھے وہ منظر ہمیشہ یاد رہے گا اور بڑا لطف آتا ہے حضرت مہتمم صاحب کے ہاتھ میں قلم اور نقشے پر جھکے ہوئے اور بہت دبی ہوئی مری ہوئی زبان سے فرمایا۔ میں نے تو مقامات کو بھی انکار کر دیا تھا۔ من و من تو سب نے سنی مگر مطلب میں ہی سمجھا۔

اس کے بعد مقامات کا نام لیا گیا۔ اب تو میری بھی زبان زور سے کھل گئی میں نے عرض کیا میں تو دونوں کتابیں آدھے گھنٹے میں پڑھا دوں گا۔ بلکہ حضرت

مہتمم صاحب اگر اعلان فرما دیں تو مقامات کا سبق آدھ گھنٹہ پہلے ہی شروع ہو جائے گا تو دونوں سبق پون پون گھنٹہ ہو سکتے ہیں۔ مجھے چائے پینی نہیں نہ میں چائے پیتا ہوں۔ وہ بھی میرے نام لکھی گئی۔

مقامات پر تو کوئی شور و شغب نہ ہوا۔ اس لیے کہ یہ جماعت مشکوٰۃ کی جماعت تھی۔ لیکن سبعہ معلقہ کی جماعت دورے کے بعد کی جماعت تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو گذشتہ سال دورے میں میرے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔ اس لیے معلقہ کی جماعت نے بہت زور و شور ابتداءً میرے خلاف ایسی طرح کیا کہ حضرت قدس سرہ تک نہیں پہنچا۔ البتہ مہتمم صاحب تک بڑی بڑی شکایات پہنچی تھیں اس زمانے میں مدرسہ کا قانون یہ تھا کہ مدرس ہر کتاب کو جس کو پڑھانے تو دو نسخے ایک مطبع کے بھی لے سکتا تھا۔ ایک گھر پر مطالعہ کے لیے ایک درسگاہ میں پڑھانے کے لیے۔ اور مختلف مطابع کی تو ہر کتاب کا ایک نسخہ مختلف حواشی کی وجہ سے بھی لے سکتا تھا۔ اس سیاہ کار نے ایک تو مکاری یہ کی کہ کوئی نسخہ معلقہ کا مدرسہ سے نہیں لیا۔ اور شرح بھی اپنے نام پر کوئی نہیں لی۔ ایک آدھ مولانا ظفر احمد صاحب سے کہکر ان کے نام پر لی۔ ایک چچا جان کے نام پر۔ اور معلقہ کے چند نسخے مختلف مطابع کے میرے تجارتی کتب خانے میں بھی موجود تھے۔ جو لوگ میرے مخالف تھے اور وہ ابتدائی مدرسین بھی جن کو میرے معلقہ پر رشک وحسد، فطری چیز تھی۔ انہوں نے ان طلباء کی بہت مدد کی۔ اور جو لوگ معلقہ پڑھ چکے تھے انکو بھی پڑھا کر میرے سبق میں مجھے دق کرنے کے واسطے بھیجا کرتے تھے۔ مگر اللہ کے انعامات کا نہ یہ سیاہ کار شمار کر سکتا ہے نہ شکریہ ادا کر سکتا ہے جو لوگ مجھے دق کرنے کے واسطے معاند بن کر معلقہ میں شریک ہوا کرتے تھے ان کی درخواستیں معلقہ میں داخلہ کی مہتمم صاحب کے پاس

دمادم پہنچنی شروع ہوئیں۔ ایک صاحب نے جو میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مخالفین میں سے تھے۔ مہتمم صاحب سے کہا کہ معلقہ والے بہت ہی رو رہے ہیں۔ ان کا ناس تو مار دیا ان کو حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب کی اردو شرح التعلیقات علی السبع المعلقات مدرسہ سے دیدو کہ ان کو کچھ تو پتہ چلے، مہتمم صاحب نے فرمایا کہ اردو شرح ادب کی کتاب کی ملنے کی ممانعت ہے۔ مگر ان صاحب نے بہت زور دیا کہ معلقہ والے بہت رو رہے ہیں۔ مہتمم صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس تو معلقہ میں داخل ہونے کی درخواستیں آرہی ہیں۔ تم کہو رو رہے ہیں۔ لیکن انکے شدید اصرار پر مہتمم صاحب نے ایک تحریر میرے پاس بھیجی کہ معلقہ کے طلبار تعلیقات مانگتے ہیں۔ تیری کیا رائے ہے؟ میں نے اس پر لکھ دیا کہ میرا کوئی حرج نہیں بڑے شوق سے دے دیں لیکن طلبار کے لیے اردو ترجمہ مضر سمجھتا ہوں، اس دن سے میں تعلیقات کو خاص طور سے دیکھ کر جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی اپنی حماقت سے یہ لفظ بھی کہدیتا تھا تم میں سے کسی کے پاس تعلیقات ہو تو دیکھ لینا، مولانا نے یہ مطلب تحریر فرمایا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ مطلب زیادہ اچھا ہے۔ اس پر اور بھی طلبار میں شوق و ذوق پیدا ہوا اور معلقہ کی شرکت کی درخواستیں بڑھ گئیں تو آخر میں ناظم کتب خانہ نے لکھا کہ معلقہ کا کوئی نسخہ کتب خانہ میں نہیں ہے مزید خریدنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر حضرت مہتمم صاحب ناظم کتبخانہ سے دریافت کیا کہ زکریا کے پاس کتنے نسخے ہیں؟ ناظم کتب خانہ نے جواب دیا کہ اس کے پاس نہ کوئی متن ہے نہ کوئی شرح، مہتمم صاحب نے اس قاصد سے وہی اصل کتاب کی درخواست لانیوالا تھا دریافت فرمایا کہ وہ اپنی کتاب میں پڑھاتا ہے؟ طالب علم نے جواب دیا کہ اس کے پاس تو

کوئی کتاب نہیں ہوتی اشعار حفظ پڑھتا ہے اور حفظ ہی ترجمہ اور مطلب سب کچھ کہتا ہے لڑکپن تھا زمانہ جاہلیت تھا۔ سبعہ معلقہ کے سارے ہی اشعار عشقیہ مضامین کے تھے۔ بالخصوص امرؤ القیس کا قصیدہ خوب یاد تھا۔ حضرت مہتمم صاحب نے میرے حضرت قدس سرہ کے یہاں درخواست لکھی کہ سبعہ معلقہ کتب خانہ میں ختم ہوگئی جماعت بڑھ رہی ہے مزید خریداری کی اجازت دی جائے۔ میرا اندازہ یہ ہے جو اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میرے حضرت قدس سرہٗ کو بھی مہتمم صاحب کی اس تحریر سے بڑی مسرت ہوئی حضرت قدس سرہٗ نے لکھوا دیا کہ دس نسخے فوراً خرید لیے جاویں۔ دوسرے صبح کو میں اپنے مکان سے دار الطلبہ سبق پڑھانے کے لیے جا رہا تھا۔ اور مہتمم صاحب کھالے پار کی طرف سے مدرسہ تشریف لا رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے۔ جب میں مقابلہ سے سلام کرتے ہوئے آگے سے گذرا تو یہ منظر بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔ کہ حضرت مہتمم صاحب نے تسبیح جو ان کے ہاتھ میں تھی وہ پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ میرے مونڈھے پر ماری اور فرمایا کہ تیرے سبعہ معلقہ نے تو میری آنکھ نیچی کر دی۔ میں نے تو مقامات کو بھی انکار کر دیا تھا۔ بھائی معاف کر دیجیو۔ مجھے بھی بہت ندامت ہوئی۔ اور اب بھی جب یہ قصہ یاد آتا ہے تو مہتمم صاحب کی تواضع پر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت اس میں معافی کی کوئی بات نہیں۔ جناب کا ارشاد ابتدائی مدرس ہونے کے لحاظ سے بالکل مناسب تھا۔

ہدایہ اولین کی تدریس

اس سلسلہ کا اہم مسئلہ آئندہ سال

شوال ۳۷ھ میں پیش آیا۔ میں نے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت دل یوں چاہتا تھا کہ حضرت کے زیر سایہ فقہ کی کتابیں پڑھا لیتا۔ ہدایہ ایک دو سال حضرت کی زیر تربیت پڑھا لیتا تو پوچھنے میں سہولت رہتی حضرت قدس سرہ نے فرمایا بہت اچھا۔ میں نے عین تقسیم اسباق سے تھوڑی دیر پہلے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا تھا۔ جب حضرت قدس سرہ مہتمم صاحب وغیرہ حضرات تقسیم کے لیے بیٹھے تو بیٹھتے ہی حضرت قدس سرہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ہدایہ اولین کو کہا تھا یا اخیرین کو میں نے عرض کیا حضرت اولین کو۔ حضرت قدس سرہ نے مہتمم صاحب سے فرمایا ہدایہ اولین پہلے اس کے نام لکھ دو پھر آگے چلو۔ اس پہ سارے ہی مدرسین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں حتیٰ کہ جو حضرات گذشتہ سال معلقہ میں میرے حامی تھے وہ بھی سوچ میں پڑ گئے کہ کنز صرف ایک سال ہوئی ہے اور اس وقت دستور یہ تھا کہ ہر مدرس کے پاس نئی کتاب کم سے کم تین سال ہونا ضروری تھا۔ اور شرح وقایہ پڑھانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر حضرت کے حکم کے بعد پھر کون بول سکتا تھا، ہدایہ اولین لکھا گیا جو لوگ گذشتہ سال معلقہ میں اپنی مساعی کو ناکام دیکھ چکے تھے ان کو پھر اپنا غصہ نکالنے کا موقع ملا۔ اور تقسیم اسباق کا نقشہ چھپا ہوتے ہی ایک محاذ اس ناکارہ کے خلاف پیدا ہوا۔ مگر میرے حضرت قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ تقسیم اسباق کے بعد اس خیال سے کہ مدرسین اور طلباء کو کتابیں لینے میں کئی دن لگیں گے۔ سیوہارہ وغیرہ کے سفر میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت مہتمم صاحب پر اللہ ان کو بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے ہدایہ کے تبادلہ کی یورش ہوئی۔ مولانا ثابت علی صاحب تو مہتمم صاحب پر بات بات میں برسا ہی کرتے تھے۔ اور خوب خفا ہوا کرتے تھے ہدایہ کے متعلق

مولانا عبداللطیف نے بھی مہتمم صاحب سے کہا کہ طلبار میں شورش ہے اس کو بدل دینا چاہیے مہتمم صاحب نے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت نے بیٹھے ہی کس اہتمام سے ہدایہ کو لکھوایا تھا میں تو نہیں بدل سکتا آپ تحریری حکم بھیجیں کہ صدر مدرس ہیں۔ مہتمم جزئیات ہیں نگران دارالطلبار ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں بدل دوں گا۔ اتنی ہمت تو مولانا عبداللطیف صاحب بھی نہ کر سکے کہ حضرت قدس سرہ کے حکم کو تحریری حکم سے منسوخ کر سکیں اس ہدایہ میں مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوری بھی تھے (جو بعد میں کئی سال مظاہر علوم رہے۔ تقسیم ہند کے بعد راولپنڈی میں مدرس ہو گئے تھے) طلبہ نے ہدایہ کی تبدیلی کی درخواست مہتمم صاحب کے نام لکھی اور سب نے اس پر دستخط کیے مگر مولوی عبدالشکور صاحب مرحوم نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ حضرت سفر میں ہیں۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ بغیر حضرت کے کوئی نہیں بدل سکتا۔ اور تمہارا سبق شروع کرنے سے پہلے یہ کہنا کہ ہم نہیں پڑھتے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ چند روز سبق پڑھ لو۔ تمہیں یہ کہنے کا حق ہو گا کہ سبق ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ابھی سے کیا عذر کرو گے؟ یہ بات طلبار کی سمجھ میں آگئی۔ اور سبق شروع ہو گیا اور معلقہ کے مخالفین نے یہاں بھی طلبار کو شہ دی میں نے دو تین دن تک تو مسلسل فقہ کی لغوی، اصطلاحی تعریفیں، انکا درجہ مصنف کے احوال اور جو جو سمجھ میں آیا سب کچھ کہا اور تین دن کے بعد بسم اللہ سے لے کر کتاب الطہارۃ تک ایک صفحہ پانچ دن میں پڑھایا۔ اس کے بعد بعض طلبار تو ڈھیلے پڑ گئے۔ لیکن بعض شریر طلبار نے پھر بھی درخواست کا ارادہ کیا مگر اکثریت

نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ درخواست کا حشر معلوم ہے گھنٹہ کے نیچے سبق ہوگا۔ یہ
اس زمانے کی ایک خاص اصطلاح تھی وہ یہ کہ جب مدرس کے خلاف طلبار
کی طرف سے تبدیل سبق کی درخواست ہوتی تھی۔ تو عین سبق کے وقت بلا پہلے
سے کسی اطلاع کے حضرت قدس سرہ کا حکم مدرس کے پاس پہنچتا تھا کہ سبق گھنٹے
کے نیچے ہوگا۔ اور گھنٹہ سے مراد وہ گھنٹہ ہوتا تھا جو مدرسہ قدیم میں حضرت قدس سرہٗ
کی سہ دری میں لگ رہا تھا جو ابتک اسی جگہ ہے۔ مدرس گھنٹے کے نیچے
بیٹھتا۔ طلبار چاروں طرف اور حضرت نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ اپنے حجرہ
مبارک کے دروازہ پر اپنی مخصوص جگہ پر جو ہر وقت حضرت کے بیٹھنے کی تھی
تشریف رکھتے طالب علم اس وقت میں مدرس کو خوب دق کرتے اور مدرس
حضرت قدس سرہ کی وجہ سے مرعوب بھی بہت ہوتا۔ ایک مصیبت عظمی کا
وقت ہوتا تھا۔ حضرت اس وقت کچھ نہیں فرماتے تھے۔ اگر حضرت کے نزدیک
طلبار کی شکایت بجا ہوتی تو مدرس کو خاص طور سے مطالعہ کی تنبیہ فرماتے۔
مگر تنہائی میں۔ اور اگر طلبار کی شکایت زیادہ قوی ہوتی اور مدرس کا نقص حضرت
کے ذہن میں آجاتا تو پندرہ بیس دن بعد وہ کتاب کسی بہانے سے بدل دی
جاتی اور اگر طلبار کی شکایت غلط ہوتی تب تو ۱۔ معمولی تنبیہ ۲۔ شریر لوگوں
کا حسب مناسب وقت کھانا بند، ۳۔ شریر لوگوں کا اخراج یہ قانون سب
لوگوں کو معلوم تھا اس لیے اکثریت نے شدت سے انکار کیا کہ ہم دستخط
نہیں کریں گے درخواست کا حشر گھنٹہ کے نیچے سبق ہوگا۔ اور اس کا حشر
معلوم ہے کہ اخراج اگر نہ ہوا تو کھانا تو کم از کم بند ہو ہی جائیگا۔ اس پر وہ
درخواست رل گئی۔ اس سیاہ کار کے ساتھ یہ دو واقعے تو مخالفت کے
پیش آئے۔ اللہ کے فضل سے ان دو کے علاوہ کوئی واقعہ ان ۵۴ سالہ زمانہ

مدرسی میں طلباء کی طرف سے اعراض یا ناگواری کا پیش نہیں آیا۔

پہلی بار بخاری شریف کا درس

۱۳۴۱ھ میں حضرت قدس سرہ کی طرف سے ایک اہم واقعہ پیش آگیا۔ حضرت قدس سرہ کے یہاں شوال میں ترمذی دو گھنٹے ہوا کرتی تھی اور صفر کے آخر میں عموماً ختم ہو جاتی تھی اور اس کے بعد انہی دو گھنٹوں میں بخاری شریف شروع ہوتی اور اوائل رجب میں ختم ہو جایا کرتی یہ ہمیشہ کا دستور تھا۔ حضرت قدس سرہ اس کے سخت مخالف تھے اور بار بار مدرسین پر اس پر نکیر بھی کرتے تھے کہ شروع سال میں لمبی لمبی تقریریں کی جائیں۔ اور اخیر سال میں رمضانی حافظ کی طرح بلا تقریر کتاب پوری کرائی جائے۔ مولانا عبد اللطیف صاحب کے یہاں چونکہ ترمذی بخاری کی شروعات تھی اس لیے دوسرے مدرسین کی طرح ابتدا میں تقاریر کا زور رہا۔ اور جمادی الاخری کے ختم تک بخاری کی ایک جلد بھی پوری نہ ہوئی۔ حضرت خوب ناراض ہوئے اور مہتمم صاحب سے فرما دیا کہ بخاری کے پارے دوسرے مدرسین پر منقسم کر دیئے جاویں اس سیہ کار کا نام بھی خاص طور سے لیا۔ اس کو بھی کچھ پارے دے دینا۔ یہ فرما کر حضرت تو ایک دو دن کے لیے کسی سفر میں بلند شہر وغیرہ تشریف لے گئے۔ مجھ پر اس قدر بوجھ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے مشکوۃ بھی اس وقت تک نہیں پڑھائی تھی۔ میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ بہت نامناسب ہو گا آپ مجھے ہرگز نہ دیں۔ حضرت مولانا ثابت علی صاحب اور مولانا عبد الرحمن صاحب ہی کو دیں مہتمم صاحب نے بھی موافقت کی۔ ان دونوں حضرات کو پانچ پانچ پارے دے دیئے گئے اور سات آٹھ پارے مولانا عبد اللطیف صاحب کے پاس بدستور

رہے تیسرے دن حضرت سفر سے واپس تشریف لائے۔ میں ڈاک لکھ رہا تھا مہتمم صاحب سے دریافت کیا پارے بانٹ دیے۔ مہتمم صاحب نے عرض کیا حضرت تقسیم کر دیے۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت اس سیہ کار پر خوب ناراض ہوئے۔ فرمایا بہت اچھا انکار کر دیا تو ہماری پاپوش سے یوں چاہتے ہیں کہ ہماری خوشامد ہو حضرت قدس سرہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ غصے میں چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ تھوڑی دیر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر نعلین شریفین اٹھا کر مکان تشریف لے جانے لگے میں نے جلدی سے حضرت کے ہاتھ سے نعلین شریفین لے لیے۔ اور پیچھے پیچھے دروازے تک گیا دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر میری طرف متوجہ ہو کر نہایت غصے میں فرمایا کچھ کہنا ہے میں نے عرض کیا حضرت تو ناراض ہی ہو گئے۔ فرمایا ناراض نہ ہوں جب میرا کہنا نہ مانا۔ میں نے کہا حضرت توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے دوسرے مدرسہ والے کیا کہیں گے کہ نو عمر لڑکے کو جس نے مشکوۃ بھی نہیں پڑھائی بخاری دے دی۔ حضرت نے فرمایا کہ نو عمر لڑکے کو میں جانوں دوسرے لوگ کیا جانیں۔ اگر کوئی الزام دیگا تو مجھے دیگا۔ تمہیں تو نہیں دیگا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تعمیل ارشاد میں کیا انکار ہے۔ حضرت نے فرمایا کہنا مان گئے تو میں بھی راضی ہو جاؤں گا۔ میں وہاں سے آکر مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے کہا کہ آپ نے تو پٹوا ہی دیا۔ آپ کو بحیثیت مہتمم کہنا چاہیے تھا کہ اس کے پاس مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں نے نہیں دی مہتمم صاحب نے فرمایا ہاں مجھے پٹوانا چاہیے تھا اسی وقت از ۱۳ تا ۱۵ پاروں کا اعلان اس سیاہ کار کے نام ہوا۔ اس بخاری شریف میں قاری سعید مرحوم بھی تھے جو بعد میں مفتی اعظم مظاہر علوم ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ اس بخاری پر کوئی معلقہ یا ہدایہ

کی طرح خرخشہ اُٹھتا۔ لیکن طلباء میں میرے انکار اور حضرت قدس سرہ کی ناراضگی کا شہرہ قاری سعید مرحوم کے ذریعے اعلان سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے اگر کوئی کہنا بھی چاہتا تو اس واقعہ کے بعد کس کی ہمت پڑ سکتی تھی؟ اسٹرائک کی لعنت اس وقت تک ہمارے مدارس میں نہیں آئی تھی۔ مدارس عربیہ والے اس منحوس لفظ کو جانتے ہی نہ تھے کہ کیا ہوتا ہے اس وقت تک ہر بڑے چھوٹے کے نزدیک مدرسہ کے احسانات اہم اور قابل لحاظ تھے

از ۱۸؍صفر ۴۶ھ تا شعبان ۴۶ھ | یہ ناکارہ ۱۸؍صفر ۴۶ھ کو حجاز کے طویل سفر سے واپس پہنچا ۱۸؍صفر ۴۶ھ کو ابوداؤد صفحہ ۸۰ سے ناظم صاحب سے منتقل ہو کر آئی۔ اس کے ساتھ ہی نسائی شروع ہوئی۔ اس کے بعد موطا محمدؒ بخاری از جزو ۱۲ چار پارے۔ اس کے بعد سے ابوداؤد شریف تو مستقل سنہ ۸۵ھ تک اس ناکارہ کا سبق رہا۔

بخاری شریف کے متعلق حضرات سرپرستان نے سنہ ۴۶ھ میں یہ تجویز کر دیا تھا کہ ترمذی صدر مدرس مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس ہو اور بخاری شریف زکریا کے پاس۔ اس لیے کہ حضرت ناظم صاحب کے پاس انتظامی کام بہت بڑھ گئے تھے۔ مگر حضرت ناظم صاحب کو اس پر بہت زیادہ تاثر قلق اور گرانی تھی۔ اور ہونی بھی چاہیے۔ اس لیے زکریا نے سرپرستان کی اجازت سے یہ طے کر دیا کہ ترمذی تو مستقل صدر مدرس کے پاس رہے۔ اور بخاری شریف کا افتتاح ناظم صاحب کرا دیا کریں اور بقرعید کے بعد وہ زکریا کے پاس منتقل ہو جایا کرے اور جلد ثانی ناظم صاحب بعد مغرب پڑھا دیا کریں۔

سنہ ۴۷ھ میں ناظم صاحب کا رنگون کا سفر ہوا۔ اس سال ابوداؤد کے ساتھ بخاری کی دونوں جلدیں بھی زکریا کے پاس ہوئیں۔ سنہ ۴۸ھ میں بھی ناظم

صاحب کی مسلسل علالت کی وجہ سے دونوں جلدیں مع ابوداؤد کے زکریا کے پاس ہوئیں۔ ناظم صاحب کے انتقال کے بعد سے ابوداؤد مولانا اسعد اللہ صاحب کی طرف منتقل ہوکر بخاری شریف کی دونوں جلدیں زکریا کے پاس رہیں تا شعبان ۸۸ھ۔ صفر ۴۶ھ کے بعد سے چونکہ زکریا کے اوقات زیادہ فارغ تھے اس لیے دورہ کے مدرسین میں سے علالت یا طویل سفر کی وجہ سے جس کا سبق منتقل ہوتا۔ ترمذی مسلم وغیرہ وہ زکریا کے پاس منتقل ہوا کرتا تھا۔ شمائل تو کئی سال مسلسل رہی جس کی تفصیل میں تطویل ہے۔

مسلسلات کی ابتداء میں تو خصوصی احباب وقتاً فوقتاً اجازت لیتے رہتے تھے۔ لیکن ۵۳ھ سے باضابطہ زکریا کے سبق ختم ہونے کے بعد جمعہ کو ہونے لگی۔ جو ۸۸ھ تک رہی۔ ۸۹ھ میں زکریا کا قیام حجاز رہا اس لیے بخاری شریف مولانا یونس صاحب کی طرف منتقل ہوئی۔ اس لیے مسلسلات بھی ان ہی کے پاس ہوئی۔ ۲۳ رجب ۹۰ھ کو مسلسلات کا شور ہوگیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہوگیا جس میں اکابر و خواص بھی بہت جمع ہوگئے تھے[1]

---

[1] حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اختتام بذل المجہود کے بعد مدینہ منورہ سے واپسی پر بحکم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم مہاجر مدنی قدس سرہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث اور مشیر ناظم بنائے گئے۔ آپ نے ۱۳۸۸ھ تک صحیح بخاری کا درس دیا۔ ابوداؤد شریف تقریباً تیس مرتبہ بخاری شریف جلد اول تقریباً پچیس مرتبہ اور بخاری شریف کامل تقریباً سولہ مرتبہ اور ان کے علاوہ مشکوٰۃ شریف نسائی شریف اور موطا امام محمد پڑھائیں۔ (علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی تصنیفی خدمات جلد ۲ صـ ۱۴۰)

باب ہشتم

صحیح بخاری وسنن ابوداؤد کی تدریس سے خاص شغف اور درس کی امتیازی خصوصیات

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا طریقہ درس رواجی مدرسین کی طرح نہ تھا۔ اول تو انہیں حدیث سے خاص شغف تھا اور حدیث کی محبت ان کے رگ وپے میں سرایت کر دی گئی تھی۔ انکی راحت ہی اس میں تھی کہ حدیث کا درس دیں اور حدیث کے متون وشروح کا مطالعہ کریں۔ موطا کی شرح لکھیں اور صحیح بخاری کے ابواب وتراجم میں غور کیا کریں۔ اور امام بخاری کے مقاصد کی تہہ تک پہونچیں۔ سنن ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کی تالیف وتصنیف میں اپنے شیخ کے ساتھ دس سال تک کام کیا تھا اور سالہا سال اس کا درس بھی دیا۔ اس لئے امام ابوداود کے تراجم پر بھی گہری نظر تھی اور سنن ابوداؤد کی احادیث پر بہت زیادہ عبور تھا۔ اور "قال ابوداؤد" کی دلکش تشریح فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے درس حدیث کا کیف انھیں حضرات کو

معلوم ہے جنھوں نے اس میں شرکت کی ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے جو یہ لکھکر بھیجا تھا۔ کہ "مولوی زکریا کو جو علم حدیث میں تبحر ہے میں اس کو جانتا ہوں" اس تبحر کا مظاہرہ برابر اسباق حدیث میں ہوتا رہا۔ خاص کر صحیح بخاری کے درس میں تو یہ سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا امڈا آتا تھا صحیح بخاری شریف کے ایک ایک پارہ کی علیحدہ علیحدہ جلدیں بنوا رکھی تھیں سبق کے لیئے اپنے کچے گھر سے دار الحدیث کے طرف روانہ ہوتے پارہ ہاتھ میں مشلح پہنے ہوئے جو بھاری بدن پر خوب سج جاتا تھا، طلبہ دارالحدیث کے چھجے پر کھڑے ہوئے انتظار کرتے رہتے جب تشریف لاتے ہوئے نظر پڑجاتے تو بعض طلبہ کے منہ سے نکل جاتا کہ شیر کا بچہ آگیا اور اسوقت یہ مصرعہ آپ پر صادق آجاتا تھا ___ ؏ صراحی در بغل ساغر بکف مستانہ وار آجا۔

چونکہ بدن بھاری تھا زینہ پر چڑھنے میں کچھ تکلیف ہوتی تھی۔ جب دار الحدیث داخل ہوتے اور مسند تدریس پر قدم رکھتے تو کھڑے ہی سے "جی" فرمادیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عبارت پڑھ۔ کسی طالب علم نے عبارت شروع کردی ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے بلکہ بین القیام والعقود ہی تھے کہ عبارت میں کوئی ایسی جگہ آگئی جہاں کلام کرنے کی ضرورت تھی اسی وقت وہیں سے کلام شروع فرمادیا۔ تشریف فرما ہوکے سانس لیا عبارت پڑھی جارہی ہے شیخ جگہ جگہ کلام فرما رہے ہیں۔ تقریر مسلسل جاری ہے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ محدثین کے اقوال ازبر ہیں اور پوری تقریر پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

؏ تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے' علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا' میرے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے۔ اور جناب والد صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کی یہ رائے ہے، اور میری بھی ایک رائے ہے بوجھ بجھکڑ والی اور کبھی فرماتے تھے میرا بھی یہ چکی کا پاٹ ہے۔ اپنی رائے کو بوجھ بجھکڑ کی رائے سے تشبیہ دیکر پھر اس کا قصہ سناتے تھے۔

فرمایا ایک گاؤں میں رات کو کوئی ہاتھی گذر گیا۔ اس وقت گاؤں والے سو رہے تھے۔ صبح ہوئی تو لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے نکلے، دیکھا کہ راستہ میں چوڑے چوڑے گول گول نشان ہے کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہے؟ مشورے سے طے ہوا کہ بوجھ بجھکڑ کو بلایا جائے اس مشکل کو وہی حل کر سکتے ہیں۔ صاحب موصوف کو بلایا گیا، انہوں نے دیکھا تو پہلے ہنسے پھر روئے۔ لوگوں نے کہا کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں ہنسا تو اس لئے کہ یہ میری سمجھ میں آگیا۔ اور رویا اس لئے کہ جب میں مر جاؤں گا تو تم کس سے پوچھا کروگے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ سرکار بتائیں تو صحیح ہماری جہالت تو دور ہو، اس نے کہا، بات یہ ہے کہ ہرن کے پاؤں میں کسی نے چکی کا پاٹ باندھ دیا تھا۔ ہرن دوڑتا اور کودتا ہوا جا رہا تھا اور یہ چکی کا پاٹ بار بار زمین پر پڑتا تھا یہ نشانات اسی کے ہیں۔ بوجھ بجھکڑ صاحب بہت دور کی کوڑی لائے اور اپنے گاؤں والوں سے خوب داد لی۔

اسی قصہ کو سنا کر فرماتے تھے کہ میرا بھی یہ چکی کا پاٹ ہے۔ اس کے بعد اپنی رائے ظاہر فرماتے تھے۔ رائے تو واقعی چکی کے پاٹ کی طرح وزنی ہوتی تھی لیکن حضرت شیخ تواضعاً اپنی رائے کو بوجھ بجھکڑ سے تشبیہ دیتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے تلمیذ خاص مولانا تقی الدین صاحب اعظمی مظاہری (مقیم حال ابوظہبی) حضرت کی خصوصیات درس بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس کا درس گرمی، سردی، صحت۔ بیماری ان تمام حالات میں اسی نشاط وتازگی سرگرمی وپابندی سے ہوتا تھا۔حضرت کے دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی پورا دارالحدیث معطر ہو جاتا۔ ادب وقار وسکینت کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ ایسا معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف رکھتے ہیں جو بھی تھوڑی دیر کے لیے مجلس میں جاتا وہ محسوس کرتا ہے

باد صبا آج بہت اشکبار ہے　　شاید ہوا کے رخ پر کھلی زلف یار ہے

اب میں حضرت اقدس کے درس بخاری کے چند خصوصیات کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔ ناظرین کرام اس تقریر کے مطالعہ کرنے سے پیشتر ان باتوں کو پیشِ نظر رکھیں۔

۱۔ حضرت اقدس کا درس عشقِ نبوی ؐ وحُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا۔ جس کیف وسوز وگداز سے پڑھاتے تھے وہ ناقابلِ بیان ہے۔

زبان سے خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میری نطق نے بوسے میری زبان کیلئے

اس کا اثر پورے مجمع پر غیر معمولی ہوتا تھا۔ کبھی آہ وبکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

پھر پرسشش جراحت دل کو چلا ہے عشق　　سامان صد ہزار نمک دان کئے ہوئے

خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تھوڑی دیر کے لیے ایسا محسوس ہوتا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔ حضرت اقدس پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا۔ عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی اور طلبہ وسامعین پر آہ وبکا کا عالم ہوتا ہے

الٰہی درد وغم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا　　محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

۲۔ حضرت اقدس کے درس میں جملہ ائمۂ سلف اور ائمۂ مجتہدین و محدثین کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے اور حافظ صاحب کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انہوں نے حنفیہ کو نظر انداز فرما دیا ہے اور حنفیہ کی دلیل سے آنکھ بچا کر اس طرح نکل جاتے ہیں گویا انہیں اس کی کچھ خبر نہیں۔ حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے مگر اس کے باوجود حافظ صاحب کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں، امام بخاریؒ کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہلِ علم سے دشوار ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت اقدس اس موقعہ پر عام طور سے امام بخاریؒ کے اعتراضات کا مدلل جواب دینے کے ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انکی عظمتِ شان و جلالتِ قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو۔ خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الاکراہ میں حضرت اقدس کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے،

۳۔ بعض عربی الفاظ کا اردو ترجمہ دشوار ہے۔ اردو زبان کا دامن عربی کے مقابلہ میں تنگ ہے۔ اس لئے ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے۔

حضرت اقدس ان الفاظ کا خصوصیت سے اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں۔

۴۔ نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوتی ہے اور شراح بخاری نے نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہہ و تشریح کے بعد بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے۔ ان تمام تحقیقات کو اگر جمع کیا جائے تو مستقل

ایک کتاب بن جائے گی۔ مثال کے طور پر باب القسامہ بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۱۸ میں فقرنت یکدہ بیدہ میں ضمیر کے مرجع اور اس کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک سے وہم واقع ہوا ہے۔ حضرت اقدس اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع وعبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ تفصیل کے لیئے ملاخطہ ہو لامع الداری صفحہ ۳۱۹/۲

۵۔ اگر کتاب میں مؤلف سے یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور تنبیہ فرماتے تھے۔ اور اس راوی و روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآراء کتاب تہذیب التہذیب پر حضرت اقدس کا مبسوط ذیل ہے، کاش وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا بالخصوص احناف پر احسان عظیم ہوتا،

۶۔ ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے اگر روائیت حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

۷۔ اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ کے بیان فرما دیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ ابحاث ہیں اور ان کی قدرے تفصیل فرماتے۔ ان میں سے جن مسائل سے امام بخاری تعرض فرماتے ان کی مزید تشریح فرماتے تھے۔ رفع یدین۔ آمین بالجہر کسوف وغیرہ میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

۸۔ شراح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ کے نہایت دلنشیں انداز میں بیان فرماتے۔ پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر کو ملا کر دیکھے گا وہ محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی

ہے اور بعض مواقع میں وہ اس کو بھی جانے گا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

۹۔ درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے حالات و واقعات کبھی کبھی موقع کی مناسبت سے سناتے تھے۔ یہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت مؤثر ہوتے تاکہ طالب اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھے۔

کہاں ہم اور کہاں نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

۱۰۔ حضرت امام بخاری کے تراجم ابواب ہر دور میں مشکل تر سمجھے گئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی شرح اس امت پر قرض ہے لیکن حافظ سخاوی نے الضوٗ اللامع میں لکھا ہے کہ میرے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر امت سے اس قرض کو ادا فرما دیا۔ مگر حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم و ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے۔

حضرت شیخ نے تراجم الواب پر ایک کتاب لکھی ہے جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ[۱۴] اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں رسالوں کو اور شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات ان سب کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ غور و فکر کر کے اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد ان اصول کی تعداد الابواب والتراجم للبخاری میں ستر تک بیان فرمائی۔ اور ان اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب و کتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے تحریر

فرمایا ہے۔ اس طرح تراجم ابواب کی شرح کا قرض اس امت سے ادا فرما دیا۔

حضرت اقدس اپنے درس بخاری میں بھی خصوصیت سے تراجم کی شرح اور بخاری کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں مگر حضرت اقدس فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ وقت نظر و باریک بینی سے خالی نہیں۔ مثلاً امام موصوف کا ترجمہ ہے باب الصلوٰۃ الی الحربۃ یہاں سارے شراح ساکت ہیں۔ مگر حضرت اقدس کی نگاہ دور رس نے یہاں بھی بخاری کی شایان شان ایک دقیق بات نکال لی۔ اور اس لطیف توجیہہ کو حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل و تحقیق لامع اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش ہوتی تھی اس لیئے اس ترجمہ سے امام بخاری رضی اللہ عنہ دفع وہم فرما رہے ہیں۔ کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

۱۱۔ تراجم کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ پیش آیا جس میں بخاری نے کسی امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی رائے کو پسند فرمایا۔ یا اپنی رائے میں منفرد ہیں تو اس کو مع امام بخاری کے استدلال کے بیان فرماتے اور اس کے بعد جمہور کی طرف سے روایت کا مطلب بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض و استدلال کا مدلل جواب دیتے تھے،

۱۲۔ بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقتِ نظر اس کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیشِ نظر ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس اس پر طلباء کو

خصوصیت سے تنبیہ فرماتے۔ اور ایسی دلنشیں تقریر کرتے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری معلوم ہوتے اور تکرار مرتفع ہو جاتی مثلاً صفحہ چھپن جلد اول پر دو باب باب من لم یتم السجود و باب یبدی ضبعیہ ویجافی جنبیہ یہ دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ گیارہ سو تیرہ (۱۱۱۳) پر انہیں الفاظ کے ساتھ آرہے ہیں۔ مگر انکی تکرار کو اس طرح دفع فرمایا ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو لامع الداری۔

۱۳ - حضرت امام بخاری کو حدیث نبوی ؐ سے غیر معمولی عشق ہے۔ اور عاشقِ صادق جب محبوب کے جمال پر بار بار نگاہ ڈالتا ہے تو ہر مرتبہ اس کو ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے، امام موصوف کا بھی یہی حال ہے، بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت بریرہ رضؓ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لیئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے: اس پر حضرت خصوصیت سے طلبہ کو متوجہ فرماتے تھے۔

۱۴۔ حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورتِ واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لیئے بھی اس فن کو کسی ماہرِ فن استاد سے پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت ان الفاظ وجمل کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت کو بتانے کی ضرورت ہوتی وہاں اس کی عملی صورت بھی عمل کر کے دکھاتے۔ مثلاً بخاری جلد اول صفحہ انہتر (۶۹) پر ووضع خدہ الایمن علی ظہر کفہ الیسریٰ وشبک بین اصابعہ بغیر صورت

مثالی بتاتے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے تھے۔

۱۵۔ تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بنا پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس اس اختلاف واضطراب کو اس طرح دفعہ فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ ملاحظہ ہو لامع جلد ثانی ص ۶۸

یہ میں نے حضرت اقدس کے درسِ بخاری کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس کی تفصیل لامع الداری اور الابواب والتراجم للبخاری اور اردو تقریر بخاری میں دیکھی جاسکتی ہے

درس حدیث کے شروع میں ضروری مباحث

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ صحیح بخاری کا درس شروع کرانے کے بعد ضروری ابحاث بیان فرماتے تھے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے: چنانچہ ارشاد ہے:-

اکابر کا طرزِ عمل کتابوں کے شروع میں میرے اکابر ہمیشہ صرف تین ہی باتیں مختصر بتایا کرتے تھے ایک اس علم کا موضوع دوسرے اس علم کی تعریف تیسرے مصنف کے مختصر حالات۔ وجہ اس اختصار کی یہ تھی کہ پہلے جو استاذ بیان کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ طلبہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ مگر چونکہ اب توانی وتساہل بہت بڑھ گیا ہے اور جو باتیں اساتذہ بتاتے ہیں وہ بھی ذہن میں نہیں رہتیں اس لئے ضرورۃً ان تین میں چند کا اور اضافہ کرنا پڑا چنانچہ میں نے بھی ابتدا میں چند ابحاث بیان کرنی شروع کر دی ہیں۔ اور تسہیل حفظ اور ذہن میں محفوظ رکھنے کے واسطے ان تمام ابحاث کو بیان کرنے سے قبل

یہ اجمالاً بتا دیا کرتا ہوں کہ مجھے کیا کیا کہنا ہے۔ یہ صورت اوقع فی النفس بھی ہوتی ہے اور مفید بھی۔ بہر حال یہاں پر بیس ابحاث ہیں۔ ان میں سے نو ۹ تو علم کے متعلق ہیں۔ اور سات ۷ کتاب کے متعلق، اور چار متفرقات میں سے ہیں۔ اب انکی تفصیل سنو!

مقدمۃ العلم

علم کے متعلق جو نو ابحاث ہیں وہ یہ ہیں: اوّل علم کی تعریف، دوّم موضوع، سوّم غرض و غایت، چہارم سمتہ (وجہ تسمیہ) پنجم مؤلف، ششم اجناس، ہفتم مرتبہ، ہشتم قسمت و تبویب۔ یہ آٹھ امور تو ہر علم سے متعلق ہو سکتے ہیں اور انھیں کا نام مناطقہ و حکماء کے یہاں رؤس ثمانیہ ہے، لیکن نواں امر ہم مسلمانوں کے یہاں ایک اور ہے وہ یہ ہے کہ اس علم کا شرعی حکم کیا ہے اور شریعت کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے آیا سنت ہے یا واجب، حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز وغیرہ۔ مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن و حدیث واجب ہے ان نو علوم میں سے اول دو یعنی تعریف و موضوع کو نکال کر باقی جو سات امور رہ گئے ہیں ان کا تعلق جس طرح علم سے ہے ایسے ہی کتاب سے بھی۔ لہٰذا یہ کل امور سولہ ۱۶ ہوئے۔ اب چار اور بیان کرتا ہوں۔ بڑے کام کے ہیں۔ یہ مت سوچنا کہ شروحات میں سے تلاش کرلیں گے۔ یہ تو مدتوں کی کمائی اور برسوں کا ذخیرہ ہے ان چار میں سے ایک اختلاف نسخ ہے۔ مؤطا امام مالک کے سولہ ۱۶ نسخے مشہور ہیں۔ بخاری کے بھی بہت سے نسخے ہیں۔ ان میں آگے چل کر کلام کروں گا۔ دوسری ۲ چیز مراتب کتب حدیث ہیں۔ تیسری چیز سند ہے، یہ بھی اہل اسلام کے لئے ایک مایۂ ناز قابلِ صد افتخار شئے ہے۔ کیونکہ کسی اور نبی کے اقوال کو اس طرح جمع نہیں کیا گیا کہ اس کے سارے رواۃ اور سارے طرق کی تحقیق و تفتیش ہوئی ہو۔ اب رہی بیسویں بحث اس کو خواہ آداب طالب کا عنوان دیدو یا خصوصیات مدرس سمجھ لو یا آدابِ علم سمجھو۔ اب یہ تمام ابحاث تفصیل سے سنو۔

بحث اوّل علم حدیث کی تعریف میں

پہلے زمانے میں محدثین کا طریقہ و دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب سے لکھا کرتے تھے بہت سے بہت یہ کر لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر و قابل تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کر دیا کرتے تھے اس کے بعد جب متأخرین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس کو مہذب بنایا رواۃ کی چھان بین فرمائی ضعیف رواۃ کو ثقہ رواۃ سے ممتاز فرمایا اسی وجہ سے علم حدیث کی تعریف میں فرق و اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ متقدمین سے بعض نے کہا کہ علمِ حدیث ان قوانین کا نام ہے جس سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال و افعال کا صحت و سقم معلوم ہو لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہیں رہی بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی تعریف ہو گئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی جس کا نام اصولِ حدیث ہے۔ دوسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ فن ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہو جائے لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔ تیسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال کی شرح معلوم ہو جائے لیکن اب یہ تعریف روایت حدیث کی کہلاتی ہے مطلق حدیث کی نہیں۔ چونکہ فن حدیث کی ساٹھ انواع ہو چکی ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ الگ ہو گی۔ روایت حدیث اور ہے، درایت حدیث اور اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور اسی طرح اس کے علاوہ بھی اور یہ جو تم پڑھو گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علم روایت الحدیث ہے۔ جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احوال معلوم ہو جائیں۔ اب تمہیں یہاں یہ اعتراض کرنا چاہیئے کہ اقوال و افعال صحابہ و تابعین پر بھی تو علم حدیث کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں سارے صحابہ و تابعین ہی کے اقوال و افعال وغیرہ ہیں احادیث مرفوعہ تو بس شاذ و نادر ہی ہیں باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے بعض محدثین نے اس کا جواب یہ دیا کہ صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر مدرک بالقیاس۔ اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ کے ہی حکم میں ہیں اور جو حیثیت اور جو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا۔ اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو انکو احادیث مرفوعہ اور اقوالِ شریفہ پر پرکھا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ صحابہ و تابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا حضورؐ کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعًا انکے اقوال مذکور ہیں ہاں جن کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ کے اقوال و افعال شامل ہیں تو اس کا نام علم حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اسکا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کیلئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال اور صحابہ و تابعین کے اقوال، افعال و احوال معلوم ہوں۔

بحث ثانی موضوع

عام طور پر تمام علماء نے حدیث کا موضوع آپ کی ذات پاک کو لکھا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، یہ سب امور کیسے اور کس طریقے سے ہوتے تھے۔ لیکن ایک جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے۔ لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع خلط ہوگیا۔ یہ اعتراض اگرچہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا لیکن علماء نے اس کا جواب دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے یعنی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع اس حیثیت سے ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا۔ اس مقام پر ایک دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ کے اقوال و افعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے۔ ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال و افعال شامل ہونے چاہئیں۔ بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ کے اقوال و افعال کو بھی موضوع میں شامل کر لیا۔ اور بعض دوسرے محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے۔ تو گویا اس نسبت نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات شریفہ اور متعلقات مبارکہ میں سے ہو گئے۔ اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ

جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کر دیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

بحث ثالث غرض وغایت

غرض کہتے ہیں اس قصد اور نتیجہ کو کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے۔ مثلاً بازار جاکر کوئی چیز خریدنا۔ اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو۔ لہذا بازار کسی شئے کے خریدنے کیلئے جانا تو غرض ہے اور اس شئے کا خریدنا غایت ہے۔ تو غرض و غایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں۔ صرف ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض وغایت ایک ہی ہے۔

پہلی غرض

اب علم حدیث کی غرض وغایت کیا ہے؟ علماء اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وآداها[۱] اسی قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں۔ لیکن اس جملہ کے اندر علماء کا اختلاف ہوگیا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھکر ہیں۔ اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کا کیا پوچھنا، سراپا خیر ہے۔ اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اس پر اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے

[۱] عزاہ صاحب المشکوٰۃ فی کتاب العلم إلی الشافعی والبیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ص۳۵

ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ غمزدہ رہتے ہیں۔ لہذا یہ خبر ان پر کہاں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بین ہیں اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر و فاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے۔ لیکن فقر و فاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے۔ اللهم ارحم خلفائی قلنا ومن خلفاؤك يا رسول الله قال الذين يأتون من بعدی يروون احادیثی ويعلمون الناس [1]۔ اس حدیث پاک میں علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔ غور تو کرو۔ اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے۔ اور یہاں تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایات تم مشکوۃ میں پڑھ چکے ہو۔ اور بہت سی ابواب العلم کے اندر اپنے اپنے مقام پر آئیں گی۔ جن کو امام بخاریؒ باب فضل العلم اور باب فضل فلاں کے ذیل میں بیان کریں گے۔

---

[1] ذکرہ الحافظ المنذری فی الترغیب واشار الی ضعفہ وقال رواہ الطبرانی فی الاوسط (الترغیب فی سماع الحدیث وتبلیغہ ج۱)

دوسری غرض علماء نے علم حدیث کی یہ بیان فرمائی ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے[1]۔ اور وہ احادیث ہی سے ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک میں نماز زکوٰۃ کا ذکر تو ہے لیکن انکی رکعات اور تعداد وغیرہ کچھ مذکور نہیں۔ یہ سب احادیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اصل دین اور مدارِ شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے۔ تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہو گیا۔

تیسری غرض میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے اگر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محب رسول ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے دعویدار ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محض اس لیے پڑھنا چاہیئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے۔ اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت، حلاوت و رغبت پیدا ہو گی۔ جیسے اگر کوئی عشق دنیا میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے بھی سبق میں ہو گا تو بھی اس کو پہلے پڑھے گا۔ اور اگر کھانے کے درمیان آجائے تو کھانا بند کر دے گا۔ اور نماز کے اوقات میں جیب پر ہی نظر رہے گی۔ تو جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق اور ذوق ہے تو پھر حضور پاک

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (سورۃ النحل)

صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو اس سے بدرجہا قابل صد اہتمام ہے۔
یہاں تک تم کو تین بحثیں معلوم ہوگئیں۔ یعنی علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے۔ اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے۔ اور علم حدیث کی غرض جس کا خلاصہ لذت ہے۔ تو جب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی۔ اور اگر التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔

بحث رابع وجہ تسمیہ

اس فن کا نام حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ حدیث حادث کے معنی میں ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم واقعی کی دو ہی قسمیں ہیں ایک قدیم وہ تو قرآن ہے۔ اور اللہ کا کلام ہے جو اس کی صفت ہے۔ اور جب ذات باری قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔ دوسری قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ لامحالہ یہ حادث ہوگا اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود حضور کی صفت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں لہٰذا آپؐ کی صفت بھی حادث ہوگی۔ ان کے ماسوا اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔ اب تم کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم (یعنی قرآن وحدیث) سے الگ ہے، تو سنو! فقہ قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ درایت الحدیث ہے۔ کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ میں سے کوئی حدیث لیکر اس کی سند حذف کرکے یہ لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہیئے۔ دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا۔ تو درحقیقت علم فقہ قرآن وحدیث کوئی الگ الگ چیز نہیں ہوئی۔ اور علم فقہ قرآن وحدیث

کے معارض و منافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے کہ فقہاء نے غور و فکر کر کے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام "علم فقہ" ہو گیا۔ اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ ایک عالم کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا۔

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی صرف قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں۔ بلکہ اس کے اندر فقہ کے دلائل اور مسائل مزبورہ فی کتب الفقہ مذکور ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی بات کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ احادیث میں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کہاں ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور احوال بھی مذکور ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

حدیث وخبر

اب یہاں پر ایک علمی گفتگو ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں۔ تو آیا اب اس علم حدیث کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اسکو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے جیسے کہ علم الحدیث بھی اس کا نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خبر و حدیث میں کیا نسبت ہے؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں میں نسبت تساوی ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ وہ اس طرح پر کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبار ملوک

پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اخبارِ ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے۔ اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کا ماخذ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواباً ہم کہیں گے کہ کلام تو خبر و حدیث دونوں سے عام ہے۔ مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن و علم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے کلام کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا۔ یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے کہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے۔

بحث خامس مؤلف کے بارے میں

مؤلف دو ہوتے ہیں۔ ایک مؤلفِ فن، دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلف فن کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے۔ اور مؤلف کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سو برس بعد ہوئی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانے میں ہوئی بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی چنانچہ سمرۃ بن جندب رضؓ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔ اس مجموعے کی چھ احادیث حضرت امام ابو داود نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعے کی کوئی حدیث

ابوداؤد میں آتی ہے اس کے ابتداء میں امابعد فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور اسی مجموعے کی سو کے قریب احادیث مسند بزار میں ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ کرام نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے خطوط کی شکل میں دوسرے صحابہ کے نام لکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ ہاں البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا گیا۔ یہ بحث کوئی مہتم بالشان بحث نہیں تھی۔ مگر حمقاء زمانہ نے اس کو مہتم بالشان بنا دیا۔ اور تم کو یہاں تو نہیں البتہ باہر جا کر اس کی سخت ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ عام طور سے نام نہاد فرقہ قرآنیہ اور آوارہ قسم کے روشن خیال لوگ خاص طور سے یہ بات اچھالتے ہیں کہ بھلا ایسی حدیث کا کیا اعتبار جو اکیسو برس بعد لکھی گئی۔ لیکن یہ لوگ بکواس محض کرتے ہیں۔ ورنہ میں اوپر بتلا ہی چکا ہوں کہ جمع وکتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہو چکی تھی البتہ تصنیف وتبویب بعد میں ہوئی۔

علم حدیث تاریخی حیثیت سے

یہ ایک تاریخی اور مسلم مسئلہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں اور پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ انہوں نے امرائے اجناد کو لکھا کہ میں علم حدیث کے اندراس اور ذہاب علم کا خوف کھاتا ہوں۔ لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ وہ ۶۱ھ

میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) ہوئے اس کے بعد ۹۹ھ میں خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ اس کے جانشین کی حیثیت سے عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا کل مدت خلافت دو سال ہے۔ یہی مدت کم وبیش حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بھی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اگرچہ مورخین تو جانبین کے کسر کو حذف کر کے انتالیس سال ہی بتلاتے ہیں۔ منکرین حدیث یہاں یہ اشکال کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین وترتیب خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں نہیں کی؟ پہلا جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سینکڑوں دھندے تھے۔ جہاد کی مشغولیت، مسائل سیکھنا، سکھانا اور پھر حسب ضرورت کسب معیشت وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنہ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے احکام فرعیہ کی تدوین کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم[1] شریف کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم صرف قرآن پاک کو لکھا کرو میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھ لی ہیں ان کو مٹا دو۔ تو چونکہ اس حدیث سے

---

[1] مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔ عن ابی سعید الخدری رضؓ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی قال ھمام أحسبہ قال متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ مسلم شریف باب تثبت بالحدیث وکتابۃ العلم جلد ثانی ص۴۱۴ فی اواخر الکتاب۔

ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس لئے علمائے سلف میں کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے۔ ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو جائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ چونکہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے، اس وجہ سے حدیث کا لکھنا لکھانا جائز ہے۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی حضرت ابوشاہ یمنی نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُکتبوا لابی شاہ[1] اس خطبہ کے اندر کیا تھا؟ احادیث ہی تو تھیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو (کما فی ابن ابی شیبہ) فرماتے ہیں کہ میری عادت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں حتی کہ حرکات و سکنات لکھ لیا کرتا تھا۔ لوگوں نے منع کیا کہ حضور بشر ہیں اور غضب و رضا دونوں حالتوں میں کلام فرماتے ہیں لہذا ہر بات مت لکھا کرو۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے صحابہ رضی تمام باتیں لکھنے سے منع کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس زبان[2] سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اگر میں یوں کہوں کہ حضور صلی اللہ

---

[1] یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کتابۃ العلم کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔

[2] حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں: عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شیٔ اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شیٔ تسمعہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب و الرضا فأمسکت عن الکتاب فذکرت ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومی باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق۔ (اخرجہ ابوداؤد فی کتابۃ العلم)

علیہ وسلم نے اس حدیث میں کتابت کا حکم دیا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے۔ ایسے ہی ایک[1] مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ کر دیئے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شئی نہیں۔ اور اس صحیفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے احکامات لکھے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے۔ انہی میں سے ایک صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے جس سے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں ہذا ما حدثنا ہ ابوہریرۃ کرکے روایت کرتے ہیں۔ انہی مذکورہ احادیث سے اسی دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کیلئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے۔ لیکن اب جمہور سلف اور خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا جائز ہے۔ چنانچہ خود امام بخاری نے باب کتابۃ العلم کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمایا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں روایات

---

[1] بخاری شریف (باب کتابۃ العلم) میں یہ حدیث اس طرح مذکور ہے، عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلیؓ هل عندکم کتاب قال لا الا کتاب الله او فهم اعطیه رجل مسلم او ما فی هذه الصحیفة قال العقل وفکاک الاسیر ولا یقتل مسلم بکافر (مرتب)

کے محفوظ رکھنے کا اہتمام بہت زیادہ تھا لکھنے کا اہتمام اتنا نہیں تھا۔ ان لوگوں کے حافظے نہایت قوی تھے۔ ہزاروں لاکھوں حدیثیں وہ لوگ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔

اس تمہید کے بعد اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ علم حدیث کا پہلا مدون کون ہے؟ عامۂ محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدون امام ابن شہاب زہری ہیں جن کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے اور بعض محدثین و محققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدون محمد بن ابی بکر حزم ہیں اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے۔ جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے باب کیف یقبض العلم کے ذیل میں جو حضرت عمر بن عبد العزیز کا خط نقل کیا ہے ان میں انہیں کا نام مذکور ہے۔ اور موطا امام مالک بروایت محمد میں یہ ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا۔ لیکن میرے نزدیک ان دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں۔ میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ عمر بن عبد العزیز نے امرائے اجناد کو خطوط لکھکر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا۔ تو بہت ممکن ہے کہ ایک امیر نے ابو بکر بن حزم کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری کو حکم دیا ہو۔ زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ بہر حال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں۔ لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدون ہیں۔ مثلاً حضرت امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن المبارک، ہشیم وغیرہ۔ ان سب کے تراجم میں تم کو بھی ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں تار برقی، ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جو اب ہے۔ ایسے ہی نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز اور نہ

موٹریں وغیرہ۔ بلکہ دستور یہ تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا کوئی حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام وخیریت کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے لئے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ہاتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے جب کبھی وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کر کرا کر دیدیا کرتا۔ اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے۔ غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لیے جب کبھی کوئی کتاب کسی طرح دوسری جگہ حدیث کی پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدون ہوگا۔ اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جاچکی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا۔ اور پھر جوں جوں زمانہ گذرا تہذیب و تنقیح وتبویب ہوتی چلی گئی۔ اور اس فن کے اندر جلا پیدا ہوتا چلا گیا۔ اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ جمع کر دیں۔ مثلاً زکوۃ کی کتاب الزکوۃ میں اور نماز کے متعلق روایات کتاب الصلوۃ میں وغیرہ وغیرہ۔ علامہ سیوطی نے ایک الفیہ لکھا ہے جو الفیہ سیوطی کے نام سے مشہور ہے۔ اور ایک الفیہ حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ عراقی کا ہے جو الفیہ عراقی کے نام سے مشہور ہے بہت سخت ہے اور بہت مشکل ہے یہ دونوں حدیث کے اندر ہیں اور ایک تیسری الفیہ نحو کے اندر ہے جو الفیہ ابن مالک کے نام سے معروف ہے۔ ان کو الفیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے اندر ایک ہزار اشعار ہیں۔ بہر حال علامہ سیوطی نے جو الفیہ لکھا ہے اس کے اندر ان حضرات کے اسماء گرامی بیان فرمائے ہیں۔ جن کو اول مدون کہا گیا ہے۔ اور چونکہ امام بخاری کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے

اول جامع الحدیث والاثر ... ابن شہاب آمرلہ عمر
واول الجامع للابواب ... جماعۃ فی العصر ذو اقتراب
کابن جریج وھشیم، مالک ... ومعمر، و ولد المبارک
واول الجامع باقتصار ... علی الصحیح فقط البخاری
ومسلم بعدہ والاول ... علی الصحیح فی الصحیح افضل

عمر سے مراد عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی نے اول مدون ابن شہاب کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ زہری کے علاوہ امام مالک وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا جاتا ہے۔ تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں واول الجامع الخ یعنی امام مالک وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب پر احادیث کو مرتب کیا۔ جماہیر کا بھی یہی جواب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں واول الجامع باقتصار، علی الصحیح فقط البخاری، چونکہ امام بخاری پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے سیوطی فرماتے ہیں کہ امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔ تیسری وجہ رفع تعارض کی حافظ ابن حجر نے ارشاد فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ کے اندر امام مالک، بصرہ کے اندر ابن جریج، اور رے (ایران) میں عبداللہ بن مبارک، یمن میں معمر بن راشد سب سے اول احادیث کو جمع کرنیوالے ہیں۔

بحث سادس اجناس کے بارے میں

علوم کی بہت سی اجناس ہیں پھر ان اجناس کے تحت بہت سی انواع ہیں۔ اور ان اجناس کے اعتبار سے کئی طریقہ پر علوم کی تقسیمات کی گئی ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں ایک مقدمہ اور چند ابواب ذکر کئے ہیں، پھر ان ابواب کے ذیل میں فصول لکھی ہیں۔ باب اول کی فصل رابع علوم کی تقسیم پر مشتمل ہے اور اسمیں کئی اعتبار سے تقسیمات درج کی ہیں۔ ان میں سے پانچویں تقسیم صاحب مفتاح السعادۃ (علامہ طاش کبری زادہ) سے نقل کی ہیں۔ اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وھو حسن من الجمیع، اس کے بعد ان کی عبارات نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

اعلم للأشیاء وجودا فی أربع مراتب فی الکتابة والعبارة، والأذهان والأعیان، وکل سابق منها وسیلة إلی اللاحق، لأن الخط دال علی الألفاظ، وهذه علی ما فی الأذهان، وهذا علی ما فی الأعیان، والوجود العینی هو الوجود الحقیقی الأصیل، وفی الوجود الذهنی خلاف فی أنه حقیقی أو مجازی، وأما الأولان فمجازیان قطعاً، ثم العلم المتعلق بالأعیان اما عملی لا یقصد به حصول نفسه بل غیره، أو نظری یقصد به حصول نفسه، ثم ان کلا منهما إما ان یبحث فیه من حیث أنه ماخوذ من الشرع فهو العلم الشرعی، أو من حیث أنه مقتضی العقل فقط فهو الحکمی، فهذه هی الأصول السبعة، ولکل منها أنواع، ولأنواعها فروع، یبلغ الکل علی ما اجتهدنا فی الفحص والتنقیر عنه بحسب موضوعاته

واسامیه وتتبع ما فیه من المصنفات الی مائة وخمسین نوعا ولعلی سأزید بعد هذا، انتہی مانقلہ صاحب الکشف عن مفتاح السعادة۔

اس کے بعد صاحب کشف الظنون نے صاحب مفتاح السعادۃ سے بہت سے علوم کے نام نقل کئے ہیں جو ان اجناس کے انواع ہیں۔ اور اصول سبعہ میں سے چھٹے نمبر پر علوم شرعیہ کو لکھا ہے اور صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں

وذکر فی السادسة العلوم الشرعیة، وهی علم القراءة، علم تفسیر القرآن، علم روایة الحدیث، علم درایة الحدیث، علم أصول الدین المسمی بالکلام، علم أصول الفقه، علم الفقه وجعل من فروع القراءة علم الشواذ، علم مخارج الحروف، علم مخارج الالفاظ، علم الوقوف، علم علل القراءة، علم رسم کتابة القرآن، علم آداب کتابة المصحف۔

وجعل من فروع علم الحدیث، علم شرح الحدیث، علم اسباب ورود الحدیث وازمنه، علم ناسخ الحدیث ومنسوخه، علم تأویل اقوال النبی علیه الصلوٰة والسلام، علم رموز الحدیث واشاراته، علم غرائب لغات الحدیث، علم دفع الطعن عن الحدیث، علم تلفیق الأحادیث، علم أحوال رواة الحدیث، علم طب النبی علیه الصلوٰة والسلام۔ (انتهی بقدر الضرورة)۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ علم حدیث علوم نقلیہ میں سے ہے اور یہ ایک جنس ہے جسکی بہت سی انواع ہیں۔ اور علم حدیث کی جنس نقلی شرعی اصلی ہے [1]

---

[1] مطبوعہ تقریر بخاری میں بحث سادس میں جو مضمون ہے وہ زیادہ واضح نہ تھا البتہ وہاں کشف الظنون کا حوالہ تھا۔ اس لئے اصل کتاب سے مراجعت کر کے بقدر ضرورت مضمون نقل کر دیا گیا۔

بحث سابع مرتبہ حدیث علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے ایک باعتبار فضیلت کے. دوسرے باعتبار تعلیم کے. فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے. کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک ہے. اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم کے آخر میں ہے جیساکہ تم بھی دیکھتے ہو کہ ہر درس نظامی میں دورہ حدیث شریف کو جملہ کتب کے آخر میں رکھا گیا ہے. سب سے پہلے صرف، نحو اور دوسرے علوم کی تعلیم دیجاتی ہے. کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر.

بحث ثامن قسمت و تبویب جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم و تبویب ہوتی ہے جیسے کہ آئندہ مقدمۃ الکتاب میں آرہا ہے. ایسے ہی علم کی بھی تقسیم و تبویب ہوتی ہے چنانچہ حدیث پاک کے آٹھ ابواب ہیں یعنی ہر حدیث کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھوں ابواب میں سے کسی ایک میں داخل ہو. وہ آٹھ یہ ہیں. عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، رقاق، آداب، مناقب، فتن، جو کتاب ان آٹھ ابواب کو مجتمع و مشتمل ہو اسکو جامع کہتے ہیں، بخاری شریف جامع ہے. نیز ان اقسام ثمانیہ کے اندر مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب "الأسماء والصفات" اس میں انہوں نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے، وغیرہ وغیرہ، ترمذی کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے. اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود تو ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے. یہی وجہ ہے کہ اس کو کتاب الطہارۃ سے شروع فرمایا نہ کہ کتاب الایمان سے. جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے تو اس کو جامع بتلادیا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بطریق سنن ہے اس کو "سنن ترمذی" کے نام موسوم کردیا،

بحث تاسع حکم شرعی علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے. اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے یہی حکم علم فقہ کا ہے. کیونکہ احادیث کی تفصیل تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے. یہ نو بحثیں تو ختم ہوئیں. جن کا عنوان تھا "مقدمۃ العلم"۔

مُقَدِّمَۃُ الکِتَاب

(اِس میں گیارہ بحثیں ہیں)

بحث اوّل جیسا کہ علم حدیث کی ایک غرض و غایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی غرض و غایت ہوتی ہے جو خصوصیاتِ مصنف میں میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کی بھی ایک غرض اس کتاب سے ہے وہ یہ کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک خواب بچپن میں دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ان کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کو سنایا۔ انہوں نے یہ تعبیر دی کہ انت تذب الکذب عن احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تم کسی وقت میں انشاء اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو نکالو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ان کے استاذ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم ایک کتاب لکھو جس میں صحیح احادیث ہوں۔ ان کو بھی ولولہ اور شوق ہوا تو حدیث کے اقسام ثمانیہ کو انتقاء کر کے احادیث صحیحہ اپنی کتاب کے اندر جمع فرمائیں۔ یہ تو غرض اصلی اور اولین داعیہ ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ساری کمائی قرار دی جاسکتی ہے وہ ان کے تراجم ہیں۔ یعنی احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا۔ ورنہ نفس احادیث تو تم مشکوٰۃ میں بھی پڑھ چکے ہو۔ اسی وجہ سے حضرات علماء نے باقاعدہ اس میں تصنیفات فرمائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "تراجم بخاری"

کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ایسے ہی ایک رسالہ اردو میں حضرت شیخ الہند نے الابواب التراجم کے نام سے لکھا ہے۔ ایسے ہی میرے اساتذہ اور مشائخ کے یہاں بھی اسی بات کا اہتمام رہا کہ اصل مقصد ترجمۃ الباب ہے۔ علماء نے بخاری شریف کی بہت سی فضیلتیں اپنے تجربات کے بعد لکھی ہیں مثلاً یہ کہ جس جہاز میں بخاری شریف کا کوئی نسخہ ہو وہ جہاز سمندر میں نہیں ڈوبے گا۔ اور مثلاً یہ کہ دفع مشکلات کے واسطے بخاری شریف کا ختم بہت مجرب ہے۔ کسی مریض کیلئے اس کا پڑھنا بہت نافع ہے، بارہا ہم نے تجربہ کیا ہے کہ مریض کے واسطے بخاری شریف کا ختم ہوا تو وہ شفایاب ہوگیا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ابوزید مروزی (ایک بڑے فقیہ) نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ شافعی کی کتابیں کب تک دیکھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں دیکھتے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا بخاری شریف۔

بحث ثانی تسمیہ یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ پہلے یہ سنو کہ اس کا نام الجامع المسند الصحیح من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے۔ جامع تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر آٹھوں ابواب مذکورہ موجود ہیں۔ اور مسند اس وجہ سے کہ جتنی روایات ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالرفع منقول ہیں۔ اور آثار وغیرہ جو ذکر فرمائے ہیں وہ بالتبع آگئے ہیں اور صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ہی ذخیرہ ہے اور کوئی راوی اس کے اندر ان کی تحقیق کیمطابق ضعیف نہیں ہیں۔ اور من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قید کو تو تم جانتے ہی ہو کہ اس کے اندر احادیث ہیں۔ اور سننہ اس لئے بڑھایا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی تقریرات بھی اس میں داخل ہو جائیں۔ اور ایامہ سے مراد وہ وقائع اور حالات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے میں پیش آئے۔ بہت سی احادیث امام نے ایسی ذکر فرمائی ہیں نہ تو قولی ہیں نہ فعلی اور نہ تقریری۔ وہاں بہت سے شراح کو اشکال ہو رہا ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ بخاری شریف کا پورا نام ذہن میں رکھتے تو ان کو یہ اشکال نہ پیش آتا۔

بحث ثالث مؤلف کتاب میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ایک فن کا مؤلف ہوتا ہے دوسرے کتاب کا مؤلف سو اول کا تو ذکر آچکا اب مؤلف کتاب کا تذکرہ سنو۔ اس کتاب کے مؤلف امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری ہیں جن کا سلسلۂ نسب یوں ہے۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ جعفی نسبت ہے جعف کی طرف اور یہ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ بردزبہ بار مفتوحہ وسکون را رثم دال مکسورہ وسکون زار بعدھا معجمہ و فتح مؤحدہ بعدھا ھاء ساکنہ۔ یہ فارسی کی لغت ہے اور فارسی تھی ملک بخارا کی۔ بردزبہ فارسی زبان میں کاشتکار کو کہتے ہیں۔ یہ کھیتی کرتے تھے اور مجوسی تھے۔ حالت کفر ہی میں موت آئی۔ ان کے صاحبزادے مغیرہ ہیں۔ یہ مسلمان ہیں اور یمان جعفی جو اس وقت کابل و بخارا و سمرقند کے حاکم اور عرب کے باشندے تھے ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ تمام علاقے حضرت عمر کے زمانے سے لیکر حضرت عثمان کے زمانے تک مفتوح ہو چکے تھے۔ عرب کے اندر جس طرح ولاء معاقدہ اور ولاء موالاۃ کی نسبت ہوتی ہے اسی طرح موالات اسلام کی بھی نسبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو مغیرہ جعفی کہتے ہیں۔ اور ان کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے امام بخاری کو جعفی کہا جاتا ہے۔

ابراھیم حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ اور یاد رکھو یہ خاص طور سے ان لوگوں میں ہوں کہ جس چیز کے متعلق حافظ ابن حجر ہتھیار ڈال دیں اور لاعلمی کا اظہار کریں تو وہاں میری تتبع اور تلاش کی ہمت نہیں ہوتی۔ اگرچہ بہت سی چیزیں مل بھی گئی ہیں۔ اسمٰعیل۔ یہ حضرت امام بخاری کے والد ماجد ہیں اور امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کا ذکر کتب تاریخ درجال میں آتا ہے۔

احوال امام بخاریؒ حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرہ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ یہی قول مشہور ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شب جمعہ میں پیدا ہوئے مگر راجح اول ہی ہے۔ امام بخاری کی بصارت بچپن میں جاتی رہی تھی۔ ان کی والدہ نے خوب دعائیں کیں۔ خواب میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ فرمایا اللہ نے تیرے بچے کی آنکھیں درست کردیں۔ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ حضرت امام بخاری بالکل تندرست ہیں۔ امام بخاری نے بمقام خرتنگ جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے شنبہ کی رات میں جو کہ عید الفطر کی بھی شب تھی ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔ جمعہ کے بعد اس دار فانی میں تشریف لائے اور شنبہ کی رات میں انتقال ہو گیا یہ دنیا کی کل مدت ہے جس میں باسٹھ سال کی عمر آگئی۔ یہ بچے کے کان میں ولادت کے بعد جو اذان ہوتی ہے اور نماز جنازہ بلا اذان ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ وہ اذان اس نماز کی ہوتی ہے۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ مدت عمر اذان سے لیکر نماز تک ہے۔ غنیمت سمجھو اور جو کچھ کرنا ہو اس مدت میں کرلو۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علمی خاندان کے رواج کے مطابق ہی بچپن میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ والدہ صاحبہ نے تربیت فرمائی، کیونکہ والد صاحب کی وفات ہو چکی تھی۔ اور اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل کے ساتھ حج کیا۔ پھر ان کے بھائی تو وطن واپس آ گئے اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں ٹھہر گئے اور علم حاصل کرتے رہے۔ ضروری علم حاصل کر کے علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے شاگرد محمد بن یوسف فربری نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب محمد بن ابی حاتم کے واسطہ سے نقل کیا ہے "أُلهمت حفظ الحديث وأنا في الكتّاب" (یعنی میرے دل میں حفظِ حدیث کا الہام اس وقت ہوا جب میں مکتب ہی پڑھتا تھا) کسی نے دریافت کیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ جواب دیا کہ دس۱۰ سال یا اس سے بھی کم تھی کم سنی ہی میں محدثین کی مجالس میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ایک محدث کی مجلس میں جو داخلی کے نام سے مشہور تھے آنے جانے لگے، ایک دن جو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ اس وقت احادیث کا درس دے رہے تھے انہوں نے اثنا درس یوں کہا۔ عن سفيان عن أبي الزبير عن ابراہيم۔ اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ نے عرض کیا کہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی۔ انہوں نے یہ بات سن کر امام بخاری کو جھڑک دیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس اصل ہے تو اس کی طرف مراجعت فرمایئے۔ حافظ داخلی رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے اور واپس آ کر قلم لیا اور تصحیح فرمالی۔ اور فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ اور غلطی یہ تھی کہ انہوں نے زبیر بن عدی کی جگہ ابوالزبیر فرما دیا تھا۔ اسی دن سے امام بخاری اپنے استاذ

داخلی کی نظر میں مقبول اور وقیع بن گئے۔ ایک شخص نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جب شیخ داخلی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو آپ کی عمر کتنی تھی؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ گیارہ سال تھی[1]

اسی طرح کا ایک واقعہ بصرہ میں بھی پیش آیا چنانچہ حاشد بن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ بخاری ہمارے ساتھ حدیث حاصل کرنے کیلئے مشائخ بصرہ کے پاس آتے جاتے تھے۔ ہم لوگ تو لکھتے تھے۔ لیکن محمد بن اسمٰعیل بخاری بظاہر یونہی بیٹھے رہتے تھے۔ ۱۶ دن کے بعد ہم لوگوں نے کہا کہ تم خواہ مخواہ آتے جاتے ہو اب تک تم نے ایک حدیث بھی نہ لکھی۔ امام بخاری اول تو خاموش رہے لیکن جب ساتھیوں نے بہت ہی کچھ کہا سنا تو فرمایا کہ لاؤ تم دکھاؤ تم نے کیا کیا لکھا؟ ان لوگوں نے اپنی تحریرات پیش کر دیں۔ امام بخاری نے فرفر پندرہ ہزار سے زائد حدیثیں سنا دیں۔ اب تو یہ لوگ بڑے معتقد ہوئے اور جو کچھ خود لکھا تھا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کے ذریعہ اس کی تصحیح کرنے لگے[2]

امام بخاری کی قوت یادداشت

حضرت امام کی قوتِ حفظ ضرب المثل ہے۔ تم کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دس سال کی عمر میں اپنے استاذ (داخلی) کو لقمہ دیا جس کا یہ حال بچپن میں ہو تو بڑا ہو کر جب کہ اس کو اس میں توغل بھی ہو جائے تو کیا حال ہوگا۔ اور جب کسی کو کسی شی میں توغل ہوتا ہے تو اچھی طرح سے اس کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی خاص چیز میں مشہور ہو جاتا ہے

---

[1] ذکرہ الحافظ فی آخر مقدمۃ الفتح، [2] ایضاً۔

تو پھر اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے سان کے امتحان کا ایک واقعہ بغداد میں پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کی شہرت بہت زیادہ ہے آج ان کا امتحان لیں۔

چنانچہ دس علماء نے مل کر سو احادیث تلاش کیں اور دس دس احادیث آپس میں تقسیم کر لیں اور ان کی سند اور متن کو ایک دوسری کی جگہ ردو بدل کر دیا۔ جب امام صاحب تشریف لائے تو ہر ایک نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا امام بخاری نے بھانپ لیا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ اصل میں ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی اظہار کرتا ہے تو خواہ مخواہ نہیں کرتا اس کے پس پردہ کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے۔ بہرحال ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کچھ احادیث حضرت کو سنانا چاہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا سُنا دو۔ اس پر ہر ایک نے نمبروار احادیث سُنا کر دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے۔ امام بخاری ہر ایک کے جواب میں لا ادری فرماتے رہے یعنی مجھے معلوم نہیں۔ جب سب سُنا دیں تو ان لوگوں نے اشارے شروع کر دیئے کہ یہی ہیں وہ جن کا بڑا شہرہ ہے۔ پیس جی پیراں نمی پرند مسریداں می پرانند والا قصہ ہے۔ جب سب معاملہ نمٹ گیا تو امام بخاری نے اول سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے حدیث اس طرح پڑھی ہے۔ یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے۔ اور پھر ہر ایک کو نمبروار اس کی غلط حدیث اور اپنی صحیح حدیث سُنائی۔ یہاں صرف یہی کمال نہیں کہ پوری سَو احادیث مع سند کے سُنا دیں بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ ان کی اسانید و احادیث منقلبہ کو صحیح کر کے نمبروار سُنا دیا۔

مسئلہ خلق قرآن اور امام بخاری جس طرح آجکل ہم لوگوں سے کسی معاصر کی رفعت نہیں سنی جاتی اسی طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور تھا۔ چنانچہ امام بخاری کے معاصرین کو بھی امام صاحب سے حسد پیدا ہوا۔ اور جہاں جہاں ان کا شاندار استقبال ہوتا وہیں کچھ حاسدین ان کا ردعمل بھی کرتے چنانچہ بہت سے لوگوں نے گالیاں دیں۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کا بہت زور شور سے چل رہا تھا اور خواص و عوام کی زبانوں پر جاری وساری تھا حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بخاری دونوں کو اس مسئلہ میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور بھی بہت سے علماء نے اس مسئلہ میں کوڑے کھائے تکلیفیں اٹھائیں مگر جمے رہے۔ بہت سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ امام احمد اور امام بخاری کی ایذا رسانی اور تکلیفوں کا مبنی ایک ہی تھا حالانکہ ایسا نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل چونکہ امام بخاری کے استاذ ہیں اس لئے ان کا زمانہ پہلے کا ہے اور امام بخاری کا بعد کا ہے امام احمد بن حنبل کے زمانے میں معتزلہ کا بہت زور تھا اور سلاطینِ وقت بھی انہیں کے ساتھ تھے۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن حادث ہے مخلوق ہے۔ لفظِ کن سے پیدا کیا گیا ہے۔ ان پر رد کرنے کے لئے حنابلہ حضرات کو میدان میں آنا پڑا اور ان لوگوں نے کھل کر معتزلہ کا رد کیا اور کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے۔ اور یہ قاعدہ تو تم کو معلوم ہی ہے جیسا کہ آجکل بھی اس کا دستور ہے کہ جب کوئی مقتدا کسی چیز کے متعلق رد کرتا ہے تو بہت ہی زور شور اور مبالغہ کے ساتھ تردید کرتا ہے اور جو لوگ اس کی جماعت کے خدام اور مرید ہوتے ہیں وہ اپنے مقتدا اور بڑے کی بات کو خوب زور شور سے اچھال کر پیش کرتے ہیں

چنانچہ امام احمد صاحب کے معتقدین اور متعلقین نے ایک قدم اس سلسلہ میں اور بڑھایا۔ وہ یہ کہ یہ قرآن جو موجود ہے یہ بھی قدیم ہے اور اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں اور یہ دفتین (گتہ) اور کاغذ بھی قدیم ہے۔ ان مبالغہ آرائیوں اور ان نقوش کو جب امام بخاری نے دیکھا تو بڑی شدت سے حنابلہ کا رد کیا اور فرمایا لفظی بالقرآن مخلوق یعنی جو الفاظ قرآن پاک کے میں اپنی زبان سے بول رہا ہوں یہ مخلوق اور حادث ہیں اور جو اس کے خلاف کہے وہ کافر ہے اس سلسلہ میں حنابلہ اور حضرت امام بخاری میں اتنا اختلاف ہوا کہ اگر امام بخاری کے کلام کو دیکھا جائے تو اس سے امام احمد کی تکفیر لازم آتی ہے۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالتصریح ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہوں۔ بلکہ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ امام احمد نے تو معتزلہ کے مقابلہ میں تشدد فرمایا اور امام بخاری نے حنابلہ کے مقابلہ میں۔ اسپر حنابلہ نے امام بخاری کی خبر لی چنانچہ امام بخاری جہاں جاتے ابتلاء میں پھنس جاتے حتیٰ کہ آخر میں سب جگہ سے مایوس ہوکر اپنے وطن مالوف بخارا واپس تشریف لے گئے۔ اسوقت بخارا کا امیر خالد نامی ایک شخص تھا۔

واقعہ امیر خالد اور حادثہ فاجعہ

بخارا پہنچکر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بعض لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اگر ایک بکری کا دودھ دو بچے پی لیں تو ان میں رضاعت ثابت ہو جائیگی یا نہیں؟
امام بخاری نے فرمایا کہ ہاں رضاعت ثابت ہو جائے گی بعض حاسدین نے اسکا خوب شور مچایا ابو حفص کبیر حنفی نے ان سے کہلا بھیجا کہ فقہ دانی اور فتاویٰ تمہارا فن نہیں ہے لہذا فتوے نہ دو، فقہ اور اس کے مسائل ہم لوگوں کے لئے رہنے دو تم صرف اپنے حدیث کے

مشغلے میں منہمک رہو۔ اس کے بعد وہاں کے امیر خالد نے امام صاحب کو کہلا بھیجا کہ میرے لڑکے آپ سے حدیث پڑھنا چاہتے ہیں۔ کسی وقت آکر ان کو پڑھا دیا کیجئے۔ امام صاحب نے جواباً کہلا بھیجا کہ مجھے حدیث پاک کو ذلیل نہیں کرنا ہے جسے پڑھنا ہو میرے پاس آکر پڑھے۔ امیر نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ میں بچوں کے ہمراہ ضرور حاضر ہوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت دوسرے لوگ وہاں تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں۔ صرف میرے لڑکے تعلیم حاصل کریں گے۔ حضرت امام صاحب نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا اور کہا کہ سب بچے پڑھنے میں برابر ہیں۔ امیر کو اس بات پر غصہ آگیا اور اس نے امام صاحب کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ امام بخاری نکل گئے اور نکلتے وقت دُعا کی کہ اے اللہ جس طرح اس امیر نے مجھ کو نکالا تو بھی ذلیل کر کے یہاں سے اس کو نکال دے۔ چنانچہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس امیر سے حاکم اعلیٰ کسی غلطی کی بنا پر ناراض ہو گیا اور اس کو معزول کر دیا اور حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرا کر پورے شہر میں چکر کراؤ۔ بہر حال امام بخاری نے وہاں سے سمرقند کا قصد کیا۔ راستہ میں خرتنگ مقام پر کچھ رشتہ دار تھے۔ رمضان کی آمد کی وجہ سے وہاں قیام فرمایا۔ اسی دوران سمرقند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا تمہارے موافق نہیں ہے۔ حضرت امام صاحب نے جب یہ سُنا تو بہت رنج و غم ہوا اور یہ دعا فرمائی۔ اللھم ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک، یہ دعا آپ نے اخیر عشرہ میں فرمائی اور یہ قبول بھی ہو گئی۔ چنانچہ عید کی رات میں وفات ہوئی اور عید الفطر یوم شنبہ ۲۵۶ھ کو بعد نماز ظہر اس مجسمہ نور کو اسی مقام خرتنگ میں دفن کر دیا گیا۔ دفن کے بعد سنا ہے کہ مدتوں آپ کی قبر مبارک سے

نہایت زوردار خوشبو مہکتی رہی ۔

اب یہ اشکال ہوگا کہ حضرت امام بخاری نے اپنی موت کی تمنا کیوں فرمائی جب کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے دعا فرمائی۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اپنے اوپر نہیں بلکہ حاسدین پر رحم کھاتے ہوئے دعا فرمائی۔ کیونکہ وہاں جاکر اگر لوگ ان کو تنگ کرتے تو ان حاسدین کا بیڑا غرق ہو جاتا تو گویا امت پر رحم کھاتے ہوئے آپ نے موت کی دعا فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجعل الجنۃ مثواہ ۔

امام بخاری کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات یاد رکھنے کے لئے میرے نزدیک آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ جملہ یاد کرلیا جائے "صدق حمید نور" یہ مادہ تو پہلے سے موجود تھا مگر اس کو جملہ کی شکل میں نے دیدی اور لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے یعنی مجسمۂ نور تھے۔ ان تین لفظوں میں سے اول لفظ کے بحساب ابجد ایک سو چورانوے (۱۹۴) نمبر جو نکلتے ہیں وہ تو سن پیدائش ہے اور دوسرے لفظ کے جو باسٹھ (۶۲) نمبر نکلتے ہیں وہ ان کی کل عمر ہے اور نور کے کل نمبرات دو سو چھپن (۲۵۶) ہیں۔ یہ حضرت امام کا سن وفات ہے۔

مذاہب ائمہ ستہ

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ محدثین مقلد تھے یا غیر مقلد، پھر مقلد ہونے کی صورت میں کس کی تقلید کرتے تھے؟

اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے اور بات یہ ہے جو آدمی بڑا ہوتا ہے اس کو ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری جماعت میں شمار ہو جائے کیونکہ اس میں تجاذب اور کشش بہت ہوتی ہے اور ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے چنانچہ امام بخاری کے متعلق غیر مقلدین تو کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین ان کو مقلد مانتے ہیں ۔

اسی طرح بہت سے شوافع نے اپنے طبقات میں ان کو شافعی تحریر کیا ہے میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری پختہ طور پر مجتہد تھے۔ اگرچہ فقہاء شافعیہ نے ان کو طبقات شافعیہ میں اور غیر مقلدین نے اپنا کہا ہے۔ چونکہ امام بخاری احناف سے زیادہ ناراض ہیں اس لئے نمایاں طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شافعی ہیں حالانکہ حضرت امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف ہیں چنانچہ وضومن القبلہ اور قنوت فجر کا باب انہوں نے اپنی کتاب میں نہیں باندھا۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ امام بخاری کے پاس روایت موجود نہیں بلکہ قنوت فجر اور درود شریف کی احادیث موجود ہیں۔ ایسے ہی قلتین اور درود شریف کا بھی باب نہیں باندھا حالانکہ درود فی الصلوۃ شافعیہ کے یہاں واجب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ ور اگر امام صاحب کو مقلد مان ہی لیا جائے تو یہ ہمارے جیسے مقلد نہیں کہلائے جائیں گے کہ جو امام نے کہدیا بس اسی پر عمل کر لیا۔ بلکہ چونکہ ان کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے وہ اقوال ائمہ کو دلائل کی روشنی میں پرکھ سکتے تھے انہوں نے امام کے قول کو جہاں احادیث کے خلاف پایا ترک کر دیا۔

خود امام اعظم ابوحنیفہ رح سے بھی یہی منقول ہے کہ جب تک تم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں سے بیان کیا ہے اس وقت تک میری بات نہ قبول کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح نے بہت سی جگہ امام صاحب رح کی مخالفت کی ہے۔ لیکن ہم جو تقلید کو ضروری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس تھے۔ اب رہ گئے حضرت امام مسلم رح ان کو بعض نے شافعی اور اکثرین نے مالکی قرار دیا ہے۔ ابوداؤد رح

کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ پکے حنبلی ہیں۔ چنانچہ حنابلہ نے ان کو طبقاتِ حنابلہ میں شمار بھی کیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام ابو داود نے اپنی کتاب میں البول قائماً کا باب منعقد فرما کر اس کا جواز ثابت فرمایا ہے جو کہ حنابلہ کا مذہب ہے۔ حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اس کی تصدیق مت کرنا۔ امام نسائیؒ اور امام ترمذیؒ کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں اور میری بھی یہی رائے ہے۔ البتہ امام طحاوی رح پکے حنفی ہیں۔

صحیح بخاری کا تعارف

سن تالیف بخاری شریف کے متعلق مورخین کی رائے یہ ہے کہ اس کو سولہ ۱۶ سال میں لکھا گیا۔ خود امام صاحب سے بھی یہی مدت نقل کی گئی ہے اب یہ کہ بخاری شریف کب تصنیف فرمائی اور کب ختم ہوئی؟ اس کے متعلق مجھے تاریخ کی کسی کتاب میں کچھ نہیں ملا۔ میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس کو سنہ ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اس وقت امام بخاری کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی اور سنہ ۲۳۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ یہ میرا اپنا استنباط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے خود ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کو لکھ کر اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا اور ان اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی کے نام نامی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اور یحیی بن معین کی وفات سنہ ۲۳۳ھ میں ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی ۲۴۱ھ میں اور علی ابن المدینی کی سنہ ۲۳۴ھ میں۔ بہرحال جب یحیی بن معین کی وفات

کے سن سے استدلال کرتا ہے تو جب ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو یقیناً ۲۱۷ھ میں لکھنی شروع کر دی گئی ہو گی۔ اسی حساب سے سولہ سال پورے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سببِ تالیف

بخاری شریف کی تالیف کی وجہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری نے ایک خواب دیکھا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر سے مکھیاں اُڑا رہا ہوں۔ ان کے استاذ اسحٰق بن راہویہؒ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی وقت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو علیحدہ کروگے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ چنانچہ اس خواب کے بعد امام بخاریؒ نے اپنی یہ کتاب تالیف فرمائی۔

اپنی تالیف میں امام بخاری کا اہتمام

عام طور سے بخاری شریف کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔
اول یہ کہ امام نے اس کو روضۃ من ریاض الجنۃ میں غسل کرکے لکھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حطیم میں لکھی۔ اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مدت قیام سولہ سال نہیں ہے بلکہ زائد سے زائد تین چار سال ہیں لہٰذا مذکورہ بات کیسے صحیح ہو گی۔ میری رائے تو یہ ہے کہ سولہ برس تو ساری کتاب کے لکھنے کے ہیں۔ اور تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بیٹھکر لکھے۔ اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔ اس کی تائید خود حضرت امام بخاری کے اس مقولہ سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک حدیث مدینہ میں سُنی اور اس کو بصرہ میں لکھا۔ اور ایک حدیث بصرہ میں سُنی تو اس کو شام میں لکھا اور ایک

حدیث شام میں سنی تو اس کو کوفہ میں لکھا۔ رہا یہ سوال کہ حطیم کعبہ میں اور روضہ مطہرہ مدینہ منورہ میں ہے۔ دونوں باتیں کس طرح درست ہو سکتی ہیں۔ میرے نزدیک جمع بین الروایتین کا طریقہ یہ ہے کہ خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف تین بار تصنیف کی۔ اور یہ مصنفین کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی تصنیف مہتم بالشان ہو تو بار بار اس میں نظر ثانی ہوتی ہے۔ تبییض کی تسوید کی جاتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے تسوید حطیم میں کی ہو اور تبییض روضہ مطہرۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کی ہو یا اس کے برعکس ہو۔ اگر ان اقوال میں جمع کی یہ صورت اختیار کی جائے جو میں نے بیان کی تو پھر اختلاف نسخ کی ایک بڑی وجہ معلوم ہو جائے گی کہ یہ جو نسخوں میں اختلاف ملتا ہے کہ کہیں باب تو ہے لیکن روایت نہیں۔ اور اس کے شراح متعدد جوابات میں سے ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تراجم سارے کے سارے ایک مرتبہ لکھے پھر روایات تلاش کر کے لکھیں۔

تعداد روایاتِ بخاری

امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے اپنی کتاب لکھی۔ اب ان روایات کی تعداد میں اختلاف ہے جن کا انتخاب کیا گیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ کل احادیث مکررات کو شمار کر کے ساڑھے سات ہزار ہیں اور بغیر مکررات کے ساڑھے تین ہزار، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کل احادیث نو ہزار ہیں اور مکررات کو حذف کر کے صرف ڈھائی ہزار باقی رہ جاتی ہیں۔ گویا چھ لاکھ احادیث سے صرف ڈھائی ہزار کا انتخاب ہوا لیکن یاد رکھو کہ بخاری کی احادیث

صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بقیہ کتابوں میں جو احادیث ہیں وہ غلط ہیں۔ بلکہ وہ بھی صحیح ہیں فرق صرف شرائط کا ہے۔ اس پر کلام میں آگے چل کر بھی کروں گا۔ البتہ یہاں اتنا ضرور سن لو کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے اور بخاری شریف میں ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث تعارض سے سالم بھی ہو۔ صحت کا تعلق سند سے ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قباء کی مسجد میں چوبیس[۲۴] روز قیام فرمایا لیکن خود بخاری ہیں دوسری روایت میں ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا تو ظاہر ہے کہ مطابق للواقع ایک ہی حدیث ہوگی۔ لیکن باعتبار سند و قواعد کے دونوں صحیح ہیں۔ یہ عدم مطابقت للواقع تعارض ہی کی ایک فرع ہے رفع تعارض مستقل ایک طریقہ ہے جو اسباق میں بیان کیا جاتا ہے۔

اخذِ روایات میں شیخین کی شرائط

تم اکثر جگہ سنتے ہو گے کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور فلاں حدیث نہیں۔ ان شرائط کا کیا مطلب ہے اور وہ کیا شرائط ہیں۔ خود ائمہ حدیث اور مصنفین حضرات نے اپنی کتابوں کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی بلکہ ان کے بعد کے علماء نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا اور تتبع و تلاش کے بعد اسکی شرائط ان ہی کی کتابوں سے بیان فرما دیں اور اس کے اندر مستقل تصانیف کی گئی ہیں۔ آجکل دو رسالے ملتے ہیں ایک حازمی کا جو بہت مشہور ہے۔ دوسرا رسالہ ایک اور ہے جو حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی کا ہے جو "شروط الائمۃ الستۃ" کے نام سے مطبوع ہے۔ امام بخاری نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ہر روایت کے درمیان دو چیزیں ہوتی ہیں۔

ایک راوی کی اپنی حیثیت اور اس کا ذاتی جوہر۔ یعنی اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا وغیرہ۔ اور دوسری چیز یہ کہ اس کا تعلق اس کے استاذ سے کس درجہ کا ہے؟ حضرت امام بخاری کے نزدیک دونوں شرطیں ہیں۔ یعنی وہ راوی عادل، حافظ، ثقہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے استاذ کے ساتھ اس کا لقار (ملاقات) بھی ثابت ہو۔ اور اس کے ساتھ سفر و حضر میں رہا ہو۔ ورنہ کم از کم حضر میں تو ملازمت رہی ہو۔ کیونکہ جو آدمی سفر و حضر کا ساتھی ہوگا اس سے غلطی کا امکان بہت کم ہے۔ لیکن امام مسلم بھی پہلی شرط میں تو امام بخاری کے ساتھ ہیں یعنی عادل اور ثقہ ہونا۔ البتہ دوسری شرط یعنی ثبوت لقار ان کے یہاں ضروری نہیں۔ بلکہ صرف امکان لقاء کافی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ | اکثر مصنفین و محدثین حضرات جا بجا یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور وہ لوگ اس کے لئے یہ کافی سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں مثلاً کوئی حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی جائے۔ عن الحمیدی عن سفیان بن عیینہ۔ تو اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ علی شرط البخاری ہے کافی نہیں بلکہ اس حدیث کا علی شرط البخاری ہونا اسوقت ہوگا جب کہ بخاری میں بھی کوئی روایت اسی سند کے ساتھ مذکور ہو۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اگر وہ دونوں راوی کسی حدیث کی ایک ہی سند میں ہیں تو وہ علی شرط البخاری ہو گی۔ کیونکہ دونوں رواۃ کے یک جا ہونے سے یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور لقار بھی ایک دوسرے سے ثابت ہے۔ لیکن اگر وہ دونوں رواۃ بخاری میں ہوں ایک کسی سند میں اور دوسرا کسی اور حدیث کی سند میں ہو تو یہ شرط بخاری کیلئے کافی

نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا لقاء ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ دونوں کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اب رہے ائمہ اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) ان کی شروط بھی تتبع کر کے علماء نے لکھی ہیں۔ ان کے لئے مذکورہ بالا دونوں رسالے ملاحظہ کر لئے جائیں۔

ثلاثیاتِ بخاری

بخاری شریف میں بائیس[۲۲] ثلاثیات ہیں اور یہ ثلاثیات ان ستائیس انواع کتب حدیث ہیں جو لامع میں مذکور ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایک تبع تابعی۔ دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی کا اور یہ حدیث کی بہت ہی اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین اور تبع تابعین یہ سب خیر القرون کے حضرات ہیں۔ علماء نے ثلاثیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور مستقل شروحات اور تراجم لکھے۔ خود تمہاری بخاری شریف کے حاشیہ پر بھی جا بجا اول الثلاثیات، ثانی الثلاثیات موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جب ثلاثیات اتنی مفخم ہیں اور ان کو اعلیٰ نوع میں شمار کیا گیا ہے تو فقہ حنفی تو اس سے بھی مہتم بالشان ہے کیونکہ وہ تو ثنائی ہے۔ یعنی اسمیں ایک واسطہ تابعی کا ہے دوسرا صحابی کا۔ کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ احناف کے نزدیک روایۃً بھی تابعی ہیں اور رویۃً بھی۔ البتہ غیر حنفیوں کے نزدیک اگر روایۃً تابعی نہیں ہیں تو رویۃً تابعی ہونا ان کو بھی تسلیم ہے۔ اور پھر ان دو واسطوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہی۔ ایک بات یہاں یہ بھی سن لو کہ کہیں کہیں تم کو امام صاحب اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار چار پانچ پانچ واسطے بھی ملیں گے مگر وہ جزوی طور پر آ جاتے ہیں ورنہ کلی طور پر وہ ثنائی ہی ہیں

دوسری بات یہاں یہ بھی سن لو کہ بخاری کی جو ثلاثیات ہیں ان میں بیس[۲۰] کے تو استاذ حنفی ہیں اور دو کے متعلق میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ حنفی ہیں یا کوئی اور، انشاء اللہ حنفی ہی ہوں گے، مجھے کتب رجال میں ان دو کے متعلق کچھ معلومات نہیں مل سکیں۔

بحث رابع انواع کتب حدیث علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔

انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کے لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں؟ اس کے متعلق میرے اکابر مختصر کلام فرمایا کرتے تھے اور کل تین قسمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع۔ سنن۔ مسند۔ یہی تم حضرت گنگوہی کے اور دوسرے اکابر کے کلام میں پاؤگے۔ لیکن مسند الکل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں جنمیں انہوں نے جوامع اور سنن کو ایک شمار فرماکر اس طرح تقسیم فرمائی ہے۔ جوامع، مسانید، معجم، اجزاء، رسائل، اربعینات، جب میں نے ابتدائے تدریس حدیث کے وقت مشکوۃ شریف پڑھائی تو تلاش وتتبع شدید کے بعد معلوم ہوا کہ بارہ کے قریب ہیں اس کے بعد مزید تلاش کرنے سے پندرہ سولہ معلوم ہوئیں۔ لیکن جب لامع کا مقدمہ لکھا تو یہ انواع ستائیس کے قریب پہنچ گئیں۔ اب یہاں میں مشہور مشہور انواع کو شمار کراتا ہوں وہ یہ ہیں۔ جامع[۱]، سنن[۲]، مسند[۳]، معجم[۴]۔ اطراف[۵]۔ علل[۶]۔ مستدرک[۷]۔ مستخرج[۸]۔ اربعینہ[۹]۔ اجزاء[۱۰]۔ مشیخہ[۱۱]۔ تراجم[۱۲]۔ غرائب[۱۳]۔ تخاریج[۱۴]۔ تعالیق[۱۵]۔ زوائد[۱۶]۔ چونکہ تم لوگوں کو حاشیہ وشروحات میں اس کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے ان کی تشریح بھی کئے دیتا ہوں۔

جامعؒ ۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو یعنی عقائد احکام ۔تفسیر تاریخ ۔ آداب ۔ رقاق ، مناقب ، فتن ۔ بخاری اور ترمذی جامع ہے کیونکہ اس میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں ۔ لیکن ترمذی کو سنن ترمذی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے ۔ البتہ مسلم شریف میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں کیونکہ باب التفسیر اس میں بہت مختصر ہے ۔جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ اس میں مختصر تفسیر کا باب بھی موجود ہے ۔ اور دوسرے حضرات نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا ۔ میرے نزدیک مسلم شریف جامع ہے کیونکہ باب تفسیر گو مختصر ہے لیکن موجود تو ہے ۔

سننؒ :۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقہ پر مرتب کئے گئے ہوں ۔ یعنی جیسے فقہ کی کتابوں میں ابواب فقہیہ ہوتے ہیں ایسے ہی اسمیں بھی ہوں جیسے سنن نسائی ۔ ترمذی کو بعض لوگوں نے سنن میں داخل کیا ہے کیونکہ اس میں ابواب فقہیہ کا خاص لحاظ رکھا ہے اور اسی کو اصل قرار دیا گیا ہے ۔

مسندؒ ۔ پہلے زمانہ میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھی ہیں ۔ مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی مرویات کو ایک جگہ ذکر کیا جائے خواہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق ہو ۔ لیکن اس کی ترتیب مختلف طرح سے ہوتی ہے ۔ بعضؒ تو افضل کو مقدم کرتے ہیں ۔ اس صورت میں اولاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات ہوں گی ۔ اور بعضؒ حروفِ تہجی کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں ۔ اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حرف العین میں آئیں گے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ حرف الالف میں ہوں گے۔ اور بعض تقدم اسلام کے لحاظ سے جمع کرتے ہیں۔ یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی مرویات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔ اور بعض محدثین نے مراتب صحابہ کے اعتبار سے مسانید لکھی ہیں۔ ان میں سب سے پہلے حضرات خلفائے راشدین، ان کے بعد اہل بدر اور پھر بیعت الرضوان کے شرکاء اس کے بعد فتح مکہ والوں کے نام سے احادیث بیان کی ہیں۔ متقدمین میں بہت سے حضرات نے مسانید لکھی ہیں[1]

معجم ۔ وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو ذکر کیا جائے۔ اور میرے نزدیک معجم وہ ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے روایات مذکور ہوں۔ خواہ علی ترتیب الصحابہ ہوں یا علی ترتیب الشیوخ۔ ان میں معروف ترین معجم طبرانی ہے۔

اطراف ۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ایک ٹکڑا اول سے لیکر جمع کر دی جائیں۔ تاکہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔ اور کبھی اس کے ساتھ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک ٹکڑا ذکر کر کے اس کی وہ تمام سندیں جو کتابوں میں مروی ہیں جمع کر دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے عنوان باندھا "انما الاعمال بالنیات" الحدیث۔ اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔

علل ۔ یہ بہت مشکل فن ہے اس کے اندر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ

---

[1] ان میں مشہور ترین مسند امام احمد بن حنبل ہے۔ دیگر مسانید میں مسند ابوداود طیالسی۔ مسند ابو یعلیٰ۔ مسند ابو عوانہ، مسند اسحٰق بن راہویہ چھپ چکی ہیں۔

علت ہے علل میں اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے نقائص پر تنبیہ
کی جاتی ہے ۔

مستدرک ۔ اس کتاب کو کہتے ہیں کہ کسی کتاب کی شرط کے مطابق وہ روایات
جمع کردی جائیں جن کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو۔ خواہ عمداً یا سہواً
جیسے مستدرک حاکم اس میں بخاری اور مسلم دونوں کتابوں پر استدراک ہے ۔
اور جیسے مشکوٰۃ شریف کہ یہ علامہ بغوی کی کتاب مصابیح پر تخریج ہے اور اسمیں
فصل ثالث بطور استدراک ہے ، اس کے بالمقابل ایک نوع اور ہے وہ ہے مستخرج۔

مستخرج ۔ یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کرنا بشرطیکہ
مصنف درمیان میں نہ آیا ہو ۔ اور فائدہ اس کا تقویت ہے ۔ کیونکہ جو حدیث
کسی سند کے ساتھ اصل کتاب میں ہے تو مستخرج والا اپنی مستخرج میں اسی حدیث
کو دوسری سند سے ذکر کرے گا۔ جیسے مستخرج ابوعوانہ یہ مسلم شریف پر ہے ۔

اربعینہ ۔ جس کو ہمارے یہاں چہل حدیث کہتے ہیں ۔ اس کے متعلق علماء
نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص
میری امت کے لئے چالیس حدیثوں کو محفوظ کرلے وہ قیامت کے دن علماً
کے زمرہ میں ہو گا[لہ] ۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن علماء حدیث قاطبۃً کہتے ہیں

لہ قال الامام النووی فی مقدمۃ اربعینہ رُوینا عن علی ابن طالب وعبد اللہ بن مسعود ومعاذ
بن جبل وابی الدرداء وابن عمر وابن عباس وانس بن مالک وابی ہریرۃ وابی
سعید الخدری رضی اللہ عنہم اجمعین من طرق کثیرۃ بروایات متنوعات ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من حفظ امتی اربعین حدیثا من امر دینہا بعثہ اللہ تعالیٰ
یوم القیامۃ فی زمرۃ الفقہاء والعلماء" وکنت لہ یوم القیامۃ شافعاً وشہیداً "وفی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چالیس احادیث نہ لکھی ہوں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ایک چہل حدیث بھی لکھی ہے جو بہت مختصر بھی ہے اور میرے والد صاحب کے یہاں وہ مفید الطالبین کی بجائے داخل درس تھی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے اور اس میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ تمام احادیث مسلم شریف کی اس طرح ذکر فرمائی ہیں کہ امام مسلم کو سند میں امام بخاری سے اوپر رکھا ہے وہ اسطرح پر کہ مثلاً امام مسلم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے (استاذ) ہیں اور امام بخاری اور نبی کریم صلی اللہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں۔

اجزاء اور رسائل:۔ اجزاء تو وہ ہیں جن میں کسی شخص واحد کی مرویات ذکر کردی جائیں۔ خواہ وہ صحابی ہوں خواہ بعد کا کوئی راوی ہو۔ جیسے کسی نے جزء امام مالک لکھدیا اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی خاص مسئلہ پر روایات کو جمع کردیا گیا ہو۔ ان (اجزاء و رسائل) کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے الگ الگ دو قسمیں شمار کیا ہے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ)

رواية ابن مسعود رضی اللہ عنه "قيل له ادخل من اى ابواب الجنة شئت" وفی رواية ابن عمر رضی اللہ عنه "كتب فی زمرة العلماء وحشر فی زمرة الشهداء" واتفق الحفاظ على انه حديث ضعيف وان كثرت طرقه وقد صنف العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنهم فی هذا الباب ما لا يحصى من المصنفات الى آخر ما قال رحمه الله تعالىٰ۔ وذكر الحديث صاحب المشكوٰة فی كتاب العلم وعزاه الى البيهقی فی شعب الايمان وقال: قال الامام احمد فی حديث ابی الدرداء هذا متن مشهور فی ما بين الناس وليس له اسناد صحيح۔

مگر میرے نزدیک دونوں ایک ہیں متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کر دیا چنانچہ علامہ سیوطی بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری کا جزء رفع الیدین مشہور ہے حالانکہ وہ ایک مسئلہ سے متعلق ہے۔ لیکن شاہ صاحب کے قول کے موافق اس کو رسالہ کہنا چاہیئے۔

مشیخہ[11] :- وہ مجموعہ ہے جسمیں شیخ واحد یا متعدد شیوخ کی روایات جمع کر دی جائیں۔ خواہ محدث نے خود ہی جمع کر دی ہوں خواہ دوسرے شخص نے۔ اور یہ کسی مسئلہ سے متعلق ہوں۔

تراجم[12] :- یہ ہے کہ کسی خاص سند کو لیکر اس سند کی روایات مرویہ کو جمع کر دیا جائے۔ جیسے شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

افراد و غرائب[13] :- یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جسمیں کسی جگہ پر رواۃ میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو۔ لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے۔ اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تغلیط کرتی ہے کیونکہ اس میں حضرت عمر سے لیکر یحیٰی بن سعید الانصاری تک تفرد واقع ہوا ہے جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا جب ہدایہ میں جا بجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھو قلت غریب تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں۔ اور اللہ کے فضل سے بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث انما الاعمال

بالنیات۔ اور آخری حدیث کلمتان حبیبتان دونوں غریب ہیں۔
تخاریج:۔ اس کا اطلاق ان کتابوں پر کیا جاتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلا سند کے مذکور ہوں،
تعالیق:۔ یہ متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایات حدیث بلا سند ذکر کیا جائے۔ یعنی اسانید حذف کردیئے جائیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح اور جامع الاصول اور جمع الفوائد ہیں،
زوائد:۔ یہ مستدرک کے ہی قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر زائد روایات کا اضافہ کردیا جائے جو پہلی کتاب میں نہ ہوں۔ جیسے زوائد ابن حبان علی الصحیحین۔ حافظ مغلطائی کی تصنیف ہے اور جیسے حافظ ہیثمی نے چند کتب کی وہ زوائد جمع کی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔

بحث خامس مراتب کتب حدیث

کتب حدیث کا مرتبہ دو حیثیت سے ہے۔ ایک فضیلت کے اعتبار سے۔ دوسرے تعلیم کے اعتبار سے تعلیمی اعتبار سے جو درجہ ہے وہ میرا خود تجویز کیا ہوا ہے۔ لیکن اب اس دور میں وہ باقی نہیں رہا کیونکہ پہلے ہمارے اکابر کے یہاں دورہ عام طور سے ایک ہی استاذ کے یہاں ہوتا تھا۔ حالانکہ آج صحاح کی ہر کتاب الگ الگ استاذ کے پاس ہوتی ہے لیکن حضرت گنگوہی نے سنہ ۱۳۰۱ھ سے لیکر سنہ ۱۳۰۹ھ کے اختتام تک تمام دورہ خود ہی پڑھایا۔ اسی طرح ان کے استاذ حضرت شاہ عبدالغنی اور ان کے بھی استاذ حضرت مولانا شاہ اسحٰق نے دورہ کی تمام کتب تن تنہا پڑھائی ہیں۔ اسی لئے ان حضرات کے یہاں ایک ترتیب تھی۔ وہ اس طرح کہ سب سے پہلے ترمذی پھر ابوداود پھر بخاری شریف پھر مسلم

اس کے بعد نسائی اور پھر ابن ماجہ۔ اس ترتیب کا مبنی ان کتابوں کی تصنیف کے اغراض پر ہے۔ کیونکہ ہر مصنف کا تالیف و تصنیف کے وقت ایک خاص مطمح نظر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی تصنیف کے اندر اور بہت سے امور کا لحاظ رکھتا ہے۔ مگر خاص منشأ ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اغراض مصنفین صحاح ستّہ چنانچہ امام ترمذی کے پیش نظر اختلاف ائمہ کو بتلاتا ہے۔ اسی لئے ہر باب میں وہ ائمہ کا اختلاف نقل کرتے ہیں۔ اور امام ابوداود کا وظیفہ مستدلات ائمہ کو بتلاتا ہے چنانچہ جتنے مستدلات ابوداود میں ملتے ہیں اتنے کسی اور کتاب میں نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی قرآن مجید اور ابوداود کو حفظ کرے گا تو مجتہد ہو جائے گا۔ اور امام بخاری کا مقصد اور غرض تالیف استنباط ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ احادیث سے مسائل کیسے مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مسلم شریف کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے۔ اسی لئے امام مسلم ایک باب میں متعدد احادیث لاتے ہیں۔ تاکہ جو امام بھی اس حدیث سے مسئلہ مستنبط کرے تو اس کی دلیل کی تقویت کسی حدیث سے ہو جائے۔ بخلاف ابوداود کے کہ وہ ہر باب میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے جو طبع ہو چکا ہے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ہر باب میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اگر میں کسی باب میں دو حدیثیں لاؤں تو وہ کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔ اور امام نسائی کا مقصد یہ ہے کہ وہ احادیث کی علل خفیہ پر بڑا خطا کر کے متنبہ کرتے ہیں۔ اور ابن ماجہ میں ہر قسم کی احادیث ہیں۔ ان میں سے آدمی صحیح اور سقیم کا انتخاب خود کرے۔ جب ان چھ کتابوں کے اغراض کی یہ تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سنو کہ

ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے؟ یہ بات ترمذی سے معلوم ہو گی۔ اس کے بعد جب مذہب معلوم ہو گیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو۔ وہ وظیفہ ابو داؤد کا ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔ یہ وظیفہ بخاری کا ہے کہ وہ استنباط مسائل کا طریقہ دکھلاتے اور بتلاتے ہیں۔ اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہو گئے اور دلائل سامنے آ گئے تو ان دلائل کی تقویت کے لئے اسی مضمون کی دوسری حدیث بھی ضروری ہوتی ہے۔ یہ کمی امام مسلم پوری کرتے ہیں۔ اب آدمی مولوی ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس کے اندر کوئی علت تو نہیں اس کا تعلق نسائی سے ہے۔ اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اب اس کو چاہیئے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں کیونکہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائی ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کئے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کی تلاش کرے۔ اس کی معین ابن ماجہ ہے کیونکہ اس میں احادیث مختلط ہیں۔ اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے۔ انہی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی۔ اب رہ گئی فضیلت کے اعتبار سے ترتیب تو یہ ترتیب علماء سے منقول ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم

بخاری ہے بلکہ تقریباً سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ مغاربہ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں مسلم شریف سب سے اصح ہے اور افضل ہے۔ لیکن چونکہ یہ قول شاذ ہے اس لئے علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ ان کے افضل اور اصح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترتیب کی جودۃ اور حسن سلیقہ کے اعتبار سے اقدم ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ بخاری کے اندر اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث بخاری کے اندر اگر تلاش کرنا چاہیں تو اپنے موقع پر نہیں ملے گا اِلّا قلیلاً۔ بخلاف مسلم کے کہ اس میں ایک مضمون کی احادیث ایک ہی جگہ جمع کردی ہیں جسکی وجہ سے تلاش کرنے میں آسانی ہوگئی۔ باقی اس کے علاوہ بخاری ہر اعتبار سے بالخصوص صحت کے اعتبار سے مسلم پر فائق ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جو احادیث بخاری و مسلم میں متکلم فیہ ہیں ان کے اندر بخاری کی روایات کم ہیں لیکن مسلم کی زیادہ ہیں۔ چنانچہ بخاری کی اٹھتر (۷۸) روایات اور مسلم کی سَو (۱۰۰) احادیث متکلم فیہ ہیں اور بتیس (۳۲) احادیث ایسی ہیں جسمیں بخاری و مسلم دونوں مشترک ہیں۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ بخاری کی کل احادیث متکلم فیہ ایک سو دس (۱۱۰) ہیں اور مسلم کی ایک سو بتیس (۱۳۲) ہیں۔ یہ اعداد کا یاد رکھنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے کسی نے ان کو ابجد کے لحاظ سے ایک شعر میں جمع کردیا ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ شعر علامہ سیوطی کا ہے مگر لامع کا مقدمہ لکھتے وقت جو تلاش کیا تو ملا نہیں۔ ممکن ہے کہ میری نظر چوک گئی ہو۔ وہ شعر یہ ہے۔

فدعد (۷۸) للجعفی وقاف لمسلم   وبل (۳۲) لهما فاحفظ وقیت من الردی

اس کے اندر فدعد میں فا تو زائد ہے۔ اور باقی جو حروف ہیں ان کے عدد اٹھتر ہیں۔ اور جعفی سے مراد امام بخاری ہیں و قاف کے نمبر ۱۰۰ ہیں اور دوسرے مصرع

میں لفظ مِل دونوں کے لئے ہے جس کے عدد بتیس ۳۲ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کو یاد کرلے ہلاکت سے بچ جائے گا۔ اب یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے مروی ہے ما تحت ادیم السماء اصح من الموطا اس سے معلوم ہوا کہ مؤطا امام مالک بخاری سے بھی اصح ہے اور اگر اصح و افضل نہیں تو کم ازکم اس کے درجے میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہ فرمان بخاری شریف کی تصنیف سے پہلے کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری شریف کی تصنیف سے قبل سب سے اصح مؤطا امام مالک ہی تھی۔

صحاح ستہ کا مصداق علماء کے نزدیک پانچ کتابیں اجماعی طور سے صحاح میں داخل ہیں۔ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود۔ اور نسائی۔ لیکن چھٹی کتاب میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کونسی ہے؟ صاحب جامع الاصول اور ابوالبرکات شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا کی رائے یہ ہے کہ وہ مؤطا امام مالک ہے گویا یہ حضرات جب الاصول الستہ یا امہات الستہ وغیرہ کہیں تو چھٹی کتاب مؤطا ہوگی۔ لیکن بعض حضرات نے مؤطا کا اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ مؤطا کے اندر احادیث کم ہیں اور آثار صحابہ زیادہ ہیں اگرچہ سند کے اعتبار سے سب صحیح ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ چھٹی کتاب مسند دارمی ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے اور اب یہی سادس ستہ بنی ہوئی ہے اور یہی مراد لی جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک بخاری کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے اور اس کے بعد ابوداود شریف کا ہے۔ لیکن ایک مختصر سی جماعت یہ کہتی ہے کہ مسلم اور ابوداود دونوں برابر ہیں کوئی ایک افضل نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلم شریف کے

کے خطبہ میں اس کے مصنف نے خود تحریر فرمایا ہے کہ تمام احادیث کے رواۃ کا مالک و سفیان جیسا (ذمہ دار) ہونا ضروری نہیں بلکہ ان سے کم درجہ کے روایات اس کتاب میں آئیں گی۔ ایسے ہی امام ابو داود نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے تحریر فرمایا ہے کہ وما کان فیہ وھن شدید بینتہ یعنی جن روایات میں وہن شدید کمزوری ہے اس پر میں نے متنبہ کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کتابوں میں جہاں اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ایسے ہی کم درجہ کی بھی احادیث ہیں۔ مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف مرتبہ ثالثہ کے اندر ہے۔ چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے لیکن بعض علماء نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے اور جن کو علامہ سیوطی نے زہر الربی میں ذکر کیا ہے نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے مگر اکثرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور میرا چکی کا پاٹ یہ ہے کہ طحاوی شریف بھی مرتبہ ثالثہ یعنی ابوداؤد کے درجہ میں ہے کیونکہ ابن حزم ظاہری جیسے متشدد نے بھی طحاوی کو ابوداؤد کے درجہ میں رکھا ہے۔ ان چاروں کے بعد ترمذی کا نمبر ہے۔ لیکن اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ترمذی کو مسلم شریف کے بعد رکھا ہے۔ اور دوسرے محدثین نے اس کو نسائی کے بعد رکھا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ترمذی کے اندر احادیث ضعیفہ ہیں جس کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ کم ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اس کو تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں لیکن وہ اس پر ساتھ ساتھ متنبہ بھی کر دیتے ہیں۔ لہذا جب اس پر متنبہ کر دیا تو اب کتاب پر کیا اشکال رہا۔ ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے اور اس کو سب سے موخر اس

وجہ سے کرنا پڑا کہ اس میں احادیث ضعیفہ کیا احادیث موضوعہ تک ہیں۔ اور ضعف پر تنبیہ نہیں کی گئی ہے۔

بحث سادس قسمت و تبویب علم کی تقسیم و تبویب تو بہت طویل ہے اس کا ذکر مقدمۃ العلم میں گذر چکا ہے اور کتاب کی تقسیم وہ فہرست ہے جو کتاب کے شروع یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب فلاں ورق پر ہے۔

بحث سابع حکم شرعی اس حکم کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے دوسرے اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے پڑھنے اور پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورت تفرد واجب ہے۔ اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر کتب احادیث میں سے صرف بخاری شریف پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب حدیث ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے اور دوسری نوع کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو۔ مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا کوئی اور حدیث۔ پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔

یہاں تک سولہ بحثیں ختم ہو چکیں اب چار بحثیں اور سنو جو تمام تر میری گھڑی ہوئی ہیں۔

بحث اوّل وجہ اختلاف اور تعدد نسخ پہلے زمانے میں مطابع اور پریس کی یہ موجودہ سہولتیں تو تھی نہیں کہ ہزاروں نسخے مصر، عرب اور ہندوستان سے نکل رہے ہیں بلکہ استاد اپنی یاد سے یا اپنی

اصل کتاب سے اور شاگرد اپنی یادداشت سے کام کرتا تھا اور ہمیشہ یہی دستور رہتا تھا کہ ہر سال لوگ کسی استاذ سے پڑھنے آتے استاذ سناتا اور تقریر کرتا شاگرد سنتے رہتے اور لکھتے رہتے اور چونکہ یہ عام دستور ہے کہ تقریر جب عام طور سے ہر سال کی جائے تو کچھ نہ کچھ فرق الفاظ وغیرہ کے اندر ہو ہی جاتا ہے۔ مثلاً کسی جگہ مفصل بیان کر دیا۔ آئندہ اس مقام کو مجملاً کہدیا اور چونکہ احادیث کو مختصر کر دینا یا بالمعنی روایت کرنا جائز ہے۔ اس وجہ سے اسوقت کے اساتذہ بھی ایسا کر لیا کرتے تھے جیسے ایک سال ایک حدیث کو خوب تفصیل سے بیان کیا۔ دوسرے سال اختصار کر دیا۔ اسی بنا پر شاگردوں کے لکھنے میں بھی اختلاف ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ نے جو اپنی سندیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نسخے تو بخاری کے مشہور و متعارف ہیں۔ ایک نسفی کا۔ دوسرے بزدوی کا تیسرے حماد بن شاکر کا چوتھے فربری کا، البتہ ایک پانچواں نسخہ محاملی کا اور رہے جو مختلف فیہ ہے کہ آیا اس کی حیثیت مستقل نسخہ کی ہے یا نہیں۔ علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل نسخہ ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سند محاملی تک پہنچائی ہے۔ مگر حافظ ابن حجر اس کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محاملی امام بخاری کے شاگرد تو ہیں لیکن انہوں نے بخاری کی سماعت خود امام بخاری سے نہیں فرمائی بلکہ اس کی نقول اور املائیں کی ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب حافظ ابن حجر کسی چیز کا انکار کر دیتے ہیں تو مجھے اس پر رد کرتے میں تامل ہوتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی رد کرتا بھی ہوں۔ لیکن یہاں خود دو بڑے محدثین میں اختلاف ہو رہا ہے۔ اگر تقدم زمانی کو دیکھا جائے تو علامہ کرمانی کی بات صحیح ہے اس لئے کہ وہ مقدم بھی ہیں نیز

یہ کہ انہوں نے اپنی سند محاملی سے ملا دی اور اگر حافظ کا مرتبہ فی الحدیث دیکھا جائے تو ان کی بات کو صحیح ماننا پڑے گا۔ بہرحال ہمارے یہاں ان چاروں پانچوں نسخوں میں اب ایک نسخہ ملتا ہے جو فربری کا کہلاتا ہے۔

فربری ان کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری ہے۔ فربر بکسر الفاء وفتح الراء وسکون الیاء، ایک گاؤں ہے جو بخارا سے ۲۰-۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کل عمر ۹۰ سال ہے۔ حضرت امام بخاری کے انتقال کے وقت ان کی عمر چھبیس ۲۶ سال تھی۔ گویا چونسٹھ سال بعد تک زندہ رہے۔ تو چونکہ بعد میں اتنی مدت تک پڑھایا اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لئے یہی نسخہ زیادہ متداول ومتعارف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فربری نے بخاری سے دوبار بخاری شریف پڑھی۔ اول مرتبہ ۲۴۸ھ میں دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں، پھر ۲۵۶ھ میں امام بخاری انتقال ہی فرما گئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین مرتبہ پڑھی۔ واللہ اعلم

فربری فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے صحیح بخاری شریف نوے ہزار اشخاص نے سنی لیکن ان سے روایت کرنیوالا میرے علاوہ اس وقت کوئی باقی نہیں رہا۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بزدوی ان کے بعد تک باقی رہے۔ فربری کے اس کلام کی توجیہہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرمادیا۔ فربری سے بخاری شریف کے نقل کرنیوالے بارہ شاگرد ہیں۔ ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا اور امام نووی وعلامہ کرمانی نے ان کے علاوہ دو شاگردوں کا اور تذکرہ کیا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک اور شاگرد کا ذکر کیا ہے۔ لامع کے مقدمہ میں میں نے ایک نقشہ میں اس کی تفصیل لکھدی ہے وہاں دیکھ لینا۔

فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہ

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اگر امام بخاری کے شاگردوں کے نسخوں میں اختلاف ہو تو وہ برمحل ہے کیونکہ جب مصنف نظر ثانی کرتا ہے تو ضرور محو و اثبات کرتا ہے لیکن فربری سے پڑھنے والوں کے نسخوں میں اختلاف کی کیا وجہ ہے؟۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک معقول اور دوسرا غیر معقول، غیر معقول ہی زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جیساکہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ استاذ املاء کراتا تھا اور شاگرد لکھتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیقظ اور بیدار نہیں ہوتے اس لئے کسی نے کچھ لکھا اور کسی نے کچھ۔ جیسے کہ تم امتحان کے پرچوں میں دیکھتے ہو کہ ممتحن ایک ایک حرف بولتا ہے پھر بھی لکھنے میں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری وجہ جو معقول ہے (اور جو اتنی قوی بھی نہیں) وہ یہ ہے کہ فربری نے اپنے استاذ کے ساتھ غایت محبت کی بنا پر دونوں نسخوں کی روایات لے لیں۔ اگرچہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آخری نسخہ یہی ہے۔ اور دوسرا نسخہ آخری نہیں۔ جیسے کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ جب حضرت ابن مسعود کی اس روایت پر پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو دو سورتیں ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ تو میرے حضرت نے غایت محبت کی بناء پر فرمایا۔ زکریا مجھے بھی ایک پرچہ پر یہ ترتیب لکھ کر دینا آج تہجد میں اسی طرح پڑھیں گے۔" تو باوجودیکہ وہ قرآن اور اس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے۔ لیکن غایت تعلق کی بنا پر حضرت نے اس کو پڑھا۔

ایک خواب کا ضروری تذکرہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے بسم اللہ سے کتاب شروع کردی الحمدللہ

نہیں لکھی اس پر اشکال ہوا اس کے مختلف جوابات دیئے گئے،
ایک جواب یہ ہے جو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ
مجھ سے مدینہ منورہ میں کسی شخص نے خواب میں کہا کہ مجھے بخاری
پڑھا دیں میں نے کہا کہ ضعف پیری کی وجہ سے مشکل ہے، اور
میرے پاس کتابیں بھی نہیں ہیں تو امام بخاری نے فرمایا کہ
آپ پڑھائیں میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں (کچھ اشکال ہوگا
تو میں بتا دوں گا) اس پر میں نے پڑھانا شروع کیا شراح
حدیث نے جو جوابات لکھے ہیں وہ بیان کر دیئے۔ حضرت امام
بخاریؒ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے اصل میں
جب میں نے حدیثیں اکٹھی کرنی شروع کی تھیں تو بس اکٹھا کرتا
جاتا تھا اور یہ خیال میں نہیں تھا کہ کونسا باب شروع میں لکھنا
ہے کہاں سے کتاب شروع کرنی ہے بعد میں جب ترتیب دی
تو ان سب بابوں کو جمع کر دیا۔

بحث ثانی طبقات کتب حدیث

شروع میں جہاں اجمالی خاکہ ان ابحاث
کا بیان کیا تھا۔ اس میں میں نے یہ کہا کہ ایک تو مرتبہ مقدمۃ الکتاب
سے متعلق ہے۔ اور دوسرا مرتبہ کتب حدیث سے وابستہ

ہے ۔ یہ دونوں مرتبے الگ الگ ہیں۔ مراتب کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں اس لئے اب اسکی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیئے جائیں اس لئے غور سے سنو۔ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے "عجالہ نافعہ" میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اتباع میں بیان فرمائی ہیں ۔ مگر خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی دوسری کتاب "مایجب حفظہ للناظر" میں پانچ قسمیں بیان کر دیں ۔ یہ بظاہر ایک بڑا تعارض ہے ۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں ۔ کیونکہ عجالہ نافعہ" میں جو تقسیم ہے وہ شہرت اور صحت ہر دو کے اعتبار سے ہے ۔ اور" مایجب حفظہ للناظر" میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجۂ شہرت کو نہیں پہنچی جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود وغیرہ ۔ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے ۔ جیسے ابن ماجہ وغیرہ ۔ بہر حال حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ "مایجب حفظہ للناظر" میں کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں ۔

پہلا طبقہ پہلا طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں جن کی احادیث کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں ۔ ہذا صحیح ، اور اگر کوئی اس کے خلاف کہے تو اس سے دلیل طلب کی جائے گی ۔ اس میں صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مسند ابو عوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ داخل ہیں ۔ مستدرک حاکم کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حافظ ذہبی نے

اس کی بہت سی روایات پر نقد کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث پر ذہبی نے سکوت کیا ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے اور جس پر کلام کر دیا وہ طبقۂ ثالثہ میں داخل ہے جو آگے آرہی ہے۔ اس لئے کہ حاکم نے مستدرک میں صحاح کے ساتھ ضعاف پر بھی صحت کا حکم لگا دیا ہے۔

دوسرا طبقہ دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح للاحتجاج ہے۔ یعنی اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ احتجاج کے واسطے صحیح کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے۔ اس طبقہ میں ابوداود شریف، نسائی، ترمذی وغیرہ داخل ہیں۔ میرا جی کا پاٹ یہ ہے کہ ابوداود، نسائی تو بالیقین داخل ہیں۔ مگر ترمذی کے داخل ہونے میں کلام ہے۔ اس لئے کہ اس کی بہت سی روایات متکلم فیہ ہیں۔ البتہ میرے نزدیک طحاوی اس طبقہ میں داخل ہے۔ کیونکہ سلف میں سے بعض نے طحاوی کو ابوداود شریف کے درجہ میں رکھا ہے حضرت شاہ صاحب نے اسی طبقہ میں مسند احمد بن حنبل کو بھی شمار کیا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ یہ ہے کہ اس کی کتب میں جو احادیث آئیں گی ان کے متعلق ہم نہ یہ کہیں گے کہ یہ صحیح ہے اور نہ اس کی تغلیط کریں گے بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں۔ اس طبقہ میں مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل نے مسند احمد پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے جس کو زوائد المسند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ وہ ہے جو پہلے کے بالکل برعکس ہے اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ضعیف ہیں۔ اس طبقہ میں دیلمی کی مسند فردوس اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول داخل ہیں۔ یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں ان میں کثرت سے روایات ضعیفہ داخل ہیں اور کتب تفاسیر کی عموماً تمام ہی روایات ضعیف ہیں۔

پانچواں طبقہ اس میں وہ تمام کتب داخل ہیں جسمیں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن رابع یا ثالث میں علی اختلاف الروایات افشائے کذب کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ قرن رابع یا ثالث میں بکثرت احادیث گھڑ دی گئیں۔ مثلاً بعض لوگوں نے بادشاہوں کو خوش کرنے کیلئے یہ حدیث گھڑی کہ کبوتر بازی جائز ہے مگر چونکہ اللہ کو اس دین کی حفاظت کرنا تھی اس لئے اس نے ایک جماعت ایسی پیدا فرما دی جس نے موضوع احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی کی اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ اور دوسری کتاب ذیل اللآلی ہے۔ یہ کتاب دراصل اللآلی المصنوعہ پر اضافہ ہے کیونکہ علم میں تو ازدیاد ہوتا ہی رہتا ہے۔ امام سیوطی کو اور احادیث ملیں تو انہوں نے ان کو لآلی کا ذیل بنا دیا اور انہی کی تیسری کتاب التعقبات علی الموضوعات ہے اسمیں علامہ سیوطی نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن کو لوگوں نے موضوع بتایا ہے حالانکہ وہ موضوع نہیں ہیں۔ ایک دوسرے محدث ابن جوزی ہیں جو مشہور حافظ حدیث ہیں

ان کی کتاب الموضوعات مشہور ہے۔ یہ علامہ سیوطی سے پہلے ہے۔ بعض لوگ بعض امور میں متشدد ہوتے ہیں اور بعض متساہل۔ ابن جوزی بہت متشدد ہیں ان کے تشدد کی حالت یہ ہے کہ بخاری کی ایک روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔ بہت سی احادیث جو موضوع نہ تھیں ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔

ایسے ہی ابوداود شریف کی نو احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ علماء نے ان کا تعقب کیا ہے اور بہت سی احادیث کے بارے میں ان کے قول کو رد کیا ہے۔ اس کے بالمقابل حاکم تصحیح کے اندر بہت متساہل ہیں۔ بہرحال اس سلسلہ میں کتابیں کافی لکھی گئی ہیں۔ ملا علی قاری کی موضوعات کبیر، اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ بھی اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہیں۔ یعنی ان میں احادیث موضوعہ بتائی ہیں۔

بحث ثالث سند

تقریر بخاری میں اس بحث کے ذیل میں اسانید پر کلام ہے۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنی تین سندیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ اسانید کیونکہ ہم پہلے ان صفحات میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، اس لئے ان کا اعادہ محض تکرار ہوگا۔ لہذا ترک کرتے ہیں۔

بحث رابع آداب طالب

یہ میرا ایک نہایت اہم عنوان اور مبحث ہے ان میں سب سے پہلے اخلاص نیت ہے۔

اس کے بعد درس کی پابندی ہے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میری کوئی حدیث نہیں چھوٹی یا تو میں نے پڑھی یا میرے ساتھی نے۔ والد صاحب کے درس میں تو یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں اور بہت زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں لیکن اپنے حضرت کے یہاں ایک دو حدیثیں کچھ عوارض کی بناء پر رہ گئی ہوں گی۔ میں نے

اپنے والد صاحب کے یہاں اس کا بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی حدیث بلا وضو نہ پڑھی جائے۔ تیسری چیز صف بندی ہے۔ سبق میں انتشار کے ساتھ نہ بیٹھے۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ درس میں نہ سوئے۔ اگر میرے ہاں کوئی سوتا تھا تو اس کی عزت افزائی ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اس کے پاس پہنچکر ایسا رسید کرتا تھا کہ چار پانچ روز تک تو اس کو نیند نہ آتی تھی۔ اور خواص کے بچوں اور عزیزوں کی خبر زیادہ لیا کرتا تھا کیونکہ دوسرے لوگ تو احتراماً ان کو کچھ نہیں کہتے تھے اور میں خوب مارتا تھا۔ پانچویں چیز یہ ہے کہ کتاب پر ٹیک نہ لگائے۔ بالخصوص بخاری شریف جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے چھٹی چیز یہ ہے کہ غیر حاضری نہ کرے کیونکہ یہ میرے یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ ساتویں یہ کہ اس کا بھی خیال رکھنا کہ میں ہمیشہ حدیث پاک میں اگر کوئی گالی کا لفظ آئے تو اس کا صاف صاف وہی ترجمہ کرتا ہوں، توریہ نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کے ترجمہ کو نہایت وقار کے ساتھ سنا کرو۔ اس پر ہنسنا یہ اس کا استہزاء شمار ہوگا۔ اس سے ہمیشہ بچو۔ اگر ہنسی ضبط نہ ہو تو مجبوری و معذوری ہے۔ نیچے منہ کر کے ہنسا کرو۔ آٹھویں یہ کہ حضرات ائمۂ اربعہ مجتہدین یہ ائمہ حدیث سے پہلے ہیں اور ائمۂ اربعہ کا زمانہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے کافی قبل کا ہے لہٰذا اگر کسی امام کا مذہب کسی حدیث کے خلاف معلوم ہو تو اس سے اس امام کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا یا کوئی جملہ ان کی شان کے خلاف ہرگز زبان سے نہ نکالنا بلکہ دل میں ہر ایک کی عزت برابر ہونی چاہیئے۔

نویں یہ کہ اساتذہ کا ادب کرے۔ ایسے ہی حدیث کی کتب کا۔ کیونکہ وہ رسول کریم علیہ السلام کا کلام ہے۔ دسویں یہ کہ بعض غالی مقلدین کی طرح ائمہ حدیث پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ فتلک عشرۃ کاملۃ۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے خصوصی افادات

حضرات اکابر علماء دیوبند کی یہ ایک امتیازی صفت ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کا پورا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جہاں "قال بعض الناس" فرماتے ہیں اس سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود حضرات اکابر دیوبند نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کبھی کوئی ایسا کلمہ استعمال فرمانا گوارا نہیں کیا جس سے انکی منقصت ہو ان کے اعتراضات کے جوابات تو دیئے مگر ادب کے ساتھ۔ برخلاف بعض دوسری جماعتوں کے جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مکروہ اور خلاف ادب الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے یہاں بھی تمام اکابر امت کا پورا پورا ادب ملحوظ رہتا تھا۔ جب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے تھے تو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر فرماتے تھے اور پوری عقیدت و احترام کے ساتھ ان کا مسلک بیان فرماتے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا درس شرح حدیث اور ترجیح الراجح اور تطبیق بین الروایات اور اسناد پر کلام اور دیگر ان تمام امور پر مشتمل ہوتا ہی تھا جن کا بیان کرنا ایک محدث کے لئے ضروری ہے لیکن ان امور کے ساتھ تکوینی مصالح اور حقائق و معارف اور صوفیہ کے ارشادات اور اپنی ذاتی تحقیقات پر بھی شامل ہوتا تھا۔

ذیل میں چند مثالیں لکھی جاتی ہیں جو وقت تحریر ذہن میں آ گئیں۔

۱۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اولین مؤذن ہونے کی حکمت

اذان کی ابتداء کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں آذان سکھائی گئی اور اس کے الفاظ کا القاء بھی کیا۔ لیکن مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی کام کے لئے متفکر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیئے اسی کو استعمال فرماتا ہے اور اس بارے میں اس پر طریق کار کا القاء ہوتا ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مشورہ فرمایا کہ نماز کے لیے کس طرح بلایا جائے؛ اور اس سلسلہ میں مختلف رائیں آئیں جنہیں رد فرما دیا۔ اور کوئی بات طے نہ پائی تو حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کیا کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو میں گھر نہ جاؤں گا۔ چنانچہ وہ مسجد ہی میں سو گئے اور مسجد ہی میں انہوں نے خواب دیکھا اور خواب ہی میں اذان اور اقامت کے کلمات بتا دیئے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پر اسی لئے القاء و الہام ہوا کہ وہ بہت ہی فکر مند ہو کر سو گئے اور اپنے گھر تک نہ گئے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا نام پانچوں وقت بلند کرنے کا شرف اس لیئے عطا ہوا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد گرم جگہ کی تپتی ہوئی زمین پر دھوپ میں لٹا دیئے جاتے تھے، اور ان کے اوپر پتھر کی گرم چٹان رکھ دی جاتی تھی۔ اور ان سے کہا جاتا تھا کہ دین اسلام سے واپس آجاؤ ورنہ اسی طرح پڑے رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ۔

(حتی تموت او تکفر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم) العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کا یہ صلہ دیا کہ پنجوقتہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کی سعادت سے نوازے گئے اور سفر و حضر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بنے رہے اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے سختی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا تو اب فتوحات کے زمانہ میں بھی اس خدمت پر مامور رہے اور سیدالمؤذنین کا لقب پایا۔

واقعہ لدود میں کیا حکمت تھی

احادیث شریفہ میں ایک قصہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں حاضرین نے آپ کو دوا دینے کا مشورہ کیا۔ اس دوا کے استعمال کے طریقہ کو لدود کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ مریض کو کروٹ کے بل لٹا کر اس کے منہ میں دوا ڈالی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار تھا۔ آپ نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کریں۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بیہوشی طاری ہوئی تو حاضرین نے لدود کے طریقہ پر آپ کو دوا دیدی۔ اور آپکی ممانعت کو مریض کی طبعی ناگواری پر محمول کیا۔ جب آپکی غشی دور ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "لایبقی أحد فی البیت إلا لدّ وأنا أنظر الا العباس فانہ لم یشھدکم"[1] (ترجمہ: گھر میں جتنے بھی لوگ ہیں سب کو میری نظروں کے سامنے لدود کیا جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس وقت موجود نہ تھے) حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شان رحمت کے خلاف ہے۔ آپ نے اپنے نفس کے لیئے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ اس موقعہ پر بدلہ لینے کا کیوں حکم دیا؟ اور ان لوگوں کو لدود کرنے کا کیوں حکم دیا جو بیمار بھی نہ تھے؟ اس کے جواب میں اول ایک قصہ بیان فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری شریف ص۸۵۴

اور وہ یہ کہ ایک بزرگ تشریف لے جارہے تھے انکا ایک مرید بھی ساتھ تھا وہاں قریب سے ایک عورت گزری۔ شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ اس عورت کو ایک چپت ماردے۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ اس کو کیوں ماروں؟ اس نے ایسا کونسا کام کیا ہے جسکی اسے سزادی جائے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ عورت مردہ ہو کر گر پڑی۔ شیخ نے اپنے اس مرید سے کہا کہ تیری سستی کی وجہ سے یہ مرگئی، بات یہ ہے کہ اس عورت نے مجھے بری نظر سے دیکھا تھا۔ میں نے چاہا کہ میں خود اس سے اپنا بدلہ لے لوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ نہ لیا جائے۔ لیکن تو نے سستی کی غیبی طور پر اس سے بدلہ لے لیا گیا۔[1]

یہ قصہ سنا کر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جو شخص انھیں ستائے اور وہ انھیں معاف بھی کردیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ لے لیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لینا اسی قبیل سے تھا۔ اور اس موقعہ پر بدلہ لینے میں شان رحمت نمایاں تھی۔ لدود کرنے والوں نے آپ کی ممانعت کے باوجود عمل نہیں کیا اندیشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکا کوئی مواخذہ ہو اور کوئی عقاب نازل ہو۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت ورأفت کا یہ تقاضا ہوا کہ میں ہی بدلہ لے لوں تاکہ یہ کسی سزا میں مبتلا نہ کئے جائیں۔

---

[1] واقعہ لدود کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا سوال اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بھی تذکرۃ الخلیل میں ملاحظہ کرلیا جائے۔

۳ - بدکار باندی کی بیع کے بارے میں سوال وجواب

سنن ابی داؤد صفحہ ۲۶۲ج ۲ میں حدیث ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا زنت امۃ احدکم فلیحدھا ولا یعیرھا ثلاث مرار فان عادت فی الرابعۃ فلیجلدھا ولیبعھا بضفیر او بحبل من شعر

اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ باندی جب چوتھی مرتبہ زنا کرلے تو اسے بیچ دو اگرچہ قیمت میں ایک رسی ہی ملے، اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ اس میں یہ اشکال ہے کہ جو اپنے لیئے پسند نہیں وہ دوسرے کے لئے بھی ناپسند ہونا چاہیئے ایسی باندی دوسرے کو بیچ دینا أن تحب للناس ما تحب لنفسک کے خلاف ہے۔ پھر اس کا جواب ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ پہلے ایک قصہ سنو۔

ایک شخص تھا جس نے حیوانات کی بولی سیکھ لی تھی، ایک دن ایسا ہوا کہ شام کو بیل جب کام کرکے آئے تو بیلوں نے آپس میں کثرت عمل کی شکایت کی۔ وہاں ایک گھوڑا بھی تھا اس نے رائے دی کہ تم بھی مردہ ہوکر پڑجاؤ تاکہ صبح تمہیں کام پر نہ لے جایا جائے۔ بیلوں نے ایسا ہی کیا۔ صاحب خانہ سن رہا تھا۔ اس نے نوکروں کو صبح اٹھکر حکم دیا کہ گھوڑے کو لے جاؤ اور اس سے وہی کام لو جو بیلوں سے لیا جاتا ہے۔ وہ گھوڑے کو لے گئے اور کسی ایسے کام میں لگا دیا جس میں بیل استعمال کئے جاتے تھے گھوڑے کی جان مصیبت میں آگئی وہ تو دوڑنے والی جنس ہے ہل جوتنے اور بوجھ کھینچنے کی نہ اسے عادت اور نہ قوت۔ دن بھر تو کسی طرح گذارا، شام کو جب آیا تو اس نے بیلوں سے کہا کہ بڑے رنج کی خبر ہے اور وہ یہ کہ مالک یوں کہہ رہا تھا کہ یہ بیل اب

کام کے نہیں رہے کل کو انھیں ذبح کرنا ہے۔ گھوڑے نے اپنی جان سے مصیبت ٹالنے کے لئے یہ بات کہی تھی لیکن بیلوں نے سچ جان کر آپس میں یہ بات کہی کہ صبح کو ٹھیک طریقہ پر کھڑے ہو جانا چاہیئے ورنہ ذبح ہونا پڑے گا۔ مالک نے جب یہ بات سنی تو اسے ہنسی آگئی۔ اس کی بیوی نے جب ہنسی کی آواز سنی تو کہنے لگی کہ مجھے بتاؤ کہ کیا بات ہے؟ جس نے جانوروں کی بولی سکھائی تھی اسنے یہ بھی کہا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ تم یہ بولی جانتے ہو اگر کسی کو پتہ چل گیا تو اسی دن تمہاری موت ہو جائے گی۔

جب بیوی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے بہت ٹالنے کی کوشش کی اور بیوی سے کہا کہ ایسی بات ہے کہ اگر میں بتا دوں تو میں مرجاؤں گا۔ بیوی نہ مانی اور برابر ضد کرتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ عورت کو بات بتانے پر راضی ہو گیا اور اسی دن موت واقع ہونے کا یقین کر لینے کی وجہ سے وصیت بھی لکھ دی، گھوڑے بیل وغیرہ جو جانور تھے وہ بھی رنجیدہ ہو رہے تھے کہ ہمارا مالک آج مرجائے گا۔

لیکن مرغا چیختا شور مچاتا آذانیں دیتا خوشی و مستی کے ساتھ اچھلتا کودتا پھر رہا تھا۔ دوسرے جانوروں نے کہا کہ تو عجیب ہے۔ ہمارا مالک تو مر رہا ہے اور تجھے مستیاں چھوٹ رہی ہیں، مرغے نے جواب دیا کہ ایسے نامرد بزدل آدمی کا مرجانا ہی بہتر ہے۔ ایک عورت اس سے نہیں سنبھلتی۔ مجھے دیکھو میں نے کتنی مرغیوں کو گھیر رکھا ہے اور سب پر قابو ہے۔

صاحب خانہ یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں گُر آگیا اور لکڑی لے کر

اپنی بیوی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ جب مار پڑی تو وہ اپنے سوال سے باز آ ئی لہٰذا بیوی کو بات بتانا نہ پڑی اور اس کی زندگی بچ گئی۔

یہ قصہ سنا کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سب مرد برابر نہیں ہوتے کوئی آدمی اتنا کمزور ہے کہ وہ اپنی باندی کو زنا سے نہیں بچا سکتا۔ اس کے پاس رہتے ہوئے بار بار زنا کی مرتکب ہوتی ہے۔

اور بعض لوگ قوی تندرست ہوتے ہیں۔ قوت مردانہ بھرپور ہوتی ہے وہ نہ صرف چار بیویوں کو بلکہ انکے ساتھ باندیوں کو بھی فارغ نہیں چھوڑتا ہے کیا مجال ہے کوئی باندی اس کا فراش ہوتے ہوئے زنا کرے۔ لہٰذا اگر کسی نے ایسی باندی کو بیچ دیا جسکی زنا کی عادت پڑ گئی تھی تو ضروری نہیں کہ خریدنے والے کے یہاں بھی وہ زنا میں مبتلا ہو۔ وہ رکھنے کی طرح رکھے گا۔ اس کے یہاں کوئی موقعہ اس معصیت کا نہیں ملے گا۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں تحقیق

ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ ہندوستان کی بعض جماعتوں نے حضرات شوافع کا مسلک اختیار کرلیا۔ اور اس سلسلہ میں وہ حد سے زیادہ آگے بڑھ گئے اور یوں کہتے ہیں کہ اگر امام کے پیچھے جو مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے، حضرات شوافع کے نزدیک تو صرف اتنا ہی تھا کہ ہماری تحقیق یہ ہے دوسرے حضرات کی تحقیق اس کے خلاف ہے، انکے ہاں یہ تصور کہیں کہیں تک بھی نہیں تھا اور نہ اب ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے انکی نماز باطل ہے، اور اعادہ فرض ہے اور انکا نماز پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے جیسے دوسرے مسائل فرعیہ اور ظنیہ ہیں اسی طرح یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ اور اس مسئلہ کو اس طرح سے پیش کیا جاتا ہے کہ جیسے حنفیہ بہت بڑے مجرم ہیں اور جمہور کے خلاف ہیں جمہور ایک طرف ہیں اور حنفیہ ایک طرف۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ صورت حال اس طرح نہیں ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے بلکہ حضرت امام شافعی جمہور کے خلاف ہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا اور کوئی سورت پڑھنا فرض نہیں ہے اور شوافع کا ایک قول بھی جمہور ہی کے ساتھ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (اور یہی انکے یہاں مفتی بہ ہے) حضرات مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے، البتہ سری نماز میں پڑھ لینا افضل ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ اور کسی دوسری سورت کا پڑھنا سری نماز میں مستحب ہے. ہاں اگر جہری نماز میں ہو اور دور رہنے کی وجہ سے امام کی آواز نہ آرہی ہو تو اس صورت میں بھی بطور استحباب

پڑھ سکتا ہے۔ امام کے پیچھے پڑھنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی فرض یا واجب نہیں ہے[1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وأما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب إذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال "من صلی رکعۃ لم یقرء فیہا بأم القرآن فلم یصل إلا أن یکون وراء الامام" قال احمد فہذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لاصلاۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب" إن ہذا إذا کان وحدہ" واختار احمد مع ہذا القراءۃ خلف الامام وأن لایترک الرجل فاتحۃ الکتاب وإن کان خلف الامام اھ، ولعلہ ہذا علی سبیل الاستحباب کما صرح بہ فقہاء مذہبہ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا

---

[1] قال ابن قدامۃ الحنبلی فی شرحہ علی مختصر الخرقی المعروف بالمغنی وجملۃ ذلک أن المأموم إذا سمع قراءۃ الإمام لم تجب علیہ القراءۃ ولا تستحب عند إمامنا، والزہری، والثوری، ومالک، وابن عیینۃ، وابن المبارک، واسحاق، وأحد قولی الشافعی، ونحوہ سعید بن المسیب، وعروۃ بن الزبیر، وأبی سلمۃ بن عبد الرحمٰن، وسعید بن جبیر، وجماعۃ من السلف (إلی أن قال بعد ثلاث صفحات) الاستحباب أن یقرأ فی سکتات الإمام وفی ما لا یجہر، ہذا قول أکثر أہل العلم کابن مسعود، وابن عمر، وہشام بن عامر یقرءون وراء الإمام فیما أسر بہ (إلی أن قال) فإن لم یفعل فصلاتہ تامۃ، لأن من کان لہ إمام فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ، وجملۃ ذلک أن القراءۃ غیر واجبۃ علی المأموم فیما یجہر بہ الإمام ولا فیما أسر، نص علیہ أحمد فی روایۃ الجماعۃ وبذلک قال الزہری، والثوری، وابن عیینۃ، ومالک، وأبو حنیفۃ، واسحاق إلی آخر ما قال،

کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت امام کے پیچھے پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے۔ صرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرضیت کے قائل ہیں، لہٰذا وہ منفرد ہوئے اور جمہور کی مخالفت انکی طرف عائد ہوتی ہے۔ حنفیہ کو اسکا نشانہ کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ نیز حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس شخص سے اس کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے جو رکوع میں آکر امام کے ساتھ شریک ہوجاتے تو ایسے شخص کو اس رکعت کا پانے والا شمار کیا جاتا ہے، اور مذاہب اربعہ کا اسپر اجماع ہے۔ لہٰذا بعض صورتوں میں شوافع بھی سقوط الفاتحہ عن الماموم وتحمل الامام عن الماموم کے قائل ہیں۔

درسی تقریر میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اس کو بیان فرماتے ہی تھے۔ اوجز المسالک جلد اوّل ص۲۳۹ اور ص۲۴۰ میں اسکو خوب زیادہ واضح فرمایا ہے اور ائمۂ ثلاثہ کے مذاہب کی کتب کے حوالے دیئے ہیں

غسل جمعہ کے بارے میں حضرت شیخ کی رائے

غسل یوم الجمعہ

کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں قدرے اختلاف ہے بعض احادیث میں ہے "غسل یوم الجمعہ واجب علی کل محتلم" اور بعض روایات میں "اذا جاء احدکم الجمعۃ فلیغتسل" وارد ہوا ہے، احادیث کے اختلاف کی وجہ سے حضرات فقہاء میں بھی اختلاف ہوگیا کہ غسل یوم جمعہ کے لیے ہے یا نماز جمعہ کے لئے ہے؟

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے (اور اس کو اوجز المسالک

میں بھی واضح فرمایا ہے) کہ میرے نزدیک تین اغتسالات ہیں، ایک یوم جمعہ کے لیئے، ایک صلاۃ یوم جمعہ کے لیئے اور ایک یوم من الایام من کل اسبوع کے لیئے یہ تیسرا غسل عند الشیخین حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔
(حق للہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام) لہٰذا اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل کر لے تو اس میں تینوں اغتسالات ادا ہو جاتے ہیں اور اگر نماز جمعہ کے بعد غسل کرے تو غسل یوم جمعہ اور غسل یوم من الایام بھی ادا ہو جائے گا۔ اور اگر جمعہ کے دن غسل نہ کیا کسی اور دن غسل کر لیا تو غسل یوم من الایام پر عمل ہو جائے گا دوسرے دو اغتسالات رہ جائیں گے۔

اوجز المسالک میں مذکورہ بالا توضیح کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"وھذا الغسل لم یتعرض لہ الفقہاء اصالۃ لکنہم صرحوا فی غسل الجمعۃ ان من اغتسل یوم الخمیس او لیلۃ الجمعۃ یکفی لحصول المقصود فہذا ھو ذاک الغسل والمقصود ھو النظافۃ وازالۃ الرائحۃ الکریھۃ ثم رائت الطحاوی علی المراقی انہ نقل عن استحسان القہستانی عن الزاھدی یستحب ان یقلم اظفارہ ویقص شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ فی کل اسبوع مرۃ ویوم الجمعۃ أفضل، ثم فی خمسۃ عشر یوما والزائد علی الاربعین آثم اھ فھذا عین ما قلتہ اولاً فللہ الحمد، وفی الدر المختار ویستحب حلق عانتہ وتنظیف بدنہ بالاغتسال فی کل اسبوع مرۃ والافضل یوم الجمعۃ اھ اوجز ۱/۳۳۲

۶- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں بھول جانے کی حکمت

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ جو یہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق جو احوال پیش آئے ان کا پیش آنا اس لئے ضروری تھا کہ امت کو مختلف احوال میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا طریقہ معلوم ہوں۔ اس کی دلیل میں حدیث "اِنی لأنسیٰ أَوْ أُنَسّٰی لِأَسُنَّ"[1] یعنی میں بھول جاتا ہوں یا فرمایا کہ میں بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ میں طریقہ کار بتاؤں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بھولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلانا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے بھلایا جاتا تھا کہ امت آپ کو دیکھے اور اسی کیمطابق عمل کرے۔ نماز میں سجدۂ سہو کی مشروعیت اور یہ کہ سجدہ بعد السلام ہے یا قبل السلام، اور تعداد رکعات میں شک ہو جانے پر کیا عمل کیا جائے؟ یہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے معلوم ہوئیں۔

۷- لیلۃ التعریس سے متعلقہ فوائد وحکم

لیلۃ التعریس کے واقعات کے بارے میں بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امت کو تعلیم دینے کیلئے یہ واقعہ پیش آیا۔ بعض محدثین تعدد واقعہ کے قائل ہیں۔ یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ اہتمام نماز کا جن کو تھوڑا سا بھی خیال ہوتا ہے وقت پر ان کی آنکھ

---

[1] رواہ مالک فی المؤطا۔

نماز کے لئے کھل جاتی ہے پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بظاہر یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ آپ سو جائیں اور نماز کیلئے آنکھ نہ کھلے؟

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ آنکھ نہ کھلنا اور سوتے رہ جانا بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص سوتا رہ جائے اور نماز فجر چلی جائے حالانکہ اس کا اٹھنے کا ارادہ بھی تھا اور اس نے اٹھنے اٹھانے کا انتظام بھی کر لیا تھا تو اب آنکھ کھلنے کے بعد کیا کرے جب آفتاب طلوع ہونے کے بعد بیدار ہوا! آیا صرف فرض پڑھے یا سنتیں بھی پڑھے۔ اور اگر کئی آدمیوں کی نماز فوت ہو گئی تو اس قضا نماز کو جماعت سے پڑھیں یا بلا جماعت؟۔ پھر اس کیلئے اذان و تکبیر بھی ہو یا اس کے بغیر پڑھی جائے۔ یہ سب سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب سوالوں کا حل لیلۃ التعریس کے واقعہ میں موجود ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اخیر رات میں سوئے تو جاگنے کا اہتمام کر کے سونا چاہیے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جگانے کیلئے متعین فرمایا پھر سوئے، جب بیدار ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پریشانی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "لا تفریط فی النوم إنما التفریط فی الیقظۃ" یعنی سوتے رہ جانے میں قصور واری نہیں ہے، بیداری میں نماز چھوڑ دینا قصور ہے۔ قصہ کو پورا سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ ہر نیند کے بارے میں نہیں بلکہ جاگنے کے سب انتظام کر لینے کے بعد سوتا رہ جائے تب تفریط فی النوم والی بات ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ واقعہ لیلۃ التعریس سے متعلق ایک اور بات بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ یہ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "من یکلأنا" (کہ رات کی چوکیداری کون کرے گا؟) تو اس پر

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے "انا" کہکر اپنے ذمہ لے لیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بعض صوفیہ سے نقل فرماتے تھے کہ یہ "انا" یعنی "میں" والی بات ایسی تھی کہ وہ بھی سوتے رہ گئے۔ نہ خود جاگے اور نہ جگا سکے۔

۸۔ بعض صحابہ رضؓ سے سرقہ کا صدور

بعض حضرات صحابہ رضؓ سے جو معاصی کا صدور ہوا۔ ان کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ تکوینی طور پر جو کچھ ہوا وہ تو ہونا ہی تھا لیکن اسمیں تشریعی مصلحت بھی ہے۔

سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم قول سے بھی بتاتے تھے اور عمل سے بھی کرکے دکھاتے تھے۔ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو آنحضرت فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو بعض معاصی کا صدور ہوا اسمیں بڑی حکمتیں ہیں۔ اور وہ یہ کہ حدود اور تعزیرات جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبانی طور پر بتائی تھیں، عملی طور پر بھی ان پر عمل کرکے دکھانے کی ضرورت تھی۔ قرآن مجید میں آیا ہے والسارق والسارقۃ فاقطعوا أیدیھما (چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹ دو) اب اس حکم کو نافذ کرنا تھا اور عملی طور پر کرکے دکھانا تھا تاکہ بعد میں آنے والے حکام اور قضاۃ کو آیت کریمہ کے مطابق عمل کرنے کی صورت سمجھ میں آجائے۔ قرآن مجید نے ایدیھما (دونوں کے ہاتھ) فرمایا ہے اب اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹے جائیں یا ایک ہاتھ کاٹا جائے؟ اگر ایک کاٹا جائے تو وہ کونسا ہو؟ اور یہ ہاتھ کا کاٹنا پہنچے تک ہو یا کہنی تک یا بغل تک ہو؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بعض ایسے اشخاص لائے گئے جنہوں نے چوری کی تھی۔ آپ نے ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا (جو پہنچے سے کاٹا گیا اور یہ داھنا

ہاتھ تھا۔[1] شرح السنۃ میں ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد حکم دیا کہ اسکو حسم کر دیا جائے[2] یعنی جس جگہ سے کاٹا گیا ہے وہ جگہ گرم تیل میں ڈالدی جائے تاکہ خون بہہ کر ہلاک نہ ہو جائے۔ اور چوری کی سزا قتل نہ بن جائے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اسکی گردن میں لٹکا دیا گیا[3]

۹ بعض صحابہؓ وصحابیاتؓ سے زنا کا صدور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض اشخاص سے زنا صادر ہو گیا۔ اس کے صادر ہونے میں بھی وہی حکمت تھی کہ امت کو زنا کی حد جاری کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے جب کسی کے زنا کرنے پر گواہی دیں تو کتنے گواہ ہونے چاہئیں جن کی گواہی سے ثبوت ہو سکے؟ اور اگر زانی اقرار کرے تو کتنی مرتبہ اقرار کرنے سے حد جاری کیجائے؟ اگر رجم کیجائے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ اور رجم کے درمیان بھاگنے لگے تو پھر کیا کیا جائے؟ اور جب رجم کی وجہ سے مرجائے تو اسکی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ ان چیزوں کا جواب احادیث شریفہ میں موجود ہے اگر زنا کے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش نہ آتے تو عملی طور پر حدود کے جاری کرنے کے طریقے امت کو کیسے معلوم ہوتے؟ یہ حضرات

---

[1] وقد قطع علیہ الصلوۃ والسلام الیمین وکذا الصحابۃ بعدہ فلو لم یکن التقیید مرادا ما لم یفعلہ، واما کونہ من الزند فلانہ المتوارث (الی اخر ما قال ابن الھمام فی فتح القدیر)

[2] مشکوۃ المصابیح ص ۳۱۴ ج ۲۔ [3] مشکوۃ المصابیح ص ۳۱۴ ج ۲۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر ایک طرح کا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں کو حدود کیلئے پیش کردیا اور امت کے لئے عمل کرنے کی راہ بنانے کا ذریعہ بن گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ان انفاس قدسیہ نے اپنے آپکو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعت مطہرہ کی تکمیل کیجئے ہم اس کیلئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں، گردن کٹانے کو تیار ہیں، کوڑے کھانے کو تیار ہیں۔

ع۔ تومشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہی حضرات میرے نزدیک مصداق ہیں قرآن کریم کی آیت "فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰت" کے۔ (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیث مغفرت کے جسمیں ہے کہ ان خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ، ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دیدو۔

یقین ہے کہ انشاء اللہ صحابہ کرام سب ان میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ ان ہی مراحم خسروانہ کے مستحق ہیں۔ حضرت ماعزؓ سے زنا صادر ہو جاتا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا استغفار کر، توبہ کر، وہ تھوڑی دور ہو جاتے ہیں، بے چینی غالب ہوتی ہے، پھر آکر یہی عرض کرتے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب ہوتا ہے۔ چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو توبہ و استغفار

کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ چوتھی دفعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔

اسپر دو صحابہؓ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتیٰ کہ کتے کی طرح سے رجم کیا گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور آگے تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مرا پڑا تھا اور اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جسکی وجہ سے اسکی ایک ٹانگ ابھر گئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم حاضر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس مردار میں سے کھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اسمیں سے کون کھا سکتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبروریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اسوقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

اسی طرح ایک غامدیہ عورت رضی اللہ عنہا وارضاہا کا قصہ پیش آتا ہے۔ وہ بھی آکر درخواست کرتی ہیں۔ "یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی یہی فرما کر واپس کر دیتے ہیں کہ جا توبہ استغفار کر۔ وہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ آپ مجھے اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ماعزؓ کو واپس کیا تھا۔ میں خدا کی قسم زنا سے حاملہ ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنے بچہ پیدا نہ ہو جائے اتنے تجھے رجم نہیں کیا جا سکتا۔ جب وہ بچہ جنتی ہیں پھر وہ حاضر ہوتی ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے بچہ جن دیا مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسکو دودھ چھوٹنے کے زمانہ تک دودھ پلا۔ وہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ کو گود میں لاتی ہیں

کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے۔ عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ روٹی کھانے لگا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگساری کا حکم فرماتے ہیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی سنگسار کرنیوالوں میں تھے۔ اسکو سنگسار کرتے ہوئے اس کے خون کا ایک قطرہ اُڑکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے رخسار پر پڑ گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اُن کو کوئی سخت بات کہی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خالد! ایسا مت کہو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی کا افسر بھی ویسی توبہ کر لیتا تو کافی ہوتی۔" (چنگی کے افسر سے مراد اس محکمہ کے لوگ ہیں کہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور بہت ظلم کرتے ہیں)

اسی قسم کے ایک قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یا رسول اللہ ہم اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے"؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دیجائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی کر دی۔"

۱۰ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا میراث طلب کرنا

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کیا۔ (جسمیں خصوصیت کے ساتھ باغ فدک کو ذکر کیا جاتا ہے اور روافض نے اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مثالیب اور مطاعن میں شمار کر رکھا ہے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے

اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لانورث ما ترکناہ فہو صدقۃ" لہٰذا میں میراث جاری نہیں کرونگا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین پر اسی طرح خرچ کرتا رہوں گا جس طرح آپ خرچ کیا کرتے تھے۔ اس میں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حقیر دنیا کیلئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیوں معارضہ کیا؟ یہ تو ان کی شانِ زہد کے خلاف ہے۔ اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھے باغ فدک وغیرہ کی روایات میں کبھی خلجان نہیں ہوا اعتراضات کانوں میں پڑتے رہے مگر میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا رہا کہ جس بضعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باپ کی ساری زندگی میں چکی پیس پیس کر گذر کیا ہو۔ پانی کی مشک اٹھانے سے بدن پر نشانات پڑگئے ہوں وہ ابا جان کے انتقال کے بعد ایسے مال کے اوپر گرے کہ خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بولنا چھوڑ دے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے نزدیک یہ سب کا سب قوت ایمانیہ کا نتیجہ تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو مال کی طمع پاس کو نہیں تھی اور کیسے ہوسکتی تھی جبکہ ان کے چاکروں کے چاکروں کے دل میں بھی نہ ہو۔ یہ ساری لڑائیاں ایمانی اعتقادی علمی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکے میں وراثت شرعاً ہے یا نہیں۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما "ما ترکنا صدقۃ" کو عام سمجھتے تھے۔ اور یہ حضرات اس میں خصوص سمجھتے تھے۔ یہ علمی واجتہادی بحثیں تھیں۔ دین کا ایک مسئلہ تھا جس کیلئے گفتگو کی اور یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی دین کے بعض احکام پر عمل چھوڑ دیا جائے۔ احقاقِ حق کیلئے ان کو ایسا کرنا پڑا۔ نہ کہ مالی طمع کیلئے۔ حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضؓ کا حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے نہ بولنا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس سے مراد اس مسئلہ

یعنی فدک کے معاملہ میں نہ بولنا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنے سوال میں قلق ہوا اس واسطے کبھی اس مال کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں بعض روایات سے اس کی تائید نقل کی ہے۔ یہ تو حضرات شراح کرام کی رائے ہے۔ بندہ کے ذہن میں ہمیشہ سے اسکی توجیہ یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مال کی محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حکم شرعی کی تنفیذ کے لئے تھا کیونکہ وہ اپنے آپکو شرعاً اس کا مستحق سمجھتی تھیں۔ اسی لئے انہوں نے اس پر اظہار ناراضگی اور ترک کلام فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک میراث تقسیم کرنا ضروری تھا اور یہ چیز میرے نزدیک سراسر تصلب فی الدین تھی۔ اور اسی بناء پر حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے دوبارہ اس معاملہ کو پیش کیا۔ اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے ان حضرات کے موافق ہو۔ مگر حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔

مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ضروری بحث جنگ جمل وصفین کا تذکرہ

اب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپس کے مشاجرات اور اختلافات کیطرف آجایئے۔ ان میں سب سے زیادہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات مشہور ہیں۔ اور جن لوگوں کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب و فضائل معلوم نہیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں یا ان کے فضائل کے ماننے سے انحراف ہے۔ ایسے لوگ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اچھالتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ امت کے قلوب سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت و عقیدت جاتی رہے اور جیسے خود بے دین ہیں پوری امت کو ایسا ہی بنا دیں۔ لیکن امت الحمدللہ ایسے بے راہوں کے فریب و دھوکا میں آنیوالی نہیں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ فرماتے تھے کہ نہ صرف جنگ جمل اور جنگ صفین بلکہ خوارج سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی اس جنگ میں بھی بڑی حکمتیں ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس کی تو کوئی صورت نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کوئی شخص باغی ہو کر سامنے آتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص باغی ہوتا تو وہ کافر و مرتد ہو جاتا۔ اور اس کے ساتھ کافر و مرتد کا معاملہ کیا جاتا اور آنے والے جو امراء ہوں گے انکو کوئی عملی سبق نہ ملتا کہ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تکوینی طور پر ایسے واقعات کا ظہور ہوا۔ اور ان واقعات میں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا وہ امت کے لئے نمونہ بن گیا۔[1]

مشاجرات صحابہ کرام کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہ کے دور میں دوسرا اہم امور درپیش تھے اور جب ان سب کی تکمیل ہو گئی تو خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور باقی تھا جسمیں مخالفت خلیفہ کا مسئلہ بھی حل ہونا ضروری تھا تاکہ خلفاء راشدین مہدیین کے دور میں اس مسئلہ کی بھی تکمیل ہو جائے۔ اس لئے یہ مسائل اسی زمانہ میں پیش آنے ضروری تھے۔

---

[1] ولہذا قال صاحب الہدایۃ۔ "ولا یُسبیٰ لهم ذریۃ ولا یقسم لهم مال لقول علي رضی اللہ عنہ یوم الجمل ولا یُقتل أسیر ولا یکشف ستر ولا یؤخذ مال وهو القدوۃ فی هذا الباب اھ وفی العنایۃ قولہ "ولا یقتل أسیر" هو قول علي رضی اللہ عنہ - ولا یکشف ستر أی لا تسبیٰ نساءهم الا تری أن أصحب علي رضی اللہ عنہ شاوروہ قسمۃ ذلک فقال" فاذا قسمت فلمن تکون عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ انتہیٰ۔

جنگ جمل کیسی سخت لڑائی ہوئی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مدمقابل جماعت میں سے حضرت زبیر کو آواز دی۔ وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے۔ دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علی رضی نے فرمایا، تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگئے۔ حضرت زبیر رضی نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس کے بعد معرکہ ہوا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی۔ دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علی رضی کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ حضرت علی رضی نے قبول نہیں کیا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اصرار کیا کہ ان سے قیدیوں جیسا معاملہ کیا جائے (جسمیں استرقاق بھی ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہ رضی کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کونسا تیار ہے۔ انہوں نے عرض کیا نستغفر اللہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں یہ تو نہیں ہو سکتا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وأنا استغفر اللہ (میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں)

اس لڑائی کے خاتمہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ زخمی ہو کر گرا تو حضرت علی رضی نے جلدی سے کہا دیکھو ام المومنین کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی کے طرفدار تھے جلدی سے آگے بڑھے دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہونچی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی خود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہودج کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا "اماں جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ اللہ جل شانہٗ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی۔ ہم لوگوں اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہوتا ہے۔ اگر مخالف پر غلبہ ہو جائے تو اسکی جان، مال، آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں؟

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یوں کہا جائے کہ ان حضرات کے مشاجرات کسی بھی حُبِ جاہ و مال یا عصبیت کی وجہ سے تھے بلکہ میرے نزدیک وہ ان کی قوت ایمانیہ کی علامتیں تھیں۔ جس چیز کو وہ حق سمجھتے تھے اس کی حفاظت و اعانت میں جنگ و جدل سے باک نہیں کرتے تھے۔ آپس کی مخالفت کے باوجود ایک دوسرے کے مرتبہ کو پہچاننا اور اس کی حیثیت کے مطابق اس کا اکرام کرنا ان ہی حضرات کی شان تھی۔ امت کو سکھا گئے کہ مخالفت بھی ہو تو ایسی ہو۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم و اُرضاہم۔

اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تم بڑے عبادت گذار، شب بیدار، تمام رات نماز پڑھنے والے تھے۔ سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے

ابن ملجم حضرت علی رضؓ کا قاتل اکثر کسی اپنی حاجت کو لیکر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی حاجت پوری فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اس کو آپ قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ آپ نے فرمایا فَمَنْ يَّقْتُلُنِيْ پھر مجھے کون قتل کرے گا؟ ایک روایت میں ہے کہ ابھی اس نے

قتل نہیں کیا تو پہلے سے قصاص کیسے ہو سکتا ہے ؟) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کر دیا اور پکڑا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا قید میں رکھنا اور فرمایا (اطیبوا طعامه و الینوا فراشه) یعنی کھانے کو اچھا دینا اور بستر نرم دینا اگر میں اس حملہ سے مر گیا تو قصاص میں قتل کر دینا اور اچھا ہو گیا تو میں اپنے معاملہ کا مختار ہوں چاہے معاف کر دوں یا بدلہ لوں۔

جنگ صفین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان مشہور لڑائی ہے۔ متعدد مورخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ اور ایک فریق کو مسائل کی ضرورت پیش آتی تو دوسرے فریق کے پاس آدمی بھیجکر ان کو حل کراتے۔ یہ ان کے دینی اعتماد کا حال تھا۔

قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر روم کے نام ایک خط میں لکھا "اگر تو نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لوں گا پھر تیرے خلاف جو لشکر روانہ ہو گا اسکے ہراول دستہ میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا اور تیری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔[1]

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ قیصر روم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا تھا کہ تمکو حضرت علیؓ نے ستا رکھا ہے تمہاری مدد کے لئے میں میں فوج بھیجدوں ؟ اس پر حضرت معاویہؓ نے اس کو خط لکھا کہ اے نصرانی کتے ! میرے اور علیؓ کے درمیان

---

[1] تاج العروس ج۸ ص۲۰۸ مادہ اصطفلین۔

جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھ کہ اگر تو نے حضرت علیؓ کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علیؓ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑ دینے والا معاویہؓ ہوگا۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ علیؓ مجھ سے بہتر اور مجھ سے افضل ہیں اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنیوالا سب سے پہلے میں ہوں گا۔

حضرت معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا۔ صبر نہ ہو سکا اور اسکو قتل کر دیا حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پہنچا ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ فرماویں۔ قاتل کی سزا قصاص ہے لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا ہے وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالکؒ)

حضرت ضرار بن ضمرہ کنانیؓ (جو حضرت علیؓ کی جماعت کے تھے حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد) حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا امیر المومنین مجھے اس سے معاف کریں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں بالکل معاف نہیں کروں گا ضرور بیان کرو۔ حضرت ضرار نے عرض کیا کہ اگر ضروری ہی ہے تو سنیئے۔ کہ حضرت علیؓ خدا کی قسم بڑے مرتبہ والے اور بڑی قوت والے تھے، دو ٹوک بات کہتے تھے اور انصاف کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کی ہر سمت سے علم ابلتا تھا اور ہر طرف سے دانائی گویائی کرتی تھی۔ دنیا اور دنیا کی زیب و زینت سے

متوحش تھے۔ رات اور اس کی تاریکی سے مانوس تھے۔ خدا کی قسم بڑے رونے والے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو پلٹ کر اپنے نفس کو خطاب کیا کرتے تھے۔ مختصر لباس آپکو پسند تھا اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ خدا کی قسم وہ ہم میں (بغیر کسی خصوصی امتیاز کے) ایسے رہتے تھے جیسے ہم میں کا ایک آدمی ہو جب ہم حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ اور ہم جو بات پوچھتے اس کا جواب دیتے۔ اور ہم اس اختلاط و سادگی کے باوجود ان سے انکی ہیبت کی وجہ سے بولنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ اور جب ہنستے تو ان کے دانت پروئے ہوئے موتیوں کی طرح ظاہر ہوتے۔ دینداروں کی عظمت کرتے تھے اور مساکین سے محبت رکھتے۔ کسی قوی سے قوی آدمی کو بھی اپنے باطل میں کامیابی کی امید نہیں ہوتی تھی۔ اور ضعیف سے ضعیف آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات میں نے انکو دیکھا کہ رات کی اندھیریوں میں اپنی محراب میں اپنی ڈاڑھی کو پکڑے ہوئے ایسے بے چین ہیں جیسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ رکھا ہو اور ایسے رو رہے ہیں جیسے کوئی غمزدہ، اور گویا آپ کی آواز آج بھی میرے کان میں گونج رہی ہے۔ وہ بار بار فرما رہے تھے یَا رَبَّنَا۔ یَا رَبَّنَا، اور گڑگڑا رہے تھے۔ پھر دنیا کو خطاب کرکے فرما رہے تھے۔ تو مجھے ہی دھوکہ دینا چاہتی ہے اور میرے ہی لئے مزین بنکر آتی ہے۔ مجھ سے دور ہو جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دیجیو۔ میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ تیری عمر بہت تھوڑی ہے، تیری مجلس بہت حقیر ہے اور تیرے مصائب آسان ہیں، ہائے، ہائے! توشۂ آخرت کم ہے اور سفر بہت لمبا ہے اور راستہ وحشتناک ہے۔

یہ حالات سُنکر حضرت معاویہؓ کے آنسو اتنے نکلے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور ان کو آستین سے پوچھنا شروع کیا اور پاس بیٹھنے والوں کے روتے روتے دم گھٹنے لگے اور حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، (ابوالحسن (حضرت علیؓ) ایسے ہی تھے اللہ تعالیٰ

ان پر رحم کرے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعات درس میں بیان فرما کر ارشاد فرماتے تھے کہ کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں۔ کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس طرف رجوع کرے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ان چیزوں کو اپنی "الاعتدال" اور "شریعت و طریقت کا تلازم" میں بھی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

لہ آج کل لوگ بڑی افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ تو روافض کے رد میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ حضرات اہل بیت کی کوئی منقبت و فضیلت ماننے کو تیار نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر اکرام و احترام کے ساتھ کیا جائے تو انھیں ناگوار ہے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف کھڑے ہونے کی وجہ سے باغی کہتے ہیں۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسم گرامی کے ساتھ اگر کوئی شخص لفظ سید لگا دے تو اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ اور برخلاف ان لوگوں کے روافض ہیں یا ان کے طرفدار ہیں یہ لوگ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب اور فضائل ماننے کو تیار نہیں جو احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں۔ بلکہ ان حضرات کے نقائص تلاش کر کے کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور امت کے قلوب سے ان کی وقعت و عظمت کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ان لوگوں کو حب روافض کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک طرح کا بغض ہے۔ قرآن مجید میں حضرات سابقین اولین مہاجرین و انصار کے بارے میں جو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا ہے ان لوگوں کے قلوب اس سے راضی نہیں۔ ھداہم اللہ تعالیٰ۔

اضافہ از مؤلف

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے یہ جو فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے بہت سے ایسے حالات تکوینی طور پر پیش آئے جو بعض آپکی ذات گرامی سے متعلق تھے اور بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق تھے جن کا صدور ان جیسے حضرات سے بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ امت کو اپنی عملی زندگی میں راہ ملے۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے جن حضرات کو حدیث پر وسیع نظر ہے وہ تو اس پر بہت کچھ لکھ سکتے ہیں۔ سرسری طور پر احقر کے ذہن میں جو چند باتیں آگئی ہیں انہیں زیر قلم لاتا ہوں۔

۱۔ دعوت کے کام میں محنت و مشقت اور تکالیف برداشت کرنا اور دشمنوں سے واسطہ پڑنا۔

۲۔ جہاں دینی کاموں میں رکاوٹ ہو وہاں سے ہجرت کرنے کا راستہ تلاش کرنا اور جب ہجرت کا موقع نکل آئے تو ہجرت کر جانا۔

۳۔ منافقوں سے واسطہ پڑنا اور ان سے مدارات کے ساتھ معاملہ کرنا۔

۴۔ دشمنوں سے جہاد کرنا کبھی شکست ہونا اور کبھی فتح ہونا۔

۵۔ مشرکین سے کبھی صلح کرنا۔

۶۔ بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا۔

۷۔ کنواری عورت سے نکاح کرنا۔

۸۔ اولاد کی پرورش کرنا۔

۹۔ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کا فوت ہو جانا۔

۱۰۔ باندی سے اولاد پیدا ہونا۔

۱۱۔ بچوں سے محبت والفت کرنا اور پیار کرنا۔ اور ان سے مزاح کرنا۔

اپنی صاحبزادیوں کی اولاد کو نماز میں اٹھانا۔

۱۲۔ اپنے ربیب یعنی بیوی کے پہلے شوہر کے بچوں کی پرورش کرنا۔

۱۳۔ متبنّی کی بیوی سے نکاح کرنا۔

۱۴۔ بیوی کی بعض باتوں کی وجہ سے ایلاء کرنا۔

۱۵۔ بچوں کے کپڑوں پر پیشاب کرنے سے خود دھونا۔

۱۶۔ حجۃ الوداع کے سفر میں محمد بن ابوبکر کی ولادت ہونا اور ان کی والدہ اسماء بنت عمیس کو حالت نفاس میں حج کا احرام باندھنے کا حکم فرمانا۔

۱۷۔ اسی سفر میں مقام سَرِف میں پہنچکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری کا خون آجانا۔ پھران کو عمرہ چھوڑنے اور حج کا احرام باندھنے کا حکم دینا۔ پھر حج کے بعد تنعیم سے احرام بندھوا کر عمرہ کی قضا کرنا۔ حضرت صفیہؓ کو طواف وداع سے پہلے حیض آگیا تو فرمایا کہ اگر طواف زیارت کرچکی ہے تو طواف وداع چھوڑ کر روانہ ہو جائے۔

۱۸۔ اگر بیوی کو حیض آجائے تو اس کے ساتھ میل جول اور رہن سہن کسطرح رکھنا درست ہے۔ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع کے علاوہ دوسری چیزوں کو اپنے عمل سے جائز کر کے بتایا۔ اگر بیوی حالتِ حیض میں ہو تو اس کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا، ساتھ لیٹنا۔ اس سے سر دھلوانا بالوں میں کنگھی کروانا۔ اس کی گود میں لیٹ کر قرآن پاک کا تلاوت کرنا، یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۱۹۔ بعض صحابی خواتین کو استحاضہ کا خون آتا تھا انہوں نے مسئلہ پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو مسائل بتانا۔

۲۰۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں اپنی مینڈھیاں کس کے باندھتی

ہوں غسل جنابت میں کیا کروں ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں یہ جواب ارشاد فرمانا کہ ایسی صورت میں بالوں کے جڑوں میں پانی کا پہنچ جانا کافی ہے ۔

۲۱ ۔ سفر میں روزہ رکھنے کے احکام بتانا ۔ عرفات میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے روزہ نہیں رکھا ۔

۲۲ ۔ رمضان المبارک میں جہاد کا موقعہ آیا اور فتح مکہ بھی اسی ماہ میں تھا ۔

۲۳ ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راتوں نماز پڑھتے اور دن کو روزانہ روزہ رکھتے تھے ان کو اعتدال کی صورت بتائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے ۔

۲۴ ۔ ایک جانور پر دوسرے شخص کو اپنے ساتھ بٹھا کر اس کا جواز بتایا ۔

۲۵ ۔ خلع اور طلاق اور عتاق اور ظہار ورعدۃ ے مسائل بتائے ۔

۲۶ ۔ آپنے تاجروں کو ہدایات دیں اور کئی طرح کی بیوع سے منع فرمایا جنمیں بائع یا مشتری یا عامۃ المسلمین کا نقصان ہو ۔ اور بعض چیزیں بازار سے خود خریدیں ،

۲۷ ۔ قرض بھی لیا اور اس کے عوض زرہ بھی رھن رکھی اور حسن القضار کا حکم فرمایا ۔

۲۸ ۔ قصاص و دیات کے احکام بتلائے ۔

۲۹ ۔ ھبہ کے مسائل سمجھائے ۔

۳۰ ۔ شہادات اور خصومات اور مصالحت کے بارے میں ہدایات دیں ۔

۳۱ ۔ جہاد میں خود شرکت فرمائی ۔ فوج کی کمان خود سنبھالی ۔

۳۲ ۔ غزوۂ خندق میں بنفس نفیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شرکت فرمائی ۔

۳۳ ۔ قیدیوں کے احکام بتلائے ۔

۳۴ ۔ اموال غنیمت تقسیم کئے ۔

۳۵ ۔ خیبر فتح ہونے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے پیداوار کا نیائی پر معاملہ فرمایا ۔

۳۶ ۔ مکۃ المکرمہ فتح ہوا تو ان لوگوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمایا جنہوں نے آپکو بڑی تکلیفیں دی تھیں اور ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا ۔

۳۷ ۔ جب کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تھے تو دشمنوں سے معاملہ کس طرح کیا جائے، اس کی ہدایات فرماتے تھے ۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو وہ سواری پر سوار چل رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلتے ہوئے وصیتیں فرما رہے تھے ۔

۳۸ ۔ سنہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور سنہ ۱۰ھ میں بنفس نفیس حج کے لئے تشریف لے گئے ۔ اور فرمایا کہ "خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُم" یعنی احکامِ حج مجھ سے سیکھ لو ۔

۳۹ ۔ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار فرمانا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دینا، آپ نے فرمایا "خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَھْلِه وَأَنَا خَیْرُکُمْ لِأَھْلِهٖ" تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کیلئے تم سب سے بہتر ہوں ۔

۴۰ ۔ اگر کسی کی ایک سے زائد بیوی ہو تو ان میں کس طرح عدل قائم رکھے یہ بھی بتلایا اور کر کے دکھلایا ۔

۴۱ ۔ کھانے، پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے، مجلس میں بیٹھنے، سونے جاگنے کے آداب بتائے ۔

۴۲ ۔ مریضوں کی عیادت کیلئے خود تشریف لے گئے ۔

۴۳ ۔ صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی موت پر آنسو آگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تعجب سے

عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی روتے ہیں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب میں پیدا فرمائی ہے (اس پر عذاب نہیں) اور ایک موقعہ پر فرمایا اِنّ اللہ لایعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بھذا واشار الی لسانہ اویرحم"۔ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ دل کے رنج اور آنکھوں کے آنسوؤں کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا لیکن اس زبان کی وجہ سے عذاب دیتا ہے (اگر اللہ پر اعتراض کیا جائے) اور رحم فرماتا ہے (اگر اللہ کی قضا وقدر پر رضامندی کا اظہار کیا جائے۔)

۴۴۔ پنجوقتہ نمازوں کی امامت تو فرماتے ہی تھے، نماز جمعہ، وعیدین، و جنازہ، ونماز استسقاء، ونماز خوف، ونماز کسوف، ونماز خسوف بھی پڑھائی اوران کے طریقے بتائے۔ اور نماز قصر کے احکام بھی ارشاد فرمائے۔ ایسے مواقع بھی آئے کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی۔ عید کی نماز سے واپس ہوتے ہوئے عورتوں سے خصوصی خطاب فرمایا۔ اور بعض اوقات انہیں علیحدہ کسی گھر میں جمع فرماکر خطاب فرمایا۔ سفر میں جانور پر نفلی نماز پڑھنا بھی اپنے عمل سے بتلایا۔

۴۵۔ آپ نے فرمایا کہ میں نماز لمبی پڑھنا چاہتا ہوں لیکن کسی بچے کے رونے کی وجہ سے نماز میں تخفیف کردیتا ہوں تاکہ اسکی ماں کا دل پریشان نہ ہو۔

۴۶۔ تین صحابی آپ کے دولتکدہ پر حاضر ہوئے اور آپکی نفلی عبادات کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جب اسکی تفصیل بتائی گئی تو کہنے لگے یہ عبادت تو کم ہے (اسمیں ہمارا گذارہ کیسے ہوگا؟) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکا سب کچھ معاف فرمادیا ہے پھر

ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں راتوں رات نماز پڑھوں گا۔ سونے ہی کا نہیں ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا۔ کبھی بھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا۔ نکاح ہی نہیں کروں گا۔ کیونکہ بیوی اور اولاد کی جھمیلوں میں عبادت میں کمی ہو جاتی ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ تم لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں تو نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں اور (راتوں کو) نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ میرے لوگوں میں سے نہیں ہے۔[1]

انسانوں کو انسانوں کیطرف مبعوث فرمانے میں کیا حکمت

ان سب امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا؟ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں فرمایا۔ اہل مکہ کا یہ اعتراض تھا۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (یعنی آپ فرما دیجئے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو وہاں چلتے اطمینان سے رہتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے) وجہ اس کی یہ ہے کہ بشری ضروریات کو بشر ہی پہچانتا ہے۔ اور عملی طریقہ پر انسان ہی انسان کو تعلیم دے

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷ از بخاری و مسلم۔

سکتا ہے ۔ فرشتے چونکہ انسانوں کی حاجات اور ضرورتوں کو نہیں جانتے اسلیے انکو ان کی نفسیات کے مطابق تعلیم بھی نہیں دے سکتے ۔ اس بارے میں چند روایات جو اس وقت ذہن میں آئیں تحریر کی جاتی ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص پیشاب پاخانہ کو روک کر نماز نہ پڑھے[1] چونکہ فرشتے کھاتے پیتے نہیں اس لئے انہیں قضائے حاجت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ۔ چونکہ وہ اس تقاضا کو نہیں جانتے لہذا اس بارے میں تعلیم بھی نہیں دے سکتے ۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب رات کا کھانا سامنے رکھا ہو اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ اور کھانا کھانے سے فارغ ہونے کی جلدی نہ کرو ۔ پھر فراغ قلب کے بعد یکسو ہو کر نماز پڑھو[2] ۔ اس میں بھی وہی نکتہ ہے ۔ بھوک کا تقاضا کیسا ہوتا ہے ؟ اس کو انسان ہی جانتا ہے ۔ فرشتہ کو بھوک نہیں لگتی کہ بھوک کے تقاضا کیوجہ سے نماز میں دل نہیں لگے گا ۔ اس تقاضا کو جو سمجھ سکتا ہے وہی اس بات کی تعلیم دے سکتا ہے کہ پہلے کھانا کھاؤ پھر نماز پڑھو ۔ اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۔ لَاَنْ اَجْعَلَ طَعَامِیْ صَلَاۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَجْعَلَ صَلَاتِیْ طَعَامًا[3] ۔

---

[1] مشکوۃ المصابیح ص ۹۶ ۔ [2] مشکوۃ المصابیح ص ۹۵ ۔

[3] یعنی اگر میں اپنے کھانے کو نماز بنالوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز کو کھانا بنالوں ۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے نماز کا دھیان رہے کہ کھانا کھا کر نماز پڑھنا ہے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز میں کھانے کا دھیان لگا رہے کہ کسی طرح فراغت ہو تو کھانا کھاؤں ۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مرد جب اپنی حاجت کے لئے اپنی بیوی کو بلائے تو وہ آجائے اگرچہ تنور پر کام کررہی ہو[1]

یہ بات مردوں کی حاجات اور شہوات سے متعلق ہے فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث وہ انسانی حاجات وضروریات اور مردوں کے شہوانی تقاضوں کو نہیں جان سکتے ان باتوں کو انسان ہی سمجھ سکتا ہے اس لئے بنی آدم کی تعلیم کا فریضہ انہی جنس کے افراد کے سپرد کیا گیا اور انسانوں کی تعلیم کے لئے انسانوں کو ہی نبوت سے سرفراز فرمایا۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی سید رسلہ محمد وآلہ ومن تبعہ ومشی علی منوالہ۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۲۸۱ از ترمذی۔

مسلسلات کا درس اور اس کا خصوصی اہتمام

حدیث مسلسل محدثین کی ایک اصطلاح ہے۔ تسلسل سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "تقریب" میں فرماتے ہیں۔ المسلسل ھوما تتابع رجال اسنادہ علی صفۃ او حالۃ للروایۃ تارۃ وللرواۃ تارۃ أخری وصفات الرواۃ إما اقوال او افعال وانواعھا کثیرۃ غیرھما کمسلسل التشبیک بالید والعد فیھا وکاتفاق اسماء الرواۃ او صفاتھم او نسبتھم کأحادیث رویناھا کل رجالھا دمشقیون وکمسلسل الفقھاء وصفات الروایۃ کمسلسل بسمعت بأخبرنا فلان او اخبرنا فلان واللہ وافضلہ مادل علیہ الاتصال۔

یعنی حدیث مسلسل وہ ہے کہ جس کے رجال اسناد کسی صفت یا کسی حالت پر متحد ہوں کبھی یہ اتفاق روایت کے بارے میں ہوتا ہے اور کبھی رواۃ کے بارے میں۔ اور رواۃ کے صفات کبھی قولی ہوتی ہے کبھی فعلی اور اس کی اقسام بہت ساری ہیں۔ مثلاً مسلسل بالتشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا۔ اور جیسے انگلیوں پر گنا اور مثلاً رواۃ کے ناموں کا یا صفات کا یا نسبتوں کا متحد ہونا، مثلاً وہ احادیث جن کے رواۃ سب دمشقی ہیں۔ اور جیسے حدیث مسلسل بالفقہاء جس میں ایک دوسرے سے روایت کرنے والے فقہاء ہوں۔ اور تسلسل کی ایک صورت یہ ہے کہ روایت کے اثبات میں اتحاد ہے مثلاً یہ کہ ہر راوی سمعت یا اخبرنا کہتا ہو یا أخبرنا فلاں واللہ کہتا ہو۔ اور اس میں سب سے افضل یہ ہے جو اتصال پر دلالت کرے

اس کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ومن فوائدہ زیادۃ الضبط وقلما یسلم عن خلل فی التسلسل وقد ینقطع تسلسلہ فی وسطہ کمسلسل اول حدیث سمعتہ علی ماھو الصحیح فیہ۔

(یعنی حدیث مسلسل کے جو فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تسلسل سے ایک یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رواۃ نے حدیث کو اچھی طرح یاد کیا ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تسلسل خلل سے سالم رہے، اور کبھی درمیان ہی میں تسلسل ختم ہوجاتا ہے، جیسے حدیث مسلسل بالاولیۃ جس میں ہر راوی یہ کہتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے اپنے شیخ سے یہ حدیث سنی ہے)

اور جیسا کہ حدیث مسلسل تحریک الشفتین ہے جو صحیح بخاری باب بدء الوحی میں مذکور ہے جس کا تسلسل حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ پر منقطع ہوگیا ہے۔

مولانا عبد الباقی صاحب المناہل السلسلۃ، لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ صحیح ترین "حدیث مسلسل" مسلسل بقراءۃ سورۃ الصف ہے

پھر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ مسلسل بالحفاظ اور مسلسل بالفقہاء بھی أصح المسلسلات میں سے ہے۔اھ۔

مسلسلات پر کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علامہ عبد الحئی کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فہرس الفہارس والاثبات" میں چالیس عدد کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں مسلسلات عبد المؤمن ومیاطی، مسلسلات ابن الجوزی، مسلسلات ابن الجزری، مسلسلات ضیاء مقدسی، مسلسلات حافظ شمس الدین سخاوی، مسلسلات حسن بن علی عجیمی مکی حنفی، مسلسلات ابن عقیلہ مکی، مسلسلات حافظ محمد مرتضی زبیدی حنفی اور مسلسلات حافظ محمد عابد سندھی وغیرہا کا تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر لکھا ہے کہ جو مسلسلات علامہ محمد مرتضی حسن زبیدی نے اپنی کتاب حصر الشارد میں

جمع کی ہیں، اور جو علامہ قادقجی نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں یہ اجمع اور اکمل ہے اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی کتاب اپنے کسی شیخ سے پڑھ لے تو مسلسلات کی دوسری کتابوں سے مستغنی ہو جائے گا اھ

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مسلسلات پر دو کتابیں ہیں ایک ہے "المسلسلات الکبریٰ" اور دوسری "المسلسلات الصغریٰ" ہے، ثانی الذکر کا دوسرا نام "جیاد المسلسلات" ہے۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلسلات پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس رسالہ میں حافظ سیوطی کی مسلسلات صغریٰ کی اکثر احادیث آگئی ہیں۔ کما ذکرہ الشاہ عبد العزیز فی بستان المحدثین۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے دو رسالے اور ہیں۔ اول "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسرا "النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر صلی اللہ علیہ وسلم" ان تینوں رسالوں کی اجازت شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا عبد القیوم ابن حضرت مولانا عبد الحی صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لی تھی (مولانا عبد القیوم صاحب حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔ بڈھانہ ضلع مظفر نگر کے ایک قصبہ کا نام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "الفضل

المبین' میں حدیث مسلسل بالأسودین اور مسلسل باجابۃ الدعاء عند الملتزم نہیں ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اول الذکر کو حضرت مولانا عبدالقیوم بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ثانی الذکر کو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرماتے تھے حضرت مولانا خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ' الفضل المبین' اور مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا درس دیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے مشاہیر و علماء نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا سماع کیا اور اجازت لی، مدینہ منورہ میں جب ۱۳۲۹ھ میں حاضری دی تو علماء مدینہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے جنکی تعداد چالیس تھی۔ آپ نے انکو تینوں رسالے سنائے اور اجازت عطا فرمائی۔ جیسا کہ تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہے۔

حضرت الشیخ قدس سرہ جب حسب فرمان حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث مقرر کئے گئے تو ہر سال صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد التزام واہتمام سے پڑھاتے، پھر تعلیمی سال کے اختتام پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ تینوں رسالے پڑھاتے تھے۔ اور حدیث مسلسل بالاسودین اور مسلسل باجابۃ الدعاء عند الملتزم کا سماع بھی اسی میں ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی "الفضل المبین" کے ساتھ چھپے ہوتے تھے، اور حدیث مسلسل بیوم العید عید الفطر کے دن پڑھاتے تھے۔ شعبان میں جس دن مسلسلات کا سبق ہوتا تو مجمع کثیر اور جم غفیر سماع اور اجازت کے لیئے جمع ہو جاتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند تک سے حضرات اساتذہ و تلامذہ سہارنپور آتے اور درس میں شریک ہوتے تھے اخیر سنین میں حاضرین اور سامعین کی تعداد سینکڑوں تک پہونچ جاتی تھی۔

بابِ نہم

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی اسانید

امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث سندِ متصل کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ قرآن مجید چونکہ متواتر ہے اس لئے اسکی اسانید عموماً بیان نہیں کی جاتیں لیکن ہیں وہ بھی محفوظ۔ اساتذہ تجوید و قراءۃ نے ان کو محفوظ رکھا ہے۔ حضرت امام جزری رحمۃ اللہ علیہ تک اور ان سے لیکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ سند محفوظ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "النشر" میں اور تحبیر التیسیر" میں اور دوسری کتابوں میں جمع کردی ہیں۔ ہر قاری اور ہر راوی کی سند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک محفوظ ہے۔ حضرت امام جزری سے پہلے علامہ ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب "التیسیر" میں جمع کی تھی۔ ان کے بعد امام جزریؒ نے اسانید قرآنیہ کو نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج فرمادیا ہے۔

احادیث چونکہ اخبار احاد ہیں اس لئے ان کی اسانید بیان کرنے کا حضرات اساتذہ حدیث بہت زیادہ اہتمام کرتے رہے ہیں اور اسکی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ اگر سند کا اہتمام نہ ہو تو جاہل اور گمراہ لوگ جو چاہیں اپنے پاس سے کہدیں اور حدیث بتادیں۔ اسی لئے عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا "الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاءؐ" (یعنی سند بیان کرنا بھی دین کا ایک حصہ ہے اور اگر اسناد کا سلسلہ نہ ہو تو جس کا جو جی چاہے کہدے۔)

(رواہ مسلم فی مقدمہ)

ہمارے اکابر کا سلسلۂ حدیث چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ سے ملتا ہے۔ اس لئے حضرت اساتذہ کرام اپنی سندیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک بیان کرلینے پر اکتفاء فرمالیتے ہیں۔ کیونکہ آگے کی اسانید

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے رسائل میں موجود ہیں جو اصحاب کتب حدیث تک ہے۔ اصحاب کتب کی اسانید بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہر حدیث کے ابتدا میں اپنی سند بیان کردی ہے۔

"اللّٰھم ماکان مغلق حُذف سندہ فی کتاب وذُکر فی کتاب آخر"۔

سلسلۂ اسناد اور حضرت شاہ صاحب

ہندوستان کے اندر کوئی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے نکل کر نہیں جا سکتا حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اپنی جوانی کے زمانہ میں بڑی تحقیق کی۔ تمام جماعتوں اور فرقوں اور حضرات اہل حدیث کو خطوط لکھے کہ وہ اپنا سلسلۂ سند لکھ کر بھیجیں جس کے پاس سے بھی جواب آیا اسمیں منتہائے سند حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ باہر جا کر عرب وغیرہ میں سند کسی نے حاصل کر لی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی اسانید رسالہ "الارشاد الی مہمات الاسناد" میں بیان فرمائی ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شیخین جلیلین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے شیخ ہیں.. ان کی اسانید انکے شاگرد شیخ محمد محسن الترہتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب "الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبدالغنی" میں بیان بیان کردی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے اولاً دورۂ حدیث ۱۳۳۳ھ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھا۔ جنہوں نے مکمل صحاح ستہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت

مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی ثم المہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے اپنے والد شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت شاہ محمد اسحق صاحب دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی۔

شاہ ابوسعید مجددیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے بھی اجازت حاصل تھی، اگرچہ حدیث حضرت شاہ رفیع الدین محدث دھلوی قدس سرہ سے پڑھی تھی۔

اور حضرت شاہ محمد اسحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ سے حدیث پڑھی تھی۔ اور نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ ان کے نانا نے اپنے والد ماجد مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی قدس سرہ سے حدیث پڑھی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے دوسری مرتبہ ۱۳۳۴ھ میں حضرت شیخ المشائخ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم المہاجر المدنی قدس سرہ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ جو کتابیں اس سال رہ گئی تھیں وہ بھی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بعد میں پڑھ لی تھیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سند قرات حدیث یوں ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا شاہ محمد مظہر صاحب نانوتوی صدر مدرس مدرسہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے اور انہوں نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے اور انہوں نے مولانا رشید الدین صاحب دہلوی سے اور انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے بھی اجازت تھی حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی

مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی دو سندیں ہوئیں، ایک حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور ایک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری سند حضرت مولانا مفتی عنایت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے واسطہ سے۔ یہ سند اجازت ہے۔ حضرت مفتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پرہیزگار و متقی تھے۔ مظاہر علوم ہی سے فارغ ہوئے اور یہیں مدرس بھی ہوئے۔ مہتمم بھی تھے اور محرر بھی۔ عدالتی کاروائیاں بھی نمٹاتے تھے۔ ان کا تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ جامعہ مظاہر علوم کے تذکرہ میں آئے گا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ ایک بار نہایت محبت کی بنا پر مجھ سے فرمانے لگے کہ مولوی زکریا جسقدر استعدادیں فوت ہو رہی ہیں اور ناقص ہوتی جا رہی ہیں۔ اسی قدر سندوں کے اندر زینت بڑھتی جا رہی ہے۔ میں تمہیں اپنی سند دکھاؤں وہ ایک مٹیالہ کاغذ پر ہے جسمیں پنساری بھی سودا نہ باندھے۔ یہ بات حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ اسوقت سند دیکھی نہ تھی صرف دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

جب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو شیخ الحدیث کے عہدہ پر مظاہر علوم میں سرفراز کر دیا گیا اور حدیث کی کتابیں پڑھانے لگے اور ایک دن محلہ قاضی سہارنپور میں کسی ضرورت سے تشریف لیگئے اور اسی ذیل میں مفتی عنایت الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کا ارادہ فرمایا۔ دروازہ پر پہنچ کر دستک دی تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اندر سے تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے سند دیکھنے کو کہا تھا تو ابھی دیکھتے جاؤ۔ اندر تشریف لیگئے اور ایک مٹیالہ کاغذ ہمراہ لیکر واپس لوٹے۔ اس پر یوں لکھا ہوا تھا کہ "عنایت الٰہی طالب علم مدرسہ نے ہم سے پڑھا اور

اچھا پڑھا " یہ عبارت حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے درس میں نقل فرمائی تھی جو تقریر بخاری شریف جلد اول صفحہ ۵۸ پر چھپی ہوئی ہے۔ بعد میں رسالہ اسٹرائک صفحہ ۹ و ۸ اور صفحہ ۶ پر نظر پڑی تو تفصیل سے سند کے الفاظ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو جن الفاظ میں اجازت لکھکر دی تھی وہ سب مندرج ہیں، وہاں سے تکمیلاً للافادہ پوری عبارت لکھی جاتی ہے۔ حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب کو جو سند دیگئی تھی اس کا متن یہ ہے۔

عنایت الٰہی طالب علم مدرسہ عربی سہارنپور ۱۲۸۴ھ یعنی ایام ابتدار تقریر مدرسہ اس مدرسہ میں داخل ہوا۔ صرف ونحو وفقہ واصول وکتب معقول ومعانی ادب وریاضی بہت شوق سے حاصل کئے اور کتب حدیث مشکوٰۃ شریف واکثر صحاح ستہ اچھی طرح پڑھیں اور امتحانات سالانہ میں مورد آفرین رہا اور انعامات بھی پائے چنانچہ ۸۵ھ شرح وقایہ اور ۸۶ھ میں قاضی مبارک سراجی اور ۸۷ھ میں جامع ترمذی اور ۹۱ھ میں شرح چغمینی و تقریب التہذیب انعامات حاصل کئے اور چند روز کیلئے بسبب خلو عہدہ مدرس عربی کی امانت پر مقرر ہوا۔ تو تعلیم میں اس کے طالب علم اس سے خوش رہے۔ کنز الدقائق۔ نور الانوار۔ نفحۃ الیمن، مختصر المعانی کا درس دیا۔ پھر جب مدرسہ مظاہر علوم کی بنا ہوئی تو حساب تعمیر اس کے سپرد کیا گیا چنانچہ موصیٰ الیہ نے جملہ کاروبار اپنے متعلق کو بخوبی انجام دیا۔ حساب بہت درست اور بہت صاف رکھا۔ اور کتب خانہ بہت آراستہ رکھا۔ اور اپنی اس کارکردگی میں اطفال کا سبق بھی ملحوظ نظر رکھا۔ میں اس کے کام سے اور حاضر باشی اور دیانت سے بہت خوش ہوں اور بدانست احقر یہ شخص کارگذار ہوشیار مستعد۔ امانت دار۔ اپنے افسر کا فرماں بردار ہے۔ خصوصاً حساب کے راستہ میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ اپنے والد کی طلب کے

موافق بضرورت استعفا دیا۔ "تاریخ تحریر ۶ رشعبان ۱۲۹۵ھ"

دستخط :۔ محمد مظہر مدرس مدرسہ اول | محمد مظہر ۱۲۶۱ھ (مہر) | تحریر مولوی صاحب کو راست گمان کرتا ہوں | احمد علی کل حال

اس تحریر کو نقل فرما کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نقل فرماتے ہیں کہ یہ تحریر جو حضرت اقدس مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ہے اور اس پر ان کے دستخط اور مہر ہے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری محشی بخاری کی اس پر تصدیق اور اپنے دستخط مبارک کی مہر ہے، دیکھ کر اس سیہ کار نے اس مبارک تحریر کی تقبیل کی اور واپس کر دی۔ حضرت مہتمم صاحب نے ازراہ شفقت یہ ارشاد فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں مرنے کے قریب ہوں میرے یہاں اس کا کوئی قدر دان نہیں ہے یہ تیری نذر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جناب کی سند کو یہ ناکارہ تبرک بنا کر رکھ لے۔ اگر آپ اس ناکارہ کو اس پر اجازت لکھدیں تو پھر یہ میری اپنی سند ہو جائیگی۔ اولاً حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہ نے از راہ تواضع بہت انکار فرمایا کہ چناں چنیں ہے۔ معذرت فرماتے رہے لیکن میری درخواست پر بلکہ میرے اصرار پر یہ تحریر شدید بیماری میں لکھی۔

"یہ سارٹیفکٹ اپنا حسب طلب مولانا محمد زکریا کاندھلوی جو مدرس مدرسہ مظاہر علوم اور شیخ الحدیث ہیں دیا گیا"۔ اور ان کے ارشاد کی تعمیل میں یہ لکھا گیا مولانا موصوف الصدر نے اس مدرسہ میں صرف و نحو سے آخر جملہ فنون فقہ واصول ومنطق فلسفہ ریاضی و حدیث وغیرہ تک پڑھا اور اب بھی مدرسہ ہی میں عرصہ سے درس دیتے ہیں۔ خصوصاً فن حدیث کے خوب ماہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ چونکہ عاجز بدنام کنندہ نیکو نامے چند چار پائے بروکتابے چند اس مدرسہ کے استاد اول

کا صحبت یافتہ ہے۔ حسب الامر مولانا صاحب اجازت درس وتدریس دیتا ہوں ورنہ میں کہاں اور اجازت کیا معنی دارد۔ واللہ ولی التوفیق وھو الرفیق فی کل مقام۔

عاجز عنایت الٰہی عفی عنہ خادم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۱ رشعبان ۱۳۲۶ھ

یہ اجازت مفتی عنایت الٰہی صاحبؒ کو حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ومحشی بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملی تھی۔ ان دونوں حضرات نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ پہلے اپنے چچا مولانا وجیہ الدین صاحب سہارنپوری سے اور انہوں نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب مفسر قرآن دھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ سے حدیث پڑھی۔

اس کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی پہونچے اور وہاں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھنی شروع کی۔ ابھی حدیث کی کتابیں پوری نہ پڑھی تھیں کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کو ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے استاد صاحب کے ساتھ مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہوگئے اور وہاں ان سے حدیث تکمیل کی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تاریخ مظاہر ص۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے جملہ کتب حدیث اپنے دست مبارک سے لکھ کر پڑھی۔

جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ صبح کی نماز کے بعد ظہر کی نماز تک حرم شریف میں حدیث کی کتاب نقل کرتے اور ظہر سے عصر تک حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے حدیث پڑھتے۔ حدیث پاک کی تمام کتابیں اسی طرح پڑھیں۔ حضرت مولانا موصوف نہایت ہی خوش قلم تھے۔ انکے دست مبارک کی لکھی ہوئی کتب کی بندہ نے بھی زیارت کی۔ مولانا نور اللہ مرقدہ کا ابوداؤد شریف کا کامل نسخہ حضرت اقدس (مولانا خلیل احمد) قدس سرہ کے پاس بذل المجہود کی تالیف کے زمانہ میں ساتھ ساتھ رہا۔

علم حدیث سے فراغت کے مولانا مکۃ المکرمہ سے واپس ہندوستان تشریف لائے اور ۱۲۹۰ھ میں دہلی میں مطبع احمدیہ قائم کرکے اپنی جدوجہد اور مساعی جمیلہ سے حدیث پاک کی کتب طبع کرنی شروع فرمائیں۔ انتہی۔

یہ ایک ذیلی بات تھی جو زیر قلم آگئی۔ اب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی اسانید کو شجرہ کی صورت میں ملاحظہ فرمائیں جو حضرۃ نے خود لامع الدراری کے مقدمہ میں درج فرمائی ہیں

مسند الہند حضرت المحدث الاجل احمد بن عبدالرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ محدث دھلوی قدس سرہ

حضرت الشاہ عبدالعزیز الدھلوی قدس سرہ

- الشاہ ابوسعید رح — الشاہ عبدالغنی
  - حضرت القطب الگنگوہی مولانا رشید احمد قدس سرہ
    - سیدی الوالد مولانا محمد یحییٰ نور اللہ مرقدہ
      - زکریا
  - اجازۃ حضرۃ مولانا خلیل احمد
    - زکریا
- الشاہ عبدالقادر الدھلوی
  - مولانا عبدالحی البڈھانوی
    - مولانا وجیہ الدین السہارنپوری
      - مولانا احمد علی
- الشاہ محمد اسحٰق المہاجر المکی
  - مولانا عبدالقیوم
    - مولانا احمد علی
      - مولانا عنایت الٰہی رح
        - اجازۃ
          - زکریا اجازۃ
- مولانا رشید الدین الکشمیری الدھلوی
  - مولانا مملوک علی النانوتوی
    - مولانا محمد مظہر النانوتوی
      - حضرۃ الشیخ خلیل احمد المہاجر المدنی قدس سرہ
        - زکریا

[illegible]

[illegible]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی مذکورہ بالا اسانید جو درج کی گئی ہیں یہ سلسلہ ولی اللہی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی قدس سرہ کے خاندان کے توسط سے ہیں۔ ان اسانید کے علاوہ حضرت مولانا موصوف کو سلاسل حجازیہ میں بھی اجازت تھی۔ ۱۲۹۳ھ میں جب حضرت مولانا سہانپوری قدس سرہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو شیخ احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی اجازت لی۔ پھر ۱۳۲۳ھ میں حج کیلئے تشریف لیگئے تو مدینہ منورہ میں مفتی الشافعیہ حضرت مولانا السید احمد برزنجی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل کی۔ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھالوی اور حضرت شیخ احمد بن زینی دحلان مکی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دھلوی اور حضرت مولانا سید احمد برزنجی مدنی رحمۃ اللہ علیہم نے جو اجازت مرحمت فرمائی تھی ان کی عبارات اوائل مسلسلات میں مذکور ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے وقت کے محدث اعظم مولانا سید بدرالدین شامی سے بھی اجازت حاصل تھی جس کا تذکرہ مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الخلیل میں کیا ہے اور انکی سند کے الفاظ ص۵ اور ص۱۵ پر نقل کئے ہیں۔ جس میں ان کی سند حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تک مذکور ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو سند عطا فرمائی تھی وہ انھیں اوراق میں نقل کی جا چکی ہے اس میں بھی مولانا بدرالدین محدث شامی سے مراسلۃً اجازت لینے کا تذکرہ ہے۔

فوائد ضروریہ متعلقہ اسانید

۱۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً دھلی میں الحاج محمد افضل سیالکوٹی ثم الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی۔ پھر مدینہ منورہ میں حضرت شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں اور شیخ وفد اللہ مکی وغیرہ سے مکہ معظمہ میں حدیث پڑھی۔ جن مشائخ سے حجاز میں حدیث پڑھی ان کے اسماء اپنے رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں ذکر فرمائے ہیں۔

الحاج محمد افضل صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالأحد بن خازن الرحمۃ محمد بن احمد بن عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ احمد بن عبدالاحد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ہے۔ الحاج محمد افضل سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حجاز میں قیام کیا تھا اور وہاں کے محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی تھی۔ مدینہ منورہ میں ان کے شیخ حضرت سالم بن عبداللہ بصری تھے۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی سند اپنے والد کے واسطے سے محقق جلال الدین دوانی تک پہنچتی ہے جو اسطرح سے ہے۔

عن عبدالرحیم الدھلوی عن العلامہ میرزاہد الھروی عن العلامہ محمد فاضل البدخشی عن المحقق محمد یوسف القراباغی عن المحقق حبیب اللہ مرزا جان الشیرازی عن العلامہ محمود الشیرازی عن المحقق العلامہ جلال الدین الدوانی۔

محقق دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسانید "المنوذج العلوم" میں ذکر کی ہیں۔
حافظ السخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الضوء اللامع" میں محقق دوانی کا تذکرہ کیا ہے
ان کی وفات ۹۱۸ھ میں ہوئی۔ محقق دوانی تک جو اوپر ہم نے سند نقل کی
ہے "التمہید لتعریف ائمۃ التجدید" میں مذکور ہے۔ چونکہ محقق دوانی کی کتاب
"انموذج العلوم" حاصل نہ ہو سکی اس لئے ان کی اسانید کا پتہ نہ چل سکا۔
۳۔ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شیخ
عمر بن عبدالکریم مکی شافعی بھی ہیں۔ اپنے زمانہ میں مکہ معظمہ میں بڑے درجہ
کے محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ شیخ عبدالملک القلعی اور شیخ طاہر سنبل اور
شیخ صالح فلانی اور حافظ مرتضیٰ زبیدی سے حدیث کی روایت کرتے تھے۔
۱۲۴۹ھ میں مکہ میں وفات پائی۔ علامہ کتانی نے فہرس الفہارس ص۴۹۶
میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔
۴۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجددی تھے
یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ انہیں اپنے
خاندان سے بھی اجازت حاصل تھی صل ہے۔ اور وہ اس طرح سے ہے۔
الشاہ عبدالغنی عن والدہ الشاہ أبی سعید عن خالہ الشیخ سراج احمد عن أبیہ محمد رشد
عن أبیہ محمد ارشد عن أبیہ مولوی محمد فرخ شاہ عن أبیہ خازن الرحمۃ محمد سعید
محشی مشکوٰۃ المصابیح عن أبیہ مجدد الألف الثانی احمد بن عبدالأحد السرہندی
عن مولانا یعقوب الکشمیری عن الشہاب ابن حجر الھیثمی، رحمہم اللہ تعالیٰ۔
۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسانید اصحاب
کتب ستہ تک ہم نے اوپر ذکر کر دی ہیں۔ اور حضرت شاہ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

کی اسانید العناقید الغالیہ میں مذکور ہیں جو الیانع الجنی سے منقول ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

صحاح ستہ کی اسانید کے علاوہ شمائل ترمذی اور شرح معانی الآثار للامام الطحاوی ؒ اور موطا امام مالک ؒ بروایۃ امام محمد بن الحسن الشیبانی ؒ عام کتابوں میں نہیں ملیں ما تتبع اور تلاش کے بعد وہ بھی "العناقید الغالیہ" میں لکھدی ہیں۔ نیز "الحصن الحصین للامام الجزری" اور "مشکوۃ المصابیح للخطیب التبریزی" بھی کتاب مذکور میں لکھدی ہیں۔ من شاء فلیراجع۔

۵۔ اسانید حدیث میں جو حضرات حنفیہ کے اسمار گرامی آتے ہیں ایک نظر میں انکو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ شیخ حسن بن علی عجیمی المکی ؒ جو اسناد موطا میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الشیخ ہیں۔ یہ حنفی تھے۔ انہوں نے طائف میں ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ شیخ عبد الحی کتانی نے فہرس الفہارس صـ۸۱ میں ان کے بارے میں لکھا ہے، مسند الحجاز علی الحقیقۃ والمجاز الفقیہ الصوفی المحدث العارف احد من رفع اللہ بہ منار الحدیث والروایۃ فی القرآن الحادی عشر وآد الثانی تعاطی ھذہ الصناعۃ فصار قطب رحاھا وعلیہ مدارھا۔

۲۔ احمد بن أبی طالب المعروف ابن الشحنہ ؒ، ان کا اسم گرامی صحیح بخاری کی سند میں ہے۔ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کے شیخ الشیخ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الدرر الکامنہ جلد ۱ صـ۱۶۶ میں لکھا ہے:۔

حدث بالصحیح أکثر من سبعین مرۃ بدمشق والصالحیۃ بالقاھرۃ والحماۃ وبعلبک وحمص وکفر بطنا۔

اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ ان سے ایک لاکھ یا ان سے زیادہ حضرات نے حدیث کا سماع کیا ہے۔

۳- شیخ احمد بن ابی طالب۔ اجاز کے شیخ حسین ابن مبارک الزبیدیؒ بھی حنفی تھے۔ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۳ میں لکھتے ہیں ھو ابو علی حسین بن أبی بکر المبارک الزبیدی ثم البغدادی کان شیخا صالحاً حنفیا فاضلاً ذا فنون کثیرۃ۔

۴- مفتی مکہ شیخ قطب الدین محمد بن احمد النہروالی بھی حنفی تھے۔ یہ نہروالا علاقہ گجرات (ہند) کے رہنے والے تھے۔ مکہ معظمہ میں زندگی گذاری اور وہیں وفات پائی۔ صحیح بخاری کی سند جو مؤلف الیانع الجنی نے بطریق حافظ محمد عابد سندھی نقل کی ہے اسمیں ان کا اسم گرامی بھی ہے۔ فہرس الفہارس ص ۹۴۴

۵- حضرت شیخ تاج الدین قلعی، یہ مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔ صحیح بخاری کی سند جو شیخ فلانی کے واسطہ سے ہے جسے صاحب الیانع الجنی نے نقل کیا ہے اسمیں ان کا اسم گرامی آتا ہے۔ یہ شیخ حسین عجیمی کے شاگرد تھے۔ علامہ کتانی نے فہرس الفہارس میں لکھا ہے۔

شیخ علا سنه وسناه وبلغ من الاحادیث النبویة والمعارف السنیة مناه وممن یشار الیه فی هذا المعنی بالاصابع ولا یوجد فیه منازع ولا مدافع۔

۶- ابراھیم بن محمد بن سفیان، یہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد ہیں جو صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے: قال الحاکم: کان ابراھیم بن سفیان من العباد المجتھدین، ومن الملازمین لمسلم بن الحجاج، وکان من اصحاب ایوب بن الحسن الزاھد صاحب الرأی یعنی الفقیه الحنفی۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "انجاز الوطن" میں لکھتے ہیں
مما ینبغی أن یفتخر بالحنفیۃ حیث لا یروی صحیح مسلم فی اکثر البلاد
إلا بواسطۃ صاحبھم۔

شیخ عبدالقادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے الجواہر المضیئۃ میں ان کو فقہاء
حنفیہ میں شمار فرمایا ہے۔

۷۔ ابو محمد عبدالرحیم ابن الفرات، صحیح مسلم کی سند میں ان کا اسم گرامی
آتا ہے جیسے صاحب الیانع الجنی نے بطریق حافظ محمد عابد انصاری ذکر کیا ہے،
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سند جو ان کے شیخ ابوطاہر
سے امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ تک ہے اسمیں بھی ان کا اسم گرامی واقع
ہوا ہے۔ فہرس الفہارس ص۹۱۲ میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔
عز الدین عبدالرحیم ابن علي بن الفرات المصري الحنفي، اور یہ بھی لکھا
ہے، جمع وتفرد بجمع من المشائخ وصارت الرحلۃ إلیہ من الآفاق لعلو سندہ و
مات قبل الحافظ ابن حجر بسنتین وشارک بعض مشائخہ فی مشائخھم،

۸۔ احمد بن محمد الخفاجی۔ ان کا اسم گرامی سنن ابی داود کی سند میں واقع ہوا ہے۔
خلاصۃ العصر جلد ۱ ص۳۳۱ میں لکھا ہے۔ الشیخ احمد بن عمر قاضی القضاۃ
المقلب شھاب الدین الخفاجی المصری الحنفی صاحب التصانیف السائرۃ
احد افراد الدنیا المجمع علی تفوقہ وبراعتہ وکان فی عصرہ بدر سماء العلم۔

۹۔ شیخ احمد بن احمد بن زین الدین عبداللطیف الشرجی الزبیدی،
فہرس الفہارس ص۱۰۶۶ میں ان کو حنفی بتایا ہے اور ان کو محدث دیار العربیۃ
ومسندھا کے لقب سے ذکر کیا ہے۔ شیخ محمد عابد انصاری کی سند جو امام
ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے اس میں ان کا نام آتا ہے مشہور کتاب

"تجرید البخاری" انہیں کی تالیف ہے۔ لفظ زبیدی کی نسبت میں جو اشتراک ہے اس کی وجہ سے بعض حضرات نے تجرید البخاری کو مرتضیٰ زبیدی کی تالیف سمجھ لیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۱۰۔ حافظ محمد عابد انصاری سندی ثم المدنی بھی حنفی تھے۔ ان کی اسانید حدیث ان کی اپنی تالیف "حصر الشارد" میں مذکور ہیں۔ علامہ ترھتی نے الیانع الجنی میں بھی ان کی اسانید صحاح ستہ سے متعلق نقل کی ہیں، انہوں نے مدینہ منورہ میں اپنا ایک عظیم کتبخانہ چھوڑا، جس کو وقف کر دیا تھا جس میں انمول حدیث کے مخطوطات تھے۔ ان کی تالیفات میں "المواھب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ" مشہور ہے۔ انہوں نے بلوغ المرام کا شرح بھی لکھا تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ میں وفات پائی۔

الائمۃ الحنفیۃ فی شیوخ البخاری وغیرہ

اوپر ان محدثین حنفیہ کا ذکر تھا جو اسانید کتب حدیث معروفہ میں واقع ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے لامع الدراری کے مقدمہ میں چند ایسے حضرات کے اسمار گرامی ذکر کئے ہیں جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ اللہ علیہ یا ان کے تلامذہ سے علم حاصل کیا۔ اور وہ کتب حلوثیہ کے مصنفین کی اسانید میں واقع ہیں۔ ان سے اصحاب کتب ستہ نے یا ان میں سے بعض حضرات نے احادیث نقل کی ہیں۔ مختصراہم چند سطور میں ان کے اسمار گرامی لکھ رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اول تو یوں لکھا ہے کہ

ان الحنفیۃ من شیوخ البخاری وشیوخ مشائخہ کثیرون لایخفی علی من مارس کتب الرجال ۔ پھر اس کے بعد سب سے پہلے

۱۔ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ کا اسم گرامی لکھا ہے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ الجواہر المضیئۃ میں انہیں حنفیہ میں شمار کیا ہے ان کی روایات صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔

۲۔ بن سعید القطانؒ یہ بہت بڑے محدث تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیتے تھے۔ ان کی روایات بھی کتب صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۳۔ معلی بن منصور۔ یہ بھی حنفیہ میں سے تھے۔ قسطلانی شارح بخاریؒ نے ان کو شیوخ بخاری میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب میں حافظ

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے ،
معلّٰی من کبار اصحاب ابی یوسف و محمد و من ثقاتھم فی النقل والروایۃ ۔

۴ ۔ ضحاک بن مخلد ۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے واسطہ سے چھ ثلاثیات نقل کیئے ہیں ۔

۵ ۔ محمد بن مثنی اللہ بن مثنی انصاری ، یہ حضرت امام زفر اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے شاگرد تھے ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تین روایات ثلاثی نقل فرمائی ہیں ۔

۶ ۔ مکی بن ابراہیم ، یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے ، بلخ کے امام تھے ، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے گیارہ روایات ثلاثی نقل کی ہیں ۔

۷ ۔ نعیم بن حماد ، یہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں ۔

۸ ۔ حسین بن ابراہیم الملقب باشکاب ، یہ امام ابویوسفؒ کے شاگرد تھے ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عمرۃ القضا کے بیان میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے ۔

۹ ۔ عمر بن حفص بن غیاث ، یہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں ۔

۱۰ ۔ فضیل بن عیاض ، مشہور عابد و زاہد تھے ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں ۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ان سے روایت کی ہے ۔

۱۱ - امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین ، حافظ ذہبی نے اپنے رسالہ الموسوم "معرفۃ الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردھم" میں لکھا ہے ،
إن ابن معین کان من الحنفیۃ الغلاۃ فی مذہبہ وإن کان محدثا ،

۱۲ - وکیع بن جراح ، یہ حضرت امام ابوحنیفہ وابو یوسف وزفر رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔

۱۳ - یحییٰ بن اکثم ، یہ بھی حنفیہ میں سے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے علاوہ دوسری بعض کتب میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۴ - یحیی بن صالح الوحاظی ۔ یہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور امام محمد بن الحسن سے بھی حدیث پڑھی۔ مکہ معظمہ تک ان کے ساتھ سفر میں رہے۔ امام بخاری نے ان سے بھی روایت کی ہے۔

۱۵ - یوسف بن بہلول ، ۱۶ - عبداللہ بن داود خریبی ، ۱۷ - ابراہیم بن طہمان ، ۱۸ - جریر بن عبدالحمید بن قرط ، ۱۹ - حسن بن صالح ، ۲۰ - حفص غیاث ، ۲۱ - داود بن رشید ، ۲۲ - زائدہ بن قدامہ ، ۲۳ - زکریا بن أبی زائدہ ، ۲۴ - زہیر بن معاویہ ، ۲۵ - محمد بن فضیل ، ۲۶ - یزید بن ہارون ،

یہ سب حضرات بھی حنفیہ میں سے تھے ۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں ، تفصیل کے لئے "الجواھر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ" کا ملاحظہ فرمائیں۔

بحث تو اسناد کی چل رہی تھی ، یہ مضمون استطرادًا زیر بحث آگیا۔ والشیئ بالشیئ یذکر۔

باب دہم

تالیفات کا مفصّل تذکرہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ ایک عظیم محدث تھے، آپ کی خدمات حدیث جہاں تدریس کی صورت میں ظاہر ہوئیں اور سالہا سال صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پڑھائیں اور مشکوۃ المصابیح وغیرہ کا درس دیا وہاں آپ نے تالیفات کا عظیم ذخیرہ بھی چھوڑا، آپ کی تالیفات ڈیڑھ سو کے قریب ہیں جو اکثر حدیث اور کتب حدیث اور رواۃ حدیث سے متعلق ہیں، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود لکھنے میں آپ کو ساتھ لگا کر محدث بھی بنا دیا اور مصنف بھی نیز مرشد و مصلح بھی، ظاہر ہے کہ جو شخص دس سال مکمل بذل المجہود کی تالیف میں ساتھ لگا رہا ہو اور اس اثنار میں بار بار کتب حدیث کی ورق گردانی کی ہو متون حدیث کو دیکھا ہو، شروح کا مطالعہ کیا ہو، رواۃ کی دیکھ بھال کی ہو اسانید کی چھان بین میں لگا رہا ہو اسے روایۃ الحدیث اور درایۃ الحدیث پر کس قدر عبور ہو گا علوم حدیث سے شغف رکھنے والے ہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے بذل المجہود ختم ہونے سے پہلے ہی مؤطا امام مالک کی شرح لکھنا شروع کردی

تھی، پھر سہارنپور تشریف لائے تو شرح مؤطا کی تالیف برابر جاری رہی جس میں تیس سال سے کچھ زائد خرچ ہو گئے اور درمیان میں بہت سے چھوٹے بڑے رسالے بھی تالیف ہوتے رہے ہے،

آپ کی جتنی بھی مطبوعہ تالیفات ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب ہی مقبول و متداول ہیں، ہزارہا ہزار طبع ہوتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ ختم ہوجاتی ہیں، حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی مقبولیت عامہ کی طرح آپ کی کتابیں بھی ہندو بیرون ہند پورے عالم میں شہروں مین بستیوں میں، اور جنگلوں میں پہونچی ہوئی ہیں اور بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ پڑھی اور سنی جاتی ہیں، ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ بیتی نمبر ۲ میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے از صفحہ ۱۲۴ تا صفحہ ۱۶۳ پر اپنی تالیفات کی فہرست دی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ کونسی کتاب لکھی؟ اور کیوں لکھی؟ اور کس کی تحریک پر لکھی؟ احقر نے اس پر نظر ڈالی تو ظاہر ہوا کہ ان میں بہت سی مطبوعہ کتابیں بھی نہیں آئیں، جو آپ کی حیات ہی میں شائع ہو گئی تھیں، لہذا آنے والے صفحات میں ان تالیفات کے ساتھ جنکا آپ بیتی میں تذکرہ ہے .... ان کتب کی فہرست بھی لکھوں گا جنکا تذکرہ آپ بیتی میں نہیں آیا ہے

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا سلسلۂ تالیف با وجود بہت زیادہ معذوریوں اور مجبوریوں کے آخر تک چلتا رہا، آپ املا فرماتے تھے اور بعض خدام لکھ لیتے تھے، جہاں تک میرے علم میں ہے آپ کی آخری تالیف رسالہ فضائل تجارت ہے

آخری چند سالوں میں آپ کا یہ بھی طریقہ تھا کہ اپنے بعض خدام کو حکم فرماتے تھے کہ فلاں عنوان پر رسالہ لکھو، چند رسالے لکھنے کے لئے احقر کو حکم دیا اور چند رسالے بعض دیگر احباب سے لکھوائے۔

.... یہ بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے نامۂ اعمال میں ہیں، اور آپ کی اپنی لکھی ہوئی تالیفات کی طرح آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، تقبل اللہ جمیع ذلک

احقر نے آپ بیتی میں درج شدہ تالیفات کو چند عنوانات پر منقسم کر دیا ہے، اس لئے ترتیب بھی وہ باقی نہیں رہ سکی جو آپ بیتی میں ہے، پہلے ان شاء اللہ ان تالیفات کا تذکرہ کروں گا جو تفسیر و تجوید سے متعلق ہیں، اس کے بعد ان کتابوں کا تذکرہ ہوگا جو حدیث اور کتب حدیث سے متعلق ہیں، پھر دیگر عنوانات کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ کتب ذکر ہوں گی

تفسیر و تجوید

(۱) حواشی کلام پاک (غیر مطبوعہ) اس کے متعلق حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں،

" اس ناکارہ کا معمول ۳۸ھ سے لیکر ۸۵ھ تک ماہ مبارک کی راتوں میں سونے کا نہیں تھا، بغیر رمضان المبارک کے تو کلام مجید دیکھکر پڑھنے کا وقت بہت ہی کم ملتا رہا، لیکن رمضان المبارک میں دو چار رمضانوں کے علاوہ علمی کام سب بند ہوجاتے تھے اور قرآن پاک کے دیکھکر پڑھنے کا معمول ماہ مبارک میں بہت اہتمام سے ہوجاتا تھا، تراویح کے بعد سے تہجد کے وقت تک ترجمہ کے تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھنے کی نوبت آتی تھی، اور اس میں جو اشکال پیش آتا تھا، اسی وقت تفاسیر سے مراجعت کرکے بین السطور کے حواشی پر لکھ لیتا دیا ان ہی "

(۲) تبویب احکام القرآن للجصاص (غیر مطبوع) امام ابوبکر جصاص رازی قدس سرہ کی احکام القرآن کی فہرست قرآن پاک کی ترتیب کے موافق ہے اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حافظ قرآن ہو، اس لئے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اس کے مضامین کو علی ترتیب الابواب الفقہیہ مرتب فرمایا تھا،

(۳) شرح تحفۃ الاخوان (مطبوع) اس کے بارے میں حضرت مؤلف قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں،

" جب یہ سیہ کار یکسالہ قیام کی نیت سے ۴۵ھ میں مدینہ پاک گیا اور وہاں کچھ تجوید پڑھنے کا شوق ہوا تو المقرئ الشہیر استاذ الاساتذہ القاری حسن شاعر جو اس زمانہ میں بھی معمر تھے اور مکہ اور مدینہ کے قراء کے استاد تھے بڑا شہرہ ان کا تھا، ان سے شاطبی شروع کی لیکن پہلے ہی سبق میں ان سے لڑائی

ہوگئی، اس لئے کہ حضرت قاری صاحب نے یوں فرمایا کہ مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں، اشعار حفظ یاد کرلو، اس ناکارہ نے عرض کیا اشعار تو ضرور حفظ کرکے سنادیا کروں گا، مگر اتنے مطلب نہ سمجھوں اتنے قرآن کے الفاظ کی طرح سے اس کے اشعار کو یاد کرنے سے کیا فائدہ؟ میرے حضرت قدس سرہ کو کئی ماہ بعد اس قصہ کی خبر ہوئی تو حضرت نے ارشاد فرمایا تونے مجھ سے نہ کہا شاطبی تو تجھے سمجھا کے میں پڑھاتا۔ قاری صاحب کی شاگردی تو اسی دن ختم ہوگئی تھی لیکن ان کی شفقت و محبت ابتک بھی رہی، چنانچہ گذشتہ سال ۱۳۸۹ھ میں جب مدینہ پاک حاضری ہوئی اسوقت بھی وہ زندہ تھے اور بہت ہی ضعیف بہت ہی معمر، خبر سنتے ہی دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لائے اور ہر مجلس میں اس ناکارہ کے متعلق سید محمود (برادر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ) کے یہاں اور بڑوں بڑوں کے یہاں بہت فخر سے فرماتے رہے کہ یہ میرا "تلمیذ رشید" ہے، اور ہمیشہ اسی لفظ سے تعارف کرایا کرتے اور میں ان کے "رشید" کہنے پر اس قدر شرمندہ ہوتا ہوں کہ نالائق سے لڑائی تو پہلے ہی دن ہوگئی تھی پھر بھی میں "رشید" ہی رہا، لیکن ان کی شفقت اُس سال بھی بہت رہی،[1]

تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن ان کی عربی تالیف ہے وہ چونکہ اردو سے واقف نہیں تھے اور ان کے ہندی شاگرد بہت کثرت سے ہر سال چند روزہ قیام میں بھی کچھ نہ کچھ ان کی عام شہرت کی وجہ سے ان سے پڑھتے تھے، اس لئے انھوں نے مجھے حکم دیا کہ اس کا اردو ترجمہ لکھوں، وہ میں نے ایک دو دن میں کر دیا۔ اور ۸ر جمادی الاولی ۴۵ھ کی تاریخ

[1] چند سال قبل مدینہ منورہ میں قاری صاحب موصوف کی وفات ہوگئی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے خاتمہ پر لکھی ہوئی ہے، اس کے متعلق ایک بڑا لطیفہ بھی پیش آیا۔ جو ان شاء اللہ عنقریب لکھوں گا، اور بھائی الحاج احمد علی صاحب راجو پوری مہاجر مدینہ منورہ کی مساعی جمیلہ سے ان کی حیات تک یہ پندرہ بیس دفعہ چھپا، ان کی وفات کے بعد کا حال معلوم نہیں، لیکن مظاہر علوم کے کتب خانہ میں اس کا مطبوعہ ایک نسخہ تو یقیناً ہے[۱]،

جس لطیفہ کا اوپر ذکر ہوا وہ یہ ہے کہ "حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ نور اللہ مرقدہ کا دستور تھا کہ اگر مجمع زیادہ ہوتا تب تو کھانا خانقاہ شریف میں آتا، لیکن ہم خدام میں سے اگر دو چار ہوتے تو حضرت قدس سرہ مکان ہی پر لیجاتے اور ہر دو میں سے جونسی اہلیہ کا نمبر ہوتا ان کے مکان پر کھانا کھانے کی نوبت آتی، البتہ چھوٹی اہلیہ محترمہ کے یہاں کھانا کھانے کی زیادہ نوبت آئی، ایکمرتبہ چھوٹی اہلیہ کے زنانہ مکان کی چھت پر یہ ناکارہ اور مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ صرف ہم دو کھانے میں تھے، اور حضرت قدس سرہ خود بنفس نفیس اندر سے کھانا لا رہے تھے جس کی بڑی شرم آرہی تھی، ایک مرتبہ قدس سرہ ہاتھ میں دور کابیں لئے ہوئے اندر سے تشریف لارہے مستورات بھی قریب ہی کمرہ میں تھیں اور ہم صحن میں کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ حضرت اندر سے بہت ہی ہنستے ہوئے تشریف لائے، وہ منظر بھی بہت آنکھوں میں کانوں میں اور دل میں گونج رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا مولانا زکریا صاحب آج ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ آپ قاری بھی ہیں، میں نے عرض کیا حضرت بالکل نہیں، میں تو

---

[۱] آپ بیتی لکھنے کے بعد یہ رسالہ اب پھر چھپ گیا ہے ۱۲

فارسی میں قرآن پڑھوں، حضرت نے فرمایا مجھے بھی یہی معلوم تھا کہ آپ قاری نہیں ہیں، مگر یہ عورتیں بہت ساری جمع ہیں اور متفق اللسان اس پر اصرار کر رہی ہیں کہ آپ قاری ہیں، اور آپ سے قرآن سننے کی میرے واسطے سے باصرار درخواست کر رہی ہیں، مجھے معلوم تھا کہ بھائی احمد علی صاحب اس سال مع اہلیہ کے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت بھائی احمد علی صاحب کی اہلیہ تو ان میں نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا کیسے سمجھا وہ تو ہیں، میں نے عرض کیا کہ وہ ہیں تو روایت صحیح ہے اور پھر میں نے تحفۃ الاخوان اور شرح جزری کا سارا قصہ سنایا۔ اور میں نے کہا کہ حضرت میں مدینہ میں تو قاری ہوں مگر ہندوستان میں نہیں،

(۴) شرح عربی جزری (غیر مطبوع) یہ بھی قاری حسن شاعر رح کے تعمیل حکم میں عربی طلبہ کے واسطے لکھی تھی، حضرت مؤلف تحریر فرماتے ہیں اس کی طباعت کا حال معلوم نہیں البتہ اس کی نقل میرے ساتھ ہندوستان بھی آئی تھی جو مسودات میں ہے،

(۵) البدور مع نجومہم الاربعۃ عشر (غیر مطبوع) رسالہ در احوال قراء سبعہ" بھی مدینہ پاک کے زمانۂ قیام میں تحریر فرمایا تھا، جس میں قراء سبعہ اور ان کے چودہ۱۴ شاگردوں کے مختصر احوال لکھے تھے، حضرت مؤلف تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اپنے شوق سے لکھا تھا، بذل کے لکھنے کے بعد جو وقت بچتا وہ مدرسہ علوم شرعیہ کے دو اسباق کے علاوہ علمی ذوق کی وجہ سے ان ہی میں خرچ ہوتا تھا۔

کتب حدیث کے شروح وحواشی

اور

تقاریر درسیہ

(۶) اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک یہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی معروف ومشہور کتاب **مؤطا** کی ضخیم شرح ہے اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ "تالیف کا سلسلہ اور چسکہ تو ۴۵ھ سے بڑھتا ہی گیا۔ ۴۵ھ میں مدینہ پاک میں جب بذل المجہود قریب الختم ہوئی اور یہ خیال تو طے شدہ تھا کہ حدیث پاک کا ہی مشغلہ رکھنا ہے اگرچہ حدیث کے اسباق مدرسہ میں شروع ہو گئے تھے پھر بھی تالیفی ذوق تو تھا ہی، مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ بذل کے بعد کوئی کتاب لکھنے کے لئے سوچنی چاہیئے، میرے ذہن میں بہت مختصر مؤطا امام مالک آئی، اور مدینہ پاک کی مناسبت سے مؤطا امام کی شرح اوجز المسالک کے نام سے غرۂ ربیع الاول ۴۵ھ کو اقدام عالیہ میں بیٹھکر بسم اللہ لکھی، بذل کے ختم ہونے تک تو دو چار سطریں لکھی جاتی تھیں اور بذل کے ختم کے بعد ۲۱ شعبان ۴۵ھ سے مدینہ پاک سے روانگی تک تقریباً ڈیڑھ جلد کا مسودہ ہوگیا، لیکن ہندوستان واپسی کے بعد مشاغل کا ایسا ہجوم رہا، اور اس کے درمیان میں دوسری تصانیف کا بھی سلسلہ رہا جیسا کہ آئندہ رسالوں سے معلوم ہو جائیگا، تدریس کے علاوہ مدرسہ کے دوسرے مشاغل نے بھی بہت وقت لیا۔ اس لئے تیس سال سے زائد

اس کی تالیف میں لگ گئے،

میری سفر حجاز سے واپسی پر ۴۶ھ کے شروع میں میرے حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد آیا کہ بذل المجہود کی طرح میں ترمذی کی شرح لکھوں، اور میرے ذہن میں یہ تھا کہ ایک آدھ سال میں اوجز ختم ہو جائے گی اس لئے کہ ڈیڑھ جلد اس کی مدینہ پاک میں دو تین مہینہ میں ہو چکی تھی اور اس کے بعد میری خواہش طحاوی کی شرح لکھنے کی تھی۔ اس لئے کہ مجھے طحاوی سے بہت بچپن سے محبت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے طحاوی کی شرح اردو لکھنی شروع کی تھی اور اس کا اشتہار بھی دیدیا تھا، بہر حال میں نے حضرت قدس سرہٗ کو لکھا کہ میرا خیال طحاوی پر کچھ لکھنے کا ہے آئندہ جیسے ارشاد ہو، حضرت قدس سرہ نے لکھا کہ طحاوی غیر متداول ہے اور ترمذی متداول ہے ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی خط و کتابت میں میرے حضرت قدس سرہ کا وصال ۱۵ ربیع الثانی ۴۶ھ میں ہو گیا، پھر میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ سے مشورہ کیا کہ ترمذی شروع کروں یا اوجز پوری کروں، چچا جان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ وہ درمیان میں ہے پہلے اس کو پوری کرلی جائے، حضرت قدس سرہ کی حیات میں تو ارادہ کر لیا تھا کہ فوراً مدینہ منورہ حاضر ہو جاؤں اور حضرت ہی سے ابتداء کراؤں، اور بذل کی طرح جب تک حضرت کی حیات رہے حضرت لکھواتے رہیں اور میں لکھتا رہوں، لیکن اوجز نے جوانی کا سارا زمانہ لے لیا۔ اس کے بعد ہمت بھی کچھ قاصر ہو گئی، اور حضرت مدنی قدس سرہ کے شدید اصرار پر لامع شروع ہو گئی اور اس کے بعد میں عد نفسک فی الاموات

میں داخل ہو گیا، اھ

جب اوجز کی تالیف شروع فرمائی تھی تو مختصر لکھنے کا ارادہ تھا، اور جلد اول میں اختصار بڑی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن جب کام آگے بڑھتا گیا اور شرح حدیث کے تقاضے سامنے آتے گئے تو یہ شرح اوجز کے بجائے اطول ہوتی چلی گئی اور اوضح المسالک بن گئی، اسی لئے تیس سال اور چند ماہ میں اختتام کو پہنچی، اور بروز دو شنبہ بوقت اذان عصر ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ کو اس کا مسودہ اتمام کو پہنچا جیسا کہ کتاب کے آخر میں تحریر فرمایا ہے، ان تیس سال میں سے دو سال الکوکب الدری کے تحشیہ میں خرچ ہوئے جن میں اوجز لکھنے کا سلسلہ موقوف رہا، مدرسہ میں دو گھنٹہ پڑھانا، مہمانوں کا تسلسل خطوط کے جوابات اور دیگر مشاغل کی وجہ سے بھی اس کے اتمام میں دیر ہوتی چلی گئی، تقسیم ہند کے ہولناک احوال بھی چند ماہ اس شرح کے لکھنے سے مانع رہے، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور شرح مکمل ہوئی، حضرت شیخ کتاب کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں،

فلولا فضل اللہ تعالیٰ وتائیدہ من عندہ لما حصل الفوز بالانجاح والتکمیل فللہ الحمد والمنة فی الاخرة والاولی عسی اللہ تعالیٰ ان یحظیہ بالقبول والرضا عندہ

اوجز میں اختلاف مذاہب بیان کرنے کا جو اہتمام فرمایا ہے اور متن کی مناسبت سے مالکی مذہب کے مسائل جو ان کی کتب سے منقح فرما کر تحریر فرمائے ہیں ان کے بارے میں سیدی علوی مالکی مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ کا ملفوظ سننے

میں آیا کہ "جس قدر ہمارے مذہب کے مسائل اوجزمیں دیکھنے میں آئے وہ ہم کو بھی معلوم نہ تھے" ائمۂ اربعہ اور دیگر ائمہ کے مذاہب اور دلائل مع ترجیح الراجح اور بحوث نادرہ جو شرح کے اندر سمودی گئی ہیں اس کو تو حضرات محدثین کرام ہی سمجھ سکتے ہیں،

اوجزالمسالک کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے لیتھو میں بڑے سائز کی چھ جلدوں میں شائع ہوئی تھی، جیسے جیسے تالیف ہوتی رہی یکے بعد دیگرے اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، پہلی ۱۳۵۵ھ کے لگ بھگ اور آخری ۱۳۷۶ھ میں شائع ہوئی۔ چند سال قبل دارالفکر بیروت (لبنان) سے پندرہ جلدوں میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف کے ساتھ شائع ہوئی ہے، جو ممالک عربیہ میں قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے، حکومت ابوظبی نے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے اس کے ایک ہزار نسخے خرید کر شائع کئے، اور اب سعودیہ عربیہ کے مکاتب میں عام طور سے یہ کتاب ملتی ہے،

(۷) الکوکب الدری (۸) لامع الدراری

علی جامع الامام ابی عیسیٰ الترمذی — علی جامع البخاری

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ وہ حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے تو دو سال میں صحاح ستہ پڑھیں

صحاح ستہ کے درس میں جو کچھ حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ ارشادات فرماتے تھے ان کو لکھ لیتے تھے اور پھر ان کو عربی میں منتقل کر لیتے تھے، یہ تقاریر حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے پاس محفوظ تھیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی ملکیت میں آگئیں، یہ دُرِّ بے بہا ایسے تھے جن کی محدثین کرام کو بہت زیادہ ضرورت تھی۔ اور بڑے بڑے محدث ان کی طرف لپکتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ سے ان کی نقول حاصل کیا کرتے تھے،

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ان کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ اور اپنے حواشی سے مزین فرما کر یہ افادات شائع فرمائے، ان میں سب سے پہلے دروس ترمذی کے افادات کو "الکوکب الدری" کے نام سے شائع فرمایا اور پھر جب "اوجز المسالک" کی تکمیل ہوئی تو دروس بخاری کے افادات پر حواشی تحریر فرمائے۔ اور ان کو "لامع الدراری علی جامع البخاری" کے نام سے شائع فرمایا،

"الکوکب الدری" کے بارے میں اپنی تالیفات کے ذیل میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کی ترمذی شریف کی تقریر ہے جس کو میرے والد صاحب نے پڑھنے کے زمانے میں عربی میں لکھا تھا۔ اور مشائخ درس بہت کثرت سے اس کی نقلیں بہت گراں قیمت سے طلبا سے کراتے رہے، نقلیں تو اس کی بہت ہوئیں جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت میاں صاحب مولانا الحاج اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ نے پچھتر روپے

میں نقل کرائی تھی، میں نے اس کی نقل دینے میں کبھی بخل نہیں کیا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے مجھے بہت ہی منع کیا۔ بالخصوص منطقی علماء نے، اور بہت سے احباب کا شدید اصرار اس کی طباعت پر رہا، بالخصوص حضرت مدنی قدس سرہ کا، مگر میرے ذہن میں یوں تھا کہ وہ مسودہ ہے، علماء میں سے اتنے کوئی نظر ثانی اور مختصر حواشی اس پر نہ لکھے طبع نہ کرائی جائے، حضرت مدنی قدس سرہ اور مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار درخواست کی بالخصوص مولانا مرحوم سے اس وجہ سے کہ انھوں نے ترمذی کی شرح لکھنی شروع کی تھی، لیکن مشاغل کی وجہ سے کوئی بھی راضی نہ ہوا مجھے ۱۳۵۱ھ میں یہ معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے اس کو بحالہ چھاپنا شروع کر دیا اور کئی جز چھاپ بھی لئے جس پر مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ غلط چھپ جائیگی اس لئے اوجز کی تالیف چند سال کے لئے روک کر اس کا کام شروع کرنا پڑا۔ اور جلد اول کے حواشی اور نظر ثانی سے وسط ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی۔ اور جلد ثانی سے ۱۶ رجب ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی۔ ان ہی وجوہ سے اوجز کی تالیف میں دیر ہوتی چلی گئی اھ"

"الکوکب الدری" پہلی بار لیتھو پر ۱۳۵۴ھ میں کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی، پھر ۱۳۸۲ھ میں حضرت شیخ قدس سرہ نے اس پر نظر ثانی فرما کر دوسری بار آفسیٹ پر شائع فرمائی، اس کے بعد ٹائپ پر ۱۳۹۵ھ میں مطبع ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی، پھر چار جلدوں میں مکتبہ امدادیہ باب العمرۃ مکۃ المکرمہ سے شائع ہوئی، اور اب عام طور سے عرب ممالک میں ملتی ہے اور اہل علم کے یہاں بہت مقبول و معروف ہے،

"لامع الدراری" یہ حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کے ان درسی افادات کا مجموعہ ہے جو صحیح بخاری کے سبق میں ارشاد فرمائے، یہ بھی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ضبط فرمودہ افادات ہیں۔ ان کے شائع ہونے میں بہت زیادہ دیر لگی۔ "الکوکب الدری" کے شائع ہونے کے بعد بہت سے اکابر و اصاغر خصوصاً شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ پر بہت زیادہ زور ڈالا کہ تقریر بخاری کو بھی اپنے حواشی سے مزین کر کے شائع فرمائیں، حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے تو بعض مرتبہ یہاں تک فرمادیا کہ "اوجز المسالک کی تالیف کو کچھ عرصہ کے لئے موقوف کر کے تقریر بخاری پر توجہ دیں، بعض مرتبہ یوں بھی فرمایا کہ جب میری موت کے بعد شائع کروگے تو مجھے کیا نفع ہوگا؟ میری زندگی میں طبع کر دیتے تو میں اس سے منتفع ہوتا، لیکن "اوجز المسالک" کی تکمیل ہونے تک حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف توجہ نہ فرما سکے۔ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں جب "اوجز المسالک" کی تالیف ختم ہوئی تو ۷، محرم الحرام ۱۳۷۶ھ میں "لامع الدراری" کے حواشی لکھنے کی ابتدا فرمائی، جس میں سے چار اوراق حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی حیات ہی میں طبع ہو گئے تھے، جب یہ اوراق حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی خدمت میں پہونچے تو خوشی سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا، پھر ۱۲، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی وفات ہوگئی۔[۱]

"لامع الدراری" کے حواشی کی تکمیل ۱۰، ربیع الاول ۱۳۸۸ھ کو ہوئی، اور اسکے

---

[۱] یہ تفصیل لامع الدراری کے مقدمہ میں مذکور ہے ۱۲

ایک ہفتہ بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے حواشی کے اختتام کی تقریب میں ایک بڑی دعوت کا اہتمام فرمایا، جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ "چونکہ اپنے ضعف اور امراض کی کثرت کی وجہ سے تالیفِ حدیث کے سلسلہ کو ختم سمجھ رہا تھا اس لیئے ۱۷ ربیع الاول ۸۸ھ مطابق ۸۸ء کو اس کے اختتام کی ایک دعوت کی جو شروع میں تو بہت مختصر مدرسہ کے مدرسین اور مخصوص احباب سو ڈیڑھ سو کا اندازہ تھا، مگر نہ معلوم کس طرح اس کی شہرت ایسی عام ہوئی کہ دہلی، لکھنؤ، کلکتہ، بمبئی تک خبریں پہونچ گئیں اور تقریباً ایک ہزار کا مجمع جمعہ کی شب اور صبح تک جمع ہو گیا، برابر دیگیں بڑھتی رہیں، اور پلاؤ زردہ مولوی نصیر الدین، شیخ انعام اللہ، شیخ اظہار وغیرہ کی مساعی جمیلہ سے بہت جلد تیار ہوتا رہا، اور اس غلط شہرت سے کہ آج عزیزان زبیر و شاہد کا نکاح ہے حالانکہ اس کا کوئی تذکرہ یہاں نہیں تھا مقامی اور بیرونی عورتوں کا مجمع بھی گھر میں بہت ہو گیا تھا[1]،

"لامع الدراری" کے شروع میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ بھی ملحق فرمایا ہے جو بہت ہی زیادہ قیمتی ہے، اس مقدمہ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ان کے مناقب، ان کے مشائخ، خاص کر مشائخ حنفیہ، خصوصیات الکتاب، ثلاثیات البخاری، شروح البخاری، طبقات الرواۃ اور اسانید وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خوب تفصیل کے ساتھ مصنِّف اور مصنَّف کے بارے میں اپنی معلومات پیش فرمائی ہیں، نیز تراجم بخاری پر ۳۶ صفحات پر کلام کیا ہے،

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۴۴۔

تراجم سے جو اصول ماخوذ ہوئے ہیں ان کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، مقدمہ کا یہ حصّہ بہت ہی زیادہ انمول اور بے نظیر ہے، سالہا سال درسِ بخاری کے اشتغال کی وجہ سے جو اللہ پاک نے آپ کو تراجم کے سلسلہ میں اصولی باتیں القاء فرمائیں وہ بھی اس میں آگئی ہیں، اور دیگر حضرات کی تصریحات سے بھی استفادہ فرمایا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ فتح الباری کے بعد یہ پہلا مقدمہ ہے جو اس قدر تفصیل سے لکھا گیا ہے،

"لامع الدراری" پہلی مرتبہ لیتھو پر کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے تین ضخیم جلدوں میں بڑے سائز پر شائع ہوئی تھی، جن میں مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد ۳۶۰ صفحات پر اور دوسری جلد ۵۱۴ صفحات پر اور تیسری جلد ۴۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے بعد مکتبہ امدادیہ باب العمرہ مکہ معظمہ سے ۱۳۹۵ھ میں دس جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی، وہاں سے عرب ممالک میں اس کی اشاعت ہوئی اور اب ممالک عربیہ میں خوب معروف و مشہور ہے، اور علم حدیث کا ذوق رکھنے والے علماء اس کو ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں، اعم اللہ قبولها واتم نفعها،

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کی تقاریر درسیہ دیگر حضرات نے بھی قلمبند کی تھیں، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے "لامع الدراری" کے مقدمہ میں امام المناطقہ مولانا ماجد علی جونپوری اور مولانا حافظ رضی الحسن کاندھلوی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) اور مولانا حسین علی پنجابی اور مولانا الحاج حسن شاہ الپشاوری ثم المہاجر مکی کے اسماء گرامی تحریر فرمائے، نیز تحریر فرمایا ہے کہ مولانا رضی الحسن کاندھلوی

میرے پھوپھا تھے جو والد صاحب کے ساتھ گنگوہ میں شریک درس تھے، اور "الکوکب الدری" کے حواشی میں اس سے استفادہ کیا ہے اور جہاں کہیں "الارشاد الرضی" لکھا ہے اس سے مولانا رضی الحسن کی ضبط کردہ تقریر درسی مراد ہے، نیز تحریر فرمایا ہے کہ مولانا حسین علی پنجابی کی ضبط کردہ تقریر بہت مختصر ہے اور "تقریر الجنجوہی" کے نام سے طبع ہو چکی ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب میں ۱۳۲۸ھ میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا مولانا محمد حسن پشاوری نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ضبط کردہ تقاریر کے مسودات میرے حوالے کر دیئے تھے، میں نے "لامع الدراری" کے حواشی میں ان مسودات سے اور مولانا حسین علی پنجابی کی ضبط کردہ تقریر بخاری سے بہت زیادہ استفادہ کیا،

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضبط کردہ تقاریر میں سے تقریر صحیح مسلم بھی شائع ہو چکی ہے اور تقریر سنن نسائی بھی عنقریب ان شاء اللہ شائع ہو جائے گی، ان دونوں کا تذکرہ ان شاء اللہ تکمیل کے ذیل میں کریں گے

(۹) الابواب والتراجم (مطبوعہ) (چھ جلدوں میں)

حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث شریفہ سے احکام و مسائل ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ باب قائم کر کے اس کے ذیل میں متعلقہ مسئلہ کی حدیث درج کرتے تھے، ان میں بعض غامض اور دقیق اشارات بھی ہوتے تھے، یعنی ظاہری نظر میں مسئلہ متعلقہ حدیث سے ثابت نہیں ہوتا تھا لیکن غور و فکر اور تدبر سے دلیل و مدلول کا تعلق سمجھ میں آجاتا تھا، اس سلسلہ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم الابواب بہت زیادہ ممتاز ہیں، وہ ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل ثابت فرماتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی کتاب

میں احادیث کی تکرار بہت زیادہ ہو گئی ہے، ان کے تراجم دقت نظر سے بھی بعض مرتبہ حل نہیں ہوتے، شراح کرام مدلول ترجمہ اور حدیث کا تعلق سوچنے کے وقت بعض مواقع میں بہت سی کاوشیں کرتے رہے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدرالدین عینی رحمہما اللہ نے اپنی شروح میں تراجم بخاری کے حل کرنے میں سعی بلیغ کی ہے، بعض محدثین کرام نے اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، قدماء میں ناصرالدین علی بن محمد بن المنیر الاسکندرانی کی کتاب "المتواری علی تراجم البخاری" اور ابو عبداللہ محمد بن عمر الفہری السبتی المتوفی ۷۲۱ھ کی "ترجمان التراجم" اور ابو عبداللہ محمد بن منصور بن حمامہ السجلماسی المتوفی ۷۳۰ھ کی "حل اغراض البخاری المبہمہ فی الجمع بین الحدیث والترجمۃ" کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اس سلسلہ میں "تعلیق المصابیح علی ابواب الجامع الصحیح" کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کو بدرالدین دمامینی کی طرف منسوب کیا ہے، ہندوستان کے اکابر میں سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا بھی اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، جو بخاری شریف جلد اول کے شروع میں چھپا ہوا ہے، یہ بخاری کے سائز کے اکیس صفحات پر مشتمل ہے اس میں اولاً چند اصول بتائے ہیں اس کے بعد جستہ جستہ متفرق ابواب کو لے کر کلام فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر توجہ فرمائی اور ایک مختصر سا رسالہ اردو میں تحریر فرمایا جو ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، حضرت شیخ الہند اولاً اجمالی طور پر تراجم بخاری کے سلسلہ میں پندرہ اصول پیش فرمائے پھر تراجم

پر تفصیلی کلام شروع فرمایا، لیکن یہ رسالہ کتاب الایمان اور کتاب العلم کے ابواب تک ہی محدود رہا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اس کا سلسلہ ختم ہوگیا، رسالہ کے ختم پر اجمالی طور پر کچھ مزید اصول بھی تحریر فرمائے جن کی حیثیت ایک مذاکرہ کی سی ہے۔

ان سب حضرات کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو اللہ جل شانہ نے موفق فرمایا، آپ نے اس سلسلہ میں ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی جس میں اولاً وہ ستر اصول تحریر فرمائے جو لامع الدراری کے مقدمہ میں تراجم بخاری کے سلسلہ میں مذکور ہیں، اس کے بعد صحیح بخاری کے تراجم پر اول سے آخر تک کلام کیا، یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس کے مجموعی صفحات سولہ سو ہیں، تراجم الابواب کے علاوہ غریب الحدیث کی شرح بھی فرمائی ہے، اور احادیث کے محامل تحریر فرمائے ہیں اور دیگر امور متعلقہ حدیث پر بہت کچھ لکھا ہے جس سے حضرت شیخ قدس سرہ کی یہ کتاب صحیح بخاری کی ایک متوسط مستقل شرح بن گئی، جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اشتغال بالحدیث کی نعمت سے نوازا ہے وہی اس کی قدر جان سکتے ہیں کہ کس طرح کوزہ میں سمندر بھر دیا ہے[۵]

---

[۵] الابواب والتراجم کا تذکرہ بھی آپ بیتی میں نہیں ہے کیونکہ آپ بیتی نمبر ۲ جس کے آخر میں تصانیف کی فہرست ہے وہ ۱۵ رشعبان ۱۳۹۰ھ کو ختم کر دیگئی تھی۔ اور الابواب والتراجم کی ابتدار ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ کو ہوئی تھی، لہذا آپ بیتی میں اس کا تذکرہ نہ آسکا۔ ہمیں اس کا تذکرہ تکمیل کے زیر عنوان کرنا چاہیے تھا، لیکن چونکہ لامع الدراری اور الابواب والتراجم بحیثیت شرح صحیح بخاری دونوں کا ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب جانا اس لئے اس کا تذکرہ مقدم ہوگیا،

۱۰- جزء حجۃ الوداع وجزء العمرات. عربی (مطبوع)

اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

جب میں پہلی دفعہ مشکوۃ پڑھا رہا تھا جو شوال ۴۱ھ میں شروع ہوئی تھی تو ۲۲ ربیع الاول شب جمعہ میں ۱۲ بجے لکھنا شروع کیا تھا اور ایک دن ڈیڑھ رات میں شنبہ کی صبح کو پورا کر دیا تھا، اب تو مشائخ اکابر دیکھ کر تعجب فرماتے ہیں کہ ایک دن ڈیڑھ رات میں تو اس کی نقل بھی مشکل ہے، ہر سال یہ ناکارہ اور دیگر مدرسین جب کسی حدیث کی کتاب کی کتاب الحج پڑھاتے تھے تو دو چار دن کو اس کو مانگ لیتے تھے، متعدد اکابر مدرسین کے پاس اس کی نقلیں تھیں مگر طبع کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا، بلکہ بعض لوگوں نے جب طباعت کی فرمائش کی تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو یادداشتیں ہیں طباعت کا ارادہ نہیں، لیکن گذشتہ سال مدینہ منورہ میں شعبان ۸۹ھ میں دفعۃً اس کی طباعت کا خیال پیدا ہوا، اور آخر ذیقعدہ ۸۹ھ میں اس رسالہ کو سننا شروع کیا، چونکہ نزول آب کی وجہ سے آنکھیں بیکار تھیں اسلئے مولوی عاقل و مولوی سلمان نے سنانا اور صاف کرنا شروع کیا، ۲۶ ربیع الثانی ۹۰ھ پنجشنبہ کو اس کی تبییض پوری ہوئی اور اس کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کسی شخص نے مجھ سے یہ کہا کہ اس کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کے بیان کے ساتھ ہونی چاہیئے، اس لئے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰ھ بروز بدھ "جزء العمرات" کی تالیف شروع ہوئی اور ۱۵ رجب ۹۰ھ یوم جمعہ کو ختم ہو گئی، اور شعبان ۹۰ھ میں پہلی طباعت لیتھو پر ہوئی، پھر دوسری طباعت

ندوۃ العلماء لکھنو میں ٹائپ پر ہوئی اھ

اس کے بعد یہ کتاب عرب ممالک میں بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم کی تقدیم اور تصدیر کے ساتھ شائع ہوئی، بیروت میں مطابع دارالقلم نے شائع کی، بیروت کے رسالہ "الشہاب" نے اس پر تبصرہ لکھا اور تعارف کے ساتھ بھرپور تعریف کی، اس کے بعض جملے یہ ہیں "هو موسوعة صغيرة فيما تتصل بحجة النبى صلى الله عليه وسلم التى قد تسمى حجة البلاغ تغنى قراءته عن الكثير سواه وتعطى فكرة جلية عن الحج والعمرة "

اس کا جو نسخہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوا ہے، اس کے آخر میں جزء خطبات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دام مجدہم بھی ملحق ہے۔ جس میں ان خطبات کو جمع کیا گیا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ایام میں ارشاد فرمائے تھے،

حجۃ الوداع اور جزء العمرات کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے

بارگاہِ رسالت میں پذیرائی

جزء العمرات جب قریب الختم تھی تو حضرت شیخ قدس سرہ کے احباب میں سے الحاج سلیمان افریقی نے خواب دیکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہو چکا ہے، الحاج سلیمان صاحب نے بیان فرمایا کہ میں خواب میں اپنے نفس سے کہہ رہا ہوں کہ زیارت نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے چلنا چاہیئے، اس کے بعد

میں مدینہ منورہ کیلئے پیدل روانہ ہوگیا، تھوڑی دور چلا تھا کہ مجھے حرم نبویؐ دور سے نظر آ گیا، حرم کی طرف چلتے ہوئے کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے حجرہ کے سامنے کھڑا ہوں اور بھی بہت سے لوگ حجرہ کے سامنے موجود ہیں، اندر سے مولانا محمد یونس صاحب استاذ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور باہر تشریف لائے، اسی وقت مجھ سے کسی نے کہا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما ہیں یہ کہکر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا، اندر جاکر دیکھتا ہوں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیخ الحدیث صاحب کی چارپائی پر سرہانے کی جانب تشریف رکھتے ہیں آپنے سفید عمامہ باندھ رکھا ہے، ڈاڑھی مبارک سفید ہے چشمہ لگائے ہوئے ہیں میں نے آپ کو سلام کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے آپنے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور میرے سلام کا جواب دیا، حضرت شیخ الحدیث صاحب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داہنی جانب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں اور رسالہ "حجۃ الوداع" پڑھ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سننے کیطرف متوجہ ہیں، میں بھی چارپائی کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کی طرف بیٹھ گیا، اھ

یہ خواب حضرت شیخ قدس سرہ نے جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم پر تحریر فرمایا ہے اور اخیر میں فرط خوشی میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وکفی لھذا العبد الضعیف شرفا وابتھاجا ما حکی فی ھذہ الرؤیا من اقبالہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم علی ھذا العبد المبتلی بالسیئات سماعا وانصراف ھذا نعبد الی تلاوتھا، فللہ الحمد والمنۃ"

۱۱۔ خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی (مطبوعہ) اسکی تالیف کے بارے میں حضرت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں" بذل کی طباعت کے لئے بار بار دہلی جانا ہوتا تھا

ہر پندرہ بیس دن میں ایک دو شب کو جانا ہو جاتا تھا، رات کو ایک گاڑی ایک بجے سہارنپور سے چلتی تھی اور جبتک بذل المجہود کی طباعت کا سلسلہ رہا یہ گاڑی بدستور رہی اور دو یا تین دن دہلی میں قیام رہتا تھا، پروفوں کے دیکھنے کے بعد جتنا وقت بچتا اس میں اسکو لکھا کرتا تھا ۱۳۴۳ھ میں اسکی تالیف شروع ہوئی تھی اور ۸ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ شب جمعہ میں پوری ہوئی اسکی تالیف درسیہ کلاں دہلی کی مسجد میں ہوئی کہ وہیں دن بھر میرا قیام ہوتا تھا اور جب واپس آتا تو اس کے سارے کاغذات ایک صندوقچی میں بند کرکے حاجی عثمان خانصاحب مرحوم کی دوکان پر رکھ آتا تھا خصائل کے شروع میں اسکا مختصر حال لکھا جا چکا ہے اور متعدد مرتبہ طباعت کے بعد ۱۳۶۱ھ میں اس میں اضافہ ہوا، اھ

یہ کتاب بھی الحمدللہ بہت مقبول ہوئی کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے جو طبع ہوتی رہی ہے اس میں عربی میں حواشی بھی ہیں، کراچی کے ایک ناشر نے عربی حواشی ختم کردیئے ہیں[۱]

---

[۱] تاجروں کی یلغار سے خدا کی پناہ، آجکل تاجران کتب نے (جن میں بڑے بڑے دیندار بھی ہیں) مصنفین کی کتابوں میں جو حذف و ابرام اور تغییر و تبدیل کا سلسلہ شروع کردیا ہے بڑی حد تک خطرناک ہو چکا ہے، کبھی مصنف کا مقدمہ حذف کرتے ہیں، کبھی اپنے پاس سے اضافے کرتے ہیں، کبھی مصنف کے نام کی جگہ اپنا نام چھاپ دیتے ہیں، کبھی کتاب کا نام بدل دیتے ہیں، بعض کتابوں کو متعدد ناموں سے شائع کرچکے ہیں، عربی کا نام حذف کرکے اپنی طرف سے اردو میں نام تجویز کرلیتے ہیں، پھر ان کے تجویز کردہ نام کی کتاب مصنف کی تصنیف کردہ فہرست میں نہ ملنے سے لوگ حیران ہوتے ہیں، بہت سے ناشرین تاریخ مسخ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مثلاً مولانا نظام الدین الکیرانوی رحمۃ اللہ علیہ مطبع مجتبائی دہلی میں کام کرتے تھے، انھوں نے بہت سی کتابوں کے حواشی لکھے تھے، ان حواشی کے دیباچوں میں انھوں نے کہیں کہیں لکھدیا ہے کہ الفتہ بأمر مولانا عبدالاحد مالک المطبع المجتبائی، اور اب بعض ناشرین یہ کررہے ہیں کہ مولانا عبدالاحد صاحب مرحوم کی جگہ اپنے کتب خانہ یا کمپنی کا نام لکھ دیتے ہیں، حالانکہ جب مولانا نظام الدین صاحب مرحوم نے یہ حواشی لکھے تھے اسوقت ناشر صاحب کے دادا جان کا بھی دنیا میں (بقیہ صفحہ آئندہ)

۱۲۔ شذرات الحدیث (غیر مطبوع)

اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ اس ناکارہ کا معمول یہ رہا ہے کہ بذل کے لکھنے کے زمانہ میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گذرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنا رکھی تھی اور اس کتاب کے نام سے اس کاپی پر نام لکھتا تھا " شخ " شذرات بخاری، اسی طرح " شم " شت " شد " وغیرہ صحاح ستہ کی ہر کتاب اور موطائین اور طحاوی اور ہدایہ کی کاپیاں بنا رکھی تھیں اس کو تفصیل سے اس واسطے لکھوا رہا ہوں کہ میری مطبوعہ تالیفات میں کذا فی الشذر والبسط فی الشذر کے حوالے کہیں کہیں آگئے ہیں، اس ناکارہ کی بذل کی تالیف کے زمانہ میں اس کی بہت خواہش رہا کرتی تھی کہ کوئی شخص حضرت سے دو چار منٹ کو بات کرنے کے واسطے آجائے تو میں جلدی جلدی وہ دیکھے ہوئے مضامین شذرات کی کاپیوں پر لکھ لوں، اگرچہ حضرت قدس سرہ کو اس وقت میں کسی کا بات کرنا بہت ناگوار ہوتا تھا جس کو میں خوب سمجھتا تھا، مگر میں اپنی غرض کو چاہتا تھا کہ ایک دو منٹ کو کوئی آتا رہے، مجھے اس کا وقت صرف ڈاک کی آمد پر ملتا تھا کہ مدرسہ کی ڈاک اول حضرت قدس سرہ کے پاس آتی تھی، حضرت قدس سرہ اپنی ڈاک چھانٹ کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور میری میرے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وجود نہ تھا، اسی طرح خاتم الطبع ہو بہو وہی نقل کر دیتے ہیں جو مولانا عبد الاحد صاحب نے لکھوایا تھا، اور سن طباعت وہی ستر اسی سال پہلا چھاپ دیتے ہیں اس طرح سے تاریخ مسخ ہو رہی ہے جس کی ان ناشروں کو بالکل پرواہ نہیں ھداھم اللہ۔

ڈالدیتے تھے، نہ تو حضرت اسوقت اپنی ڈاک پڑھتے تھے نہ یہ ناکارہ، البتہ اگر قلم سے یا مرسل کے نام سے کوئی اہم خط سمجھتے تو حضرت بھی سرسری دیکھ لیا کرتے اور میں بھی، ایک لطیفہ اس جگہ بہت پر لطف یاد آگیا، حضرت قدس سرہ کے اہلیہ کی طرف کے کوئی عزیز جو کسی جگہ تھانیدار تھے اور اس زمانے کا تھانیدار اس زمانہ کا وائسرائے ہوتا تھا، نہایت لحیم شحیم وجیہ تھانیداری سوٹ میں ملبوس آئے، میرا منہ چونکہ دروازہ کی طرف ہوتا تھا اور حضرت قدس سرہ کی پشت۔ اسلئے میں ان کو دور سے آتا ہوا دیکھکر بہت ہی خوش ہوا۔ اس لئے کہ میرے کئی شذرات جمع ہو رہے تھے اور مجھے یہ فکر ہو رہا تھا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں، انھوں نے آکر حضرت قدس سرہ کو پشت کی طرف سے سلام کیا اور حضرت قدس سرہ ادھر متوجہ ہوئے اور میں نے بذل کی کاپی ہاتھ سے رکھ کر جلدی سے اپنے شذرات اٹھالئے ہمارے مدرسے کے ناظم کتب خانہ بھائی مظہر صاحب جو ابتدائی زمانہ میں میرے شریک درس بھی رہ چکے ان تھانیدار صاحب کے بہت قریب کے رشتہ دار تھے وہ ساتھ تھے چند منٹ وہ بیٹھے اور حضرت بڑی گرانی سے ان سے باتیں کرتے رہے اور میں نے جلدی جلدی اپنے شذرات پورے کئے، جب وہ واپس چلے گئے اور حضرت ادھر متوجہ ہوئے میں نے بذل لکھنی شروع کی، وہ صاحب اٹھنے کے بعد مجھ پر بہت ہی ناراض ہوئے، باہر جاکر بھائی مظہر سے کہا کہ بزرگوں کے پاس بیٹھنے والوں کے بھی اخلاق ایسے خراب ہوا کرتے ہیں، یہ شخص جو حضرت کے پاس بیٹھا ہوا ہے اس قدر مغرور و متکبر ہے کہ میں اتنی دیر بیٹھا رہا اور حضرت اس قدر شفقت سے مجھ سے باتیں کرتے رہے لیکن اس مغرور اور بد دماغ نے ایک دفعہ بھی تو نگاہ

اٹھا کر یوں نہیں دیکھا کہ یہ آدمی بیٹھا ہے یا گدھا بیٹھا، کتا بیٹھا، سور بیٹھا ہے،
بھائی مظہر نے اس ناکارہ کی طرف سے بہت صفائی پیش کی کہ یہ بات نہیں بلکہ
یہ مشغول بہت رہتا ہے، لیکن ان کے دماغ میں یہ بات نہیں آسکی کہ ایسی بھی مشغولی
ہو سکتی ہے وہ دیر تک خفا ہی ہوتے رہے؛ ان کی خفگی بجا تھی کہ ناواقف آدمی
کو یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ اس قسم کی مشغولی بھی ہو سکتی ہے، اس ناکارہ کا وہ
زمانہ درحقیقت طلب علم کا تھا، بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے
سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا، اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت سی مرتبہ ایسا بھی
ہوا کہ روٹی کھانی یاد نہیں رہی کہ مہمانوں کا ہجوم اس زمانے میں میرے پاس نہیں
ہوتا تھا، البتہ طلبہ ساتھ کھانے والے ہوتے تھے ان سے کہہ دیتا تھا کہ تم کھالو میرا
انتظار نہ کرو، عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا اس وقت یاد آتا تھا کہ
دوپہر روٹی نہیں کھائی اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے ہی چھوٹ گیا تھا
تیس پینتیس گھنٹے کھائے ہوئے گذر جاتے تھے،

۱۳۔ تقاریر کتب حدیث (غیر مطبوع) اس ناکارہ نے کتب صحاح
اولاً اپنے والد صاحب سے پڑھیں، ثانیاً حضرت قدس سرہ سے، ہر شیخ کی درس کی
تقریروں کی نقل کا اہتمام تھا، مگر مکمل اور مرتب نہیں، البتہ حضرت قدس سرہ
کی نسائی شریف کی تقریر مختصر مکمل میری تالیفات کی الماری میں ہے۔ مجھے خوب یاد
ہے میرے حضرت قدس سرہ اگر کوئی حرف ایسا فرماتے تھے جو بین السطور میں ہو
میں اس کو بھی نقل کر لیتا تھا یہ سمجھ کر کہ میرے حضرت کا فرمایا ہوا ہے،

۱۴۔ تقریر نسائی شریف (مطبوعہ)

یہ بہت مفصل تقریر ہے جو اس ناکارہ نے ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ میں لکھنی شروع کی تھی اور ساعت مبارکہ آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ میں ختم ہوئی، اس میں وہ تقریر بھی آگئی جو میں نے حضرت قدس سرہ سے پڑھنے کے زمانہ میں نقل کی تھی، اور میرے والد صاحب کی دو تقریریں جو انھوں نے اپنے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے نقل کی تھیں، ان کے علاوہ حضرت امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "قال ابو عبد الرحمٰن" کی شرح مفصل آگئی ہے، نیز اس کیلئے "زہر الربیٰ" اور سندھی علی النسائی بالاستیعاب دیکھی، اور مدرسہ میں ابتدا میں احادیث کی کتابوں کے متعلق ہر کتاب کا ایک نسخہ برائے مدرس مخصوص ہوتا تھا، اسی میں حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نے پڑھایا اور ان ہی میں حضرت سہارنپوری اور دیگر مدرسین نے پڑھایا، نسائی شریف کے اس نسخہ پر قلمی حواشی بھی بہت ہیں ان میں سے ما یتعلق بالکتاب کو بھی بندہ نے اپنی اس تقریر میں جمع کر دیا ہے، اور دیگر اکابر کی جو تقریریں مجھے ملیں ان سے بھی ما یتعلق بالکتاب کو اس تقریر میں جمع کیا گیا ہے اس تقریر کو اکثر مدرسین نے نسائی شریف پڑھانے کے زمانہ میں نقل بھی کیا ہے،

۱۵۔ تقریر مشکوۃ (غیر مطبوع)

اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ "ابتداءً زمانۂ طالب علمی میں پڑھنے کے زمانہ میں بہت مختصر لکھی تھی، پھر شوال ۱۳۴۱ھ میں جب پہلی دفعہ مشکوۃ پڑھانی شروع کی تو اس کو سامنے رکھکر حواشی اور شروح کی مدد سے دوبارہ لکھی، یہ تقریر طبع تو نہیں ہوئی مگر شاید سَو سے زائد نقلیں طلبہ و مدرسین لے جا چکے ہوں گے،

۱۶۔ مختصات المشکوٰۃ (غیر مطبوعہ)

اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ مرقاۃ میں یا دوسری شروح میں جو مضامین مشکوٰۃ شریف کی کتاب کے حل سے تعلق رکھتے تھے وہ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں، یعنی جو مضامین احادیث سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس میں نہیں لئے گئے بلکہ خاص وہ مضامین جو نفس کتاب سے متعلق ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے،

۱۷۔ جزء ملتقط المرقاۃ (غیر مطبوعہ)

شوال ۴۱ھ میں جب پہلی مرتبہ مشکوٰۃ مستقل پڑھانی شروع کی تو ۲۹ ذی الحجہ یوم الاثنین سے اس رسالہ کی ابتداء کی۔ اس میں مرقاۃ کو دیکھتے ہوئے جو خصوصی قابل حفظ مضمون ہوتے تھے ان کو شذرات کے طور پر نوٹ کرتا رہتا تھا،

۱۸۔ جامع الروایات والاجزاء (غیر مطبوعہ)

اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ اس ناکارہ نے اپنی ابتداء زندگی میں جس کو میں ۳۵ھ کے بعد سے شروع سمجھتا ہوں اور ۸۸ھ پر ختم سمجھتا ہوں کتب احادیث کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے۔ جن کی روایات کو جامع الروایات کے نام سے جمع کرنی شروع کی تھی اور ان کی تفاصیل کو اجزاء کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اور اس میں صحاح ستہ موطئین، طحاوی، حاکم، بیہقی وغیرہ کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے، بہت بڑا ذخیرہ اس کا ہو چکا تھا جس کو مشکوٰۃ کی ترتیب سے شروع کیا تھا، مشکوٰۃ تو پوری ہو گئی تھی خیال تھا کہ بقیہ جملہ حدیث کی کتابوں کو بھی نقل کروں لیکن پھر زندگی ختم ہو گئی، اس لئے اس کی تالیف ناقص رہ گئی کاش کوئی پوری کرنے والا ہوتا،

۱۹۔ جزء تخریج حدیث عائشۃ فی قصۃ بریرۃ (غیر مطبوعہ) حضرت عائشہ رضؓ کی احادیث حضرت بریرہؓ کے قصہ میں مختلف وارد ہوئی ہیں، اس رسالہ میں ان سب کو جمع کیا گیا ہے تاکہ دیکھنے والے کو بیک نظر سب اختلافات معلوم ہو جائیں

۲۰۔ جزء مکفرات الذنوب (غیر مطبوعہ) احادیث شریفہ میں جن جن اعمال کو کفارۂ ذنوب بتایا ہے ان سب کا مجموعہ، احادیث کو اختصاراً اجمالاً جمع کیا گیا ہے تفصیل کا وقت نہیں ملا۔

۲۱۔ جزء الجہاد (غیر مطبوعہ) جہاد کی تعریف۔ اس کے شرائط، امارت اور خلیفۂ شرعی کی شرائط بیان کیے گئے ہیں۔

۲۲۔ جزء انکحتہ صلی اللہ علیہ وسلم (غیر مطبوعہ) امہات المومنین کے نکاحوں کی تفصیل اور ان کے احوال۔ اور ان عورتوں کا ذکر جن کے نکاح میں اختلاف ہے۔ اور جن عورتوں سے خطبہ ہوا مگر نکاح نہیں ہوا ان کی تفاصیل۔ اور آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا ذکر ہے،

۲۳۔ جزء صلوۃ الاستسقاء (غیر مطبوعہ)
۲۴۔ وجزء صلوۃ الخوف ″
۲۵۔ وجزء صلوۃ الکسوف ″

ان تینوں مسئلوں میں روایات میں بھی اختلاف ہے اور تواریخ میں بھی اختلاف ہے، تینوں نمازوں کی ابتداء کب ہوئی، اور کتنی مرتبہ حضورؐ نے پڑھی کہاں کہاں پڑھی، ان تینوں رسالوں تینوں نمازوں کی روایات بھی جمع کی گئی ہیں اور اپنی طرف سے بعض روایات کو ترجیح بھی دی گئی ہے جن کا خلاصہ اوجز میں بھی آگیا ہے

۲۶۔ جزء رفع الیدین (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں ارشاد ہے، رفع الیدین مشہور مسئلہ ہے اس ناکارہ نے ان سب روایات کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور ان پر تفصیلی کلام کا بھی ارادہ تھا، مگر مقدر سے پورا نہ ہو سکا،

۲۷۔ جزء الاعمال بالنیات (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو بڑی جامع حدیث ہے اور بہت سے مسائل اس سے ثابت ہوتے ہیں، اس رسالہ (یعنی آپ بیتی ۲) کی ابتدا بھی اسی حدیث سے کی گئی ہے۔ جس میں نمونہ کے طور پر کچھ ذکر کیا گیا ہے، اپنی زندگی کے زمانہ میں اس حدیث پر بھی بڑا تفصیلی کلام شروع کیا تھا، کچھ لکھا بھی مگر پورا نہ ہو سکا،

۲۸۔ جزء المعراج (غیر مطبوعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھنا شروع کیا تھا جس کے کئی جزء تو ہو گئے مگر تکمیل کو نہیں پہونچا۔

۲۹۔ جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (غیر مطبوعہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال کی ابتدا، دن اور تاریخ، ازواج مطہرات کے یہاں دورہ اور آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف آوری اور مرض کی شدت وغیرہ احوال کی روایات جمع کی گئی تھیں۔ مگر افسوس کہ مکمل نہ ہو سکا۔

۳۰۔ جزء افضل الاعمال (غیر مطبوعہ) افضل الاعمال کے بارے میں روایات بہت مختلف وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے میں نے اس رسالہ میں ان سب روایات کو جمع کیا اور مشائخ نے ان میں جمع کے متعلق جو توجیہات کی ہیں ان میں سے اکثر نقل

نقل کی ہیں، مگر رسالہ پورا نہ ہو سکا۔

۳۱۔ جزء روایات الاستحاضہ (غیر مطبوعہ)

استحاضہ کی روایات میں جو تعارض ہے وہ حدیث پڑھنے پڑھانے والوں سے مخفی نہیں، میرے حضرت قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ نے بذل المجہود کا باب الاستحاضہ لکھوانے کے بعد یوں ارشاد فرمایا تھا کہ استحاضہ کے ابواب میں ہمیشہ ہی اشکال رہا خیال تھا کہ بذل المجہود میں سمجھ میں آجائیں گے، مگر اس میں بھی سمجھ میں نہیں آئے، اور پسح فرمایا۔ کوکب لکھی۔ اوجز لکھی، لامع لکھی لیکن پھر بھی حل نہ ہوئے، چنانچہ کوکب کے حاشیہ پر حمنہ بنت جحش کے قصہ میں بندہ نے اپنی ایک خاص رائے لکھی ہے جو سارے مشائخ اور شراح کی رائے کے خلاف ہے۔ میرے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ ایک دفعہ دیوبند سے صرف اس حدیث کی وجہ سے تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ صرف اس حدیث کی وجہ سے آیا ہوں تم نے بات بہت معقول لکھی مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کو یہ الہام سارے مشائخ سارے شراح کے خلاف کہاں سے ہوا۔ آپکے حضرت نے بذل المجہود میں وہی لکھا جو سارے شراح لکھ رہے ہیں، ملا علی قاری، شراح ترمذی سب ایک مضمون پر متفق ہیں مگر آپنے یہ نیا مطلب کہاں سے نکالا۔ کوئی مستند اس کا آپکے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا "ہے" مشکل الآثار طحاوی سے یہی مطلب مستنبط ہوتا ہے، حضرت قدس سرہ نے فرمایا پھر تو بڑا قوی ماخذ ہے۔ اور مشکل الآثار نکلوا کر دیکھی، حضرت مدنی قدس سرہ کوکب اور لامع کو قطب عالم حضرت گنگوہی کی وجہ سے اہتمام سے دیکھا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دیا کرتے تھے ایک دفعہ بلکہ

کئی دفعہ حضرت نے فرمایا "اپنے کوکب کا حاشیہ لکھا ہے یا اوجز کا اشتہار دیا ہے، ہر مسئلہ میں والبسط فی الاوجز لکھتے ہیں ایک دفعہ یہاں دیکھو ایک دفعہ وہاں، حدیث پاک میں چونکہ اس ناکارہ کی مرغے کی ٹانگ بہت سی جگہ الگ رہی اس لئے میرے حضرت مدنی قدس سرہ ان پر اکثر مراجعت فرمایا کرتے تھے اعلی اللہ مراتبہ

۳۲۔ جزء اختلافات الصلوٰۃ (غیر مطبوعہ) مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے زمانے میں میری تقریر کا خلاصہ یہ رہا کہ رفع یدین، فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر وغیرہ تین چار مسائل کی کیا خصوصیت ہے کہ جس پر یہ معرکے، مناظرے، مجادلے ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں، اختلاف یہ ہے کہ رفع یدین سنت ہے یا عدم رفع، اسی طرح سے آمین بالجہر وغیرہ میں اسی نوع کے اختلاف ہیں، اس کے لئے میں نے نماز کی چار رکعتوں کے اختلاف جمع کرنے شروع کئے تھے اس وقت دو سو سے زائد ہو گئے تھے بعد میں ان پر اور اضافے بھی ہوئے ہیں حدیث کے اسباق میں اولاً تو اجمالاً اسی فہرست سے یہ بیان کیا کرتا تھا کہ ان چار مسائل میں اور ان دو سو میں کیا فرق ہے۔ وہی سنت اور عدم سنت کا اختلاف اور وہی روایات سے استدلال پھر ان چار میں کیا خصوصیت ہے کہ یہ اعتقادیات کے درجہ میں ہو گئے اور اس کے بعد اسی رسالہ کی مدد سے ہر باب میں اس باب کے اختلافی مسائل کی تفصیل بیان کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد سے اس میں کچھ اضافہ بھی ہوتا رہا،

۳۳۔ جزء المناط (غیر مطبوع) احادیث میں مناط کا مسئلہ بہت اہم ہے اور ائمہ مجتہدین کے اختلافات کا زیادہ مدار مناط ہی پر ہے، اس رسالہ میں تنقیح المناط، تحقیق المناط، تخریج المناط کے ابحاث اور فروع ذکر کئے گئے ہیں

۳۴۔ حواشی بذل المجہود

اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ بذل المجہود کی طباعت کے بعد ہی حواشی کا سلسلہ اس ناکارہ کی طرف سے شروع ہوا، اور اخیر زمانہ تک یعنی ۸۸ھ تک ابوداؤد اور حدیث کی دوسری کتابوں میں جو نئی بات نظر پڑتی رہی وہ بذل کے حاشیہ پر لکھتا رہا۔ جو ایک مستقل ذخیرہ بن گیا اھ

جدید ایڈیشن جو ٹائپ پر طبع ہوا ہے اس میں یہ حواشی آگئے ہیں۔ [1]

۳۵۔ تلخیص البذل (غیر مطبوع)

ربیع الاول ۳۵ھ جب سے بذل المجہود شروع ہوئی تھی اس ناکارہ کا معمول یہ رہا کہ حضرت قدس سرہ کے اٹھنے کے بعد سے لیکر اس دن کے لکھے ہوئے کا ایک خلاصہ ساتھ ساتھ لکھتا رہتا تھا جس میں ابحاث طویلہ کے خلاصوں کو اپنی عبارت میں اپنی یادداشت کے واسطے نقل کر دیا کرتا تھا یہ بھی تقریباً سب جلدوں کے ساتھ ساتھ ہوتی رہی، اسانید سے تو بحث نہیں کرتا تھا، الا یہ کہ کسی خاص سند پر کوئی بحث کرنی ہو۔

۳۶۔ مقدمات کتب حدیث (غیر مطبوع)

اس ناکارہ نے مختلف ایام میں ۴۶ھ سے ۵۶ھ تک کے دوران ایک مقدمۂ علم الحدیث لکھا تھا جو مقدمۂ اوجز میں طبع ہو گیا، اس کے علاوہ سب کتابوں کا مقدمۃ الکتاب بھی لکھا جس میں اس کتاب کی خصوصیات، مصنف اور اس کے حالات اس کتاب کے مناسب جو چیزیں تھیں لکھیں، ان میں سے مقدمۂ بخاری بہت سے اضافوں کے ساتھ مقدمۂ لامع میں چھپ چکا ہے، مقدمۂ بذل المجہود وابوداؤد بہت مفصل لکھا تھا اور بذل المجہود

[1] حال ہی میں مولانا سید محمد عاقل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ان حواشی کو پورے اہتمام کے ساتھ بالاستیعاب شائع کر دیا ہے بذل المجہود مطبوعہ بیروت [illegible]

کے شروع میں اس کی طباعت کا بھی ارادہ تھا، مگر حضرت قدس سرہ نے خود اس کا
مقدمہ مختصر لکھوا دیا مجھے یہ عرض کرتے ہوئے شرم آئی کہ میں نے مفصل لکھ رکھا
ہے اس لئے طباعت کی نوبت نہ آئی، اسی طرح بقیہ کتب ستہ کی نیز شمائل ترمذی
ونیز طحاوی وغیرہ کے مقدمۃ الکتب لکھے ہوئے میری المماری میں موجود ہیں،

۳۷۔ تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (غیر مطبوع)

اس کے بارے میں ارشاد ہے " ابن قتیبہ کی تاویل الحدیث مشہور کتاب ہے
مگر مبوب نہیں ہے کیف ما اتفق احادیث کو جمع کر دیا ہے، اس ناکارہ نے
ابواب فقہیہ کی ترتیب پر اسکی تبویب کی تھی جو ۵ جمادی الاول ۴۲ھ شب جمعہ
میں لکھی گئی ''

۳۸۔ حواشی مسلسلات (غیر مطبوعہ)

اس کے متعلق ارشاد ہے، کہ
مسلسلات کی ۴۶ھ سے مخصوص طلبا دورہ کے بعد اجازت لیا کرتے تھے لیکن ۵۲ھ
سے وہ دورہ کے بعد ایک مستقل باضابطہ سبق بن گیا۔ اسی وقت سے بندہ نے اس کے
حواشی بھی شروع کئے جو ۸۰ھ تک چلتے رہے اور اس کی تحویلات کو جو بہت
کثرت سے مسلسل بالصوفیہ میں آرہی تھیں، نقشہ دوبارہ سہ بارہ طبع کرایا۔ حواشی
کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی اور اس کے رجال پر مستقل کلام علیحدہ لکھا جس کو
رجال المسلسلات کے نام سے موسوم کیا،[۱]

۳۹۔ حواشی الاشاعۃ مطبوعہ

"الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ" طلب علم
کے زمانہ سے میرے پاس تھی اور میں نے اس کے ہر دو ورق کے درمیان میں ایک
سادہ ورق لگوا کر جلد بندھوا رکھی تھی۔ اور ۳۵ھ سے ۸۸ھ تک وقتاً فوقتاً

---

[۱] حقر راقم الحروف نے حضرت شیخ قدس سرہ کے وفات کے بعد مسلسلات کے حواشی لکھے تھے الحمدللہ طبع ہو گئے۔

اس پر حواشی کا اندراج اس کی مندرجہ روایات کا حوالہ اور فتح الباری وغیرہ سے جو کلام صاحب اشاعۃ نے نقل کیا اس پر فتح الباری وغیرہ کے صفحات نیز اس کا کوئی مضمون کسی دوسری جگہ ملا تو اپنے حواشی پر لکھدیا۔

۴۰۔ اولیات القیامۃ (غیر مطبوعہ) اس رسالہ میں وہ احادیث جمع کی گئیں۔ جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مایسئل یا اول مایفعل فرمایا، جیسے اول مایحاسب العبد یوم القیامۃ" اور اول مایقضی فی الدماء۔ اول الناس یقضی علیہ یوم القیامۃ رجل استشہد الحدیث وغیرہ وغیرہ۔

۴۱۔ تبویب مشکل الآثار (غیر مطبوع) امام طحاوی کی مشکل الآثار چار جلدوں میں ہے، اور اس کی فہرست بھی مسلسل مضامین کے اعتبار سے غیر مرتب ہے، اس ناکارہ نے اس کی چار جلدوں کی فہرست کو ابواب فقہیہ کے اعتبار سے مرتب کیا تھا[1]۔

۴۲۔ جزء اسباب اختلاف الائمہ (مطبوعہ) مظاہر علوم سے ایک رسالہ "المظاہر" کے نام سے مفتی جمیل احمد صاحب کی زیر ادارت نکلنا شروع ہوا تھا اس میں اس ناکارہ کا ایک مضمون اس سلسلہ کا شروع ہوا تھا کہ ائمہ اربعہ میں اتنا وسیع اختلاف کیوں ہے جب کہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال و افعال سے استدلال کرتے ہیں، اس رسالہ کے مختلف پرچوں میں تقریباً اسی صفحے

---

[1] دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے مشکل الآثار کی چار ہی جلدیں طبع ہوئی تھیں، مخطوطہ نسخہ کی طرف مراجعت کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ تقریباً ربع الکتاب ہے، مکمل نسخہ مخطوطہ حضرت شیخ قدس سرہ کے کاتب مولانا حبیب اللہ صاحب نے ترکیا سے منگا لیا ہے احقر نے بھی دیکھا ہے ۱۲

اس مضمون کے شائع ہو چکے تھے اس کے بعد مضمون تو اور بھی لکھا ہوا تھا مگر رسالہ المظاہر بند ہو گیا، اور وہ شائع نہ ہو سکا، بیسیوں احباب کے خطوط اس زمانہ میں آئے کہ ہم نے یہ رسالہ تیرے مضمون کی وجہ سے شروع کیا تھا اگر یہ مضمون کسی اور رسالہ میں شروع ہو رہا ہو تو اس کا پتہ لکھ، ورنہ اس کو ایک مستقل رسالہ میں شائع کر دے۔[1]

۴۳۔ اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ (غیر مطبوع) مسلک حنفیہ پر اصول حدیث کا ایک متن جو ۸ رج ۱۳۸۲ھ کو شروع کیا تھا اور ۱۰ ارج اکو ختم ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس پر حواشی کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک چلتا رہا، جو مضمون ذہن میں آتا اس کو لکھتا رہا۔

کتبِ فضائل

اللہ جل شانہ خالق ومالک ہے اس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اپنی اپنی امتوں کو دین سکھایا اور دینی احکام بتائے، آخر میں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے اپنی امت کو بہت زیادہ تفصیلی احکام عطا فرمائے جن میں اوامر بھی ہیں نواہی بھی ہیں اور ہر انسان کی پوری زندگی سے متعلق کرنے یا نہ کرنے کے مسائل سمجھائے اور احکام کے امتثال پر آخرت کے اجر وثواب اور دنیاوی برکات سے باخبر فرمایا، اور جو لوگ عمل نہ کریں ان کے لئے وعیدیں سنائیں، یہ بشارت اور وعیدیں انسان کے سامنے رہیں تو نفس کو بڑی آسانی سے عمل کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ بشارتیں اور وعیدیں حق ہیں، ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض ملحد اور زندیق کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ قابو میں نہیں آرہے تھے ان سے کام لینے کے لئے بشارتیں اور وعیدیں سنائیں، یہ جاہل لوگ نبی کے مقام کو نہیں سمجھتے العیاذ باللہ نبی کی طرف اس بات کا انتساب کرتے ہیں کہ ملنا ملانا کچھ نہیں ہے یوں ہی وعدے کر لئے گئے ہیں، توبہ توبہ ان گمراہوں کی ملحدانہ باتوں میں کوئی آجائے تو عمل ہی چھوڑ بیٹھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جماعت میں جن امتیازی خصوصیات پر زور دیا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ جل شانہٗ

کے وعدوں اور وعیدوں پر بہت مضبوط یقین رکھا جائے، تاکہ یہ یقین فرائض و واجبات کی انجام دہی کا بھی سبب بنے اور سنن و نوافل کے اہتمام پر بھی آمادہ کرے اور فی سبیل اللہ جان و مال خرچ کرنا نفسوں پر آسان ہو جائے،

یہ بشارتیں اور وعیدیں احادیث شریفہ کی کتابوں میں منتشر تھیں، اور بعض محدثین کرام نے "الترغیب والترهیب" کے عنوان سے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی تھیں (جن میں حافظ زکی الدین منذری متوفی ۶۵۶ ہجری کی کتاب اہل علم میں زیادہ معروف و متداول ہے) لیکن یہ کتابیں عربی میں تھیں عوام تک پہونچانے کے لئے ترغیب و ترہیب کی احادیث کو سلیس اردو زبان میں جمع کرنے کی ضرورت تھی، اس کام کے لئے مولانا موصوف نے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو مامور فرمایا اور فضائل کے رسالے لکھوائے، جن میں سے اکثر تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے لکھ لئے تھے اور بعض رسائل مولانا کی وفات کے بعد لکھے گئے، سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ رسائل بہت زیادہ مقبول ہوئے، تبلیغی جماعت کے حلقوں میں تو پڑھے ہی جاتے ہیں اس کے علاوہ عامۃ المسلمین (جو جماعت میں لگے ہوئے نہیں ہیں وہ) بھی ان سے برابر مستفید ہوئے لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکے ہیں اور چھپتے رہتے ہیں اور ناشرین کو ان کی طباعت واشاعت سے فرصت نہیں ملتی، پہلا ایڈیشن ختم ہونے نہیں پاتا کہ دوسرے ایڈیشن کی تیاری کرنی پڑتی ہے، بہت سی زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں

اور پورے عالم کے مسلمان ان سے مستفیض ہو رہے ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو ان شاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے، اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء خیر دے[1]۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور امید کے مطابق اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوا کہ سارا عالم حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی کتابوں سے مستفیض ہو رہا ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء،

اب ہم اسی ترتیب سے کتب فضائل کا تذکرہ کرتے ہیں جس ترتیب سے وہ ہجری سالوں میں لکھی گئیں،

۴۴۔ فضائل قرآن مجید

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ کے موقعہ پر حضرت الشاہ حافظ محمد یسین صاحب نگینوی رحمۃ علیہ نے قدم رنجہ فرمایا، جلسے فراغت کے بعد انھوں نے ایک گرامی نامہ کے ذریعہ مجھے حکم فرمایا کہ فضائل قرآن میں ایک چہل حدیث جمع کرکے اس کا ترجمہ خدمت میں پیش کروں، یہ گرامی نامہ اتفاقاً ایسی حالت

---

[1] اکابر کے خطوط مکتوب ۱۵

میں پہنچا کہ میرے چچا جان یہاں تشریف فرما تھے، انھوں نے یہ گرامی نامہ اپنے تاکیدی حکم کے ساتھ میرے حوالہ فرمایا کہ جس کے بعد نہ مجھے کسی معذرت کی گنجائش رہی اور نہ اپنی عدم اہلیت کے پیش کرنے کا موقع رہا اھ

فضائل پر یہ پہلا رسالہ تالیف فرمایا پھر دیگر رسائل لکھے، رسالہ ہذا ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۴۸ھ کو اختتام کو پہونچا، یہ رسالہ چالیس حدیثوں پر مشتمل ہے احادیث کا ترجمہ اور شرح جس کو بڑے اچھے انداز میں دل نشین طریقے پر تحریر فرمایا ہے، اس کے آخر میں مزید ایک مختصر چہل حدیث ملحق فرمائی ہے، جس میں ایک ہی جگہ ایک روایت میں چالیس حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں، یہ مختصر چہل حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حافظ بن مندہ نے اور حافظ ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے، کنز العمال میں قدماء محدثین کی ایک جماعت کی طرف اس کا انتساب کیا ہے، اور متاخرین میں مولانا قطب الدین صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، یہ مختصر چہل حدیث پچاس سال کے بعد افریقہ کے بعض احباب نے انگریزی کے ترجمہ کیساتھ شائع کی جس کا تذکرہ ان شاء اللہ تکمیل کے ذیل میں آئے گا،

۴۵۔ فضائل رمضان اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں، کہ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ میں چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) نور اللہ مرقدہ کی تعمیل ارشاد میں نظام الدین میں لکھی گئی اور ۲۷ رمضان المبارک میں ختم ہوئی اھ

یہ رسالہ تین فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول رمضان المبارک کے فضائل

ہیں، دوسری فصل لیلۃ القدر کے فضائل ہیں، اور تیسری فصل اعتکاف کے فضائل ہیں ہے اور آخر میں ایک طویل حدیث درج فرمائی ہے جو رمضان المبارک اور اس کے اعمال سے متعلق ہے اور خوب مفصل ہے، اس کتاب کو لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے امت کو بیدار کر دیا اور بتایا کہ رمضان المبارک کی گھڑیاں ضائع نہ کریں اور آخرت کے کاموں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ رمضان المبارک کتنی بڑی نعمت ہے اور اس میں انوار الٰہیہ کا کس قدر نزول ہوتا ہے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، اس رسالہ کی تالیف کے تقریباً ۴۴ سال بعد اس کا تکملہ بنام "اکابر کا رمضان" تحریر فرمایا جس کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ تکمیل کے ذیل میں آئیگا

۴۶۔ فضائل تبلیغ

یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے تعمیل ارشاد میں تالیف فرمایا تھا جس میں مختصر طور پر سات فصلیں ذکر فرمائی ہیں،

فصل اول۔ آیات قرآنی در تاکید امر بالمعروف نہی عن المنکر

فصل دوم۔ احادیث نبوی در تاکید امر بالمعروف نہی عن المنکر

فصل سوم۔ اس بارے میں کہ مبلغ کو خود بھی باعمل ہونا لازم ہے

فصل چہارم۔ در اکرام مسلم و وعید تحقیر مسلم

فصل پنجم۔ اخلاص اور ایمان واحتساب کی اہمیت کے بارے میں

فصل ششم۔ در تعظیم علماء کرام و بزرگان دین

فصل ہفتم۔ اہل اللہ کی پہچان اور ان کی مجالست کے بیان اور اتباع سنت

کی تاکید ہیں،
یہ رسالہ ۵ صفر ۱۳۵۰ھ کو مکمل ہوا،

۴۷۔ فضائل نماز یہ کتاب بھی مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیل ارشاد میں تالیف فرمائی، جس میں تین باب ہیں، باب اول نماز کی اہمیت باب دوم جماعت کے فضائل پر مشتمل ہے اور باب سوم میں خشوع خضوع سے متعلق آیات واحادیث درج فرمائی ہے، یہ کتاب، محرم ۱۳۵۸ھ کو ختم ہوئی

۴۸۔ فضائل ذکر یہ کتاب بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر لکھی، پوری کتاب پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے، ۲۶ ر شوال ۱۳۵۸ھ کو اختتام کو پہونچی، اس میں بھی تین باب ہیں، باب اول مطلق ذکر کے ذکر کے فضائل، باب دوم افضل الذکر کلمہ طیبہ کے بیان میں اور باب سوم کلمۂ سوئم کے فضائل میں اور اخیر میں صلوۃ التسبیح کو مفصل بیان فرمایا،

۴۹۔ فضائل حج اس کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز مولانا یوسف مرحوم نے جب حجاج کا کام شدت سے شروع کیا تو مجھ پر تقاضا کیا کہ فضائل حج میں ایک رسالہ ضرور لکھدوں ۲ ر شوال ۶۶ھ کو اس کی ابتداء ہوئی اور ۱۴ ر جمادی الاول ۶۷ھ بروز جمعہ فراغت ہوئی، نفس رسالہ سے تو فراغت شوال ہی میں ہوگئی تھی لیکن کچھ حکایات کا اضافہ سہارن پور واپسی پر ہوا، اس رسالہ کے متعلق ایک خواب میرا تو جی نہ چاہتا تھا کہ لکھواؤں مگر بعض دوستوں کا جو اس وقت مسودہ لکھوانے کے وقت موجود تھے اصرار ہے ضرور لکھواؤں، جب یہ رسالہ لکھا جارہا تھا تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کے ایک مخلص خادم ذاکر وشاغل نہایت

متقی بزرگ نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام اور یہ ناکارہ دونوں مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کر رہے ہیں، انھوں نے حضرت سے خواب عرض کیا، حضرتؒ نے فرمایا شیخ کو لکھدو، انھوں نے مجھے لکھا اس ناکارہ نے جواب میں لکھا کہ تعبیر صاف ہے، اس ناکارہ نے ایک رسالہ فضائل حج میں لکھا ہے جو آجکل زیر طبع ہے انشاء اللہ رسالہ بیت اللہ شریف کی تعمیر روحانی میں معین ہوگا، چنانچہ ہزاروں خطوط اس نوع کے پہنچے کہ اس رسالہ سے حج وزیارت میں بہت لطف آیا، اھ

یہ رسالہ دس فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یوں ہے

فصل اول ترغیب حج میں

فصل دوم حج نہ کرنے کی وعید میں،

فصل سوم اس سفر میں مشقتوں کے تحمل میں

فصل چہارم حج کی حقیقت میں

فصل پنجم حج کے آداب میں

فصل ششم مکہ مکرمہ کے آداب و فضائل میں.

فصل ہفتم عمرہ کے بیان میں

فصل ہشتم روضۂ مطہرہ کی زیارت اور مسجد نبوی کی حاضری میں،

فصل نہم زیارت کے آداب و فضائل میں،

فصل دہم مدینہ طیبہ کے آداب و فضائل میں،

اور خاتمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا مفصل واقعہ مذکور ہے،

۵۰۔ فضائل صدقات

یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے دونوں کے مجموعی صفحات پانچ سو انسٹھ ۵۵۹ ہیں

یہ رسالہ بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر لکھا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تو نہ لکھا جا سکا، آپ کی وفات کے سوا تین سال بعد ۲۴ رشوال ۱۳۶۶ھ کو مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے زمانۂ قیام میں ابتداء فرمائی۔ اور ۲۲ رصفر ۱۳۶۸ھ شب جمعہ میں یہ رسالہ اختتام کو پہونچا،

رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا، حضرات مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد سے ہر سال حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ رمضان المبارک مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں گزارا کرتے تھے اور یہیں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ۱۳۶۶ھ کا رمضان بھی حسب معمول یہیں گذارا ۱۹۴۷ء کے ہوش ربا فسادات کے باعث آپ شوال میں سہارنپور تشریف نہ لیجا سکے اور ماہ صفر تک مرکز تبلیغ ہی میں قیام رہا، انھیں لرزہ خیز حالات میں رسالہ "فضائل حج" لکھا اور "فضائل صدقات" کی ابتداء فرمائی، پھر دونوں رسالے سہارنپور میں اختتام کو پہونچے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو انفاق فی سبیل اللہ پر ایک رسالہ لکھوانے کا بہت اہتمام تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ فضائل صدقات کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بار بار اس کی تاکید فرمائی، اور ایک مرتبہ

جب کہ عصر کی نماز کھڑی ہو رہی تھی، تکبیر ہوتے ہوئے صف سے آگے منہ نکال کر حکم فرمایا کہ "دیکھو اس کو بھولنا نہیں" اور رسالہ فضائل حج کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت موصوف نے اپنی حیات کے آخری ایام میں دو رسالوں کی باصرار فرمائش کی تھی، اولاً تجارت اور کمائی کے فضائل میں دوسرے انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے متعلق، حضرت شیخ قدس سرہ نے انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل میں رسالہ "فضائل صدقات" لکھا، جو شوال ۱۳۶۶ھ میں شروع ہو کر ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ کو شب جمعہ میں ختم ہوا، لیکن "فضائل تجارت" کی تالیف میں بہت دیر لگی، رسالہ "فضائل تجارت" ۷ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ کو مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتحیۃ میں شروع فرمایا جو ۵ صفر ۱۴۰۰ھ کو اختتام پذیر ہوئی، فضائل تجارت کا مستقل تذکرہ انشاء اللہ تکمیل کے ذیل میں آئیگا،

فضائل صدقات سات فصلوں پر مشتمل ہے،

پہلی فصل میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل،

دوسری فصل میں بخل کی مذمت

تیسری فصل میں صلہ رحمی کا خصوصی اہتمام

چوتھی فصل میں زکوٰۃ کا وجوب اور فضائل

پانچویں فصل میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں۔

چھٹی فصل میں زہد و قناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب

ساتویں فصل میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی حکایات

۵۱۔ فضائل درود شریف (مطبوع)

اس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ " اس کی تالیف بھی حضرت شاہ یٰسٓ صاحب نگینوی کی وصیت کے موافق ہے، حضرت شاہ صاحب کا وصال ۳۰ر شوال ۶۰ھ شب پنجشنبہ میں ہوا تھا، انھوں نے وصال کے وقت اپنے مخلص خادم اور اور اجل خلفاء شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی دعاجو کو یہ وصیت کی تھی کہ زکریا سے کہدیجیو کہ جس طرح تو نے فضائل قرآن لکھی ہے میرے کہنے سے فضائل درود بھی لکھدے، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے وصال کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم بار بار زبانی اور تحریری تقاضے شدت سے کرتے رہے، مگر بداعمالیوں نے مہلت نہ دی، لیکن ۸۳ھ کے حج میں مدینہ پاک حاضری پر شدت سے اس کا تقاضا شروع ہوا، واپسی پر بھی تساہل ہوتا رہا اور ۲۵ر رمضان ۸۴ھ کو بسم اللہ کرہی دی اور ۶ر ذی الحجہ ۸۴ھ کو دفعۃً ختم کردی کہ عزیز مولوی محمد یوسف مرحوم کے انتقال کے تار آنے پر اپنی زندگی سے کچھ ایسی مایوسی ہوئی کہ جتنی لکھی تھی اسی پر ختم کردی اھ

فضائل کی یہ کتابیں عرب وعجم میں بہت زیادہ مشہور ومعروف ہیں اور مقبول ومتداول ہیں، متعدد زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہوئے ہیں، تبلیغی جماعت کے تعلیمی حلقوں میں فضائل کے سننے سنانے کے لئے جماعتوں کے پاس اولاً فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل قرآن، اور فضائل ذکر ہوتی تھی اور ان کے ساتھ حکایات صحابہ بھی رہتی تھی، پھر ایک ناشر کتب نے ان پانچوں

کتابوں کو یکجا مجلد کر کے شائع کرنا شروع کر دیا اور " تبلیغی نصاب " نام تجویز کر دیا، اور اس کو جلد اول قرار دیدیا اور فضائل حج و فضائل صدقات کو یکجا مجلد کر کے شائع کر دیا اور اس کو جلد دوم بنا دیا، پھر جب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے فضائل درود شریف لکھی تو ناشر مذکور نے اس کو بھی تبلیغی نصاب جلد اول میں مجلد کر دیا۔ " تبلیغی نصاب " نام حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے تجویز تو نہیں فرمایا لیکن اس پر نکیر بھی نہیں فرمائی، بلکہ فضائل درود شریف کے دیباچہ میں یوں تحریر فرمایا کہ اس ناکارہ کے قلم سے فضائل کے سلسلہ میں متعدد رسائل لکھے گئے جو نظام الدین کے تبلیغی سلسلہ کے نصاب میں بھی داخل ہیں، اب کچھ لوگوں نے اپنی طرف سے اس مجموعہ کا نام فضائل اعمال تجویز کر کے شائع کرنا شروع کر دیا ہے، ان فضائل کی کتب مذکورہ کے علاوہ بھی فضائل پر دو کتابیں ہیں، ۱۔ فضائل زبان عربی اور دوسری فضائل تجارت، ان دونوں کا تذکرہ آپ بیتی میں نہیں ہے لہذا ان دونوں کو بھی ہم متفرقات کے ذیل میں لکھیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ، کچھ لوگوں نے کتب فضائل پر اعتراضات لکھکر بھیجے تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ان کے جوابات پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی جس کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئیگا

کتب اسماء الرجال، سیر و تاریخ

۵۲۔ سیرت صدیق رضؓ (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح میں رسالہ الصدیق والوں کے اصرار پر جو غالباً مظاہر علوم ہی سے نکلتا تھا لکھنا شروع کیا تھا مسودہ تو بہت سا ہو گیا تھا لیکن طباعت کی نوبت شاید ایک ہی آدھ میں آئی پھر وہ پرچہ ہی بند ہو گیا تھا، اسوقت تو نہ پرچہ یاد ہے نہ غالباً کہیں ملے جتنا یاد تھا اتنا لکھوا دیا۔

۵۳۔ حکایات صحابہ رضؓ (مطبوعہ) صفر ۵۷ھ میں اجراڑے جاتے ہوئے میرٹھ میں نکسیر کا شدید حملہ ہوا جو مغرب کے بعد سے شروع ہو کر صبح کو ۸ بجے تک مسلسل رہا اور تقریباً دو گھڑے کے قریب خون ساری رات میں نہ معلوم کہاں سے پیدا ہوا، علی الصباح یہ ناکارہ بجائے اجراڑہ کے حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ فسٹ کلاس میں ایسی طرح سہارنپور لایا گیا کہ نہ مجھے میرٹھ کا ہوش تھا نہ ریل کا نہ سہارنپور کا، ڈاکٹروں اور حکیموں کی طرف سے چند ماہ تک دماغی کام سے روک دیا گیا، میرے حضرت میرے مربی میرے محسن حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری کا ارشاد تقریباً چار برس سے اسکی تالیف کا ہو رہا تھا، مگر اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے تعمیل کا وقت نہ ملا، اس بیماری کے زمانہ کو غنیمت سمجھ کر تعمیل ارشاد میں پڑے پڑے کچھ لکھتا رہا، اور ۱۲ر شوال ۵۷ھ کو پوری ہو گئی اھ

یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی معروف اور مقبول ترین کتابوں میں سے ہے، تاریخ تالیف سے لیکر اب تک پچاس سال گذر چکے ہیں بے شمار ایڈیشن وجود میں آئے ہیں، بار بار کتاب چھپتی ہے اور تھوڑی سی مدت میں ختم ہو جاتی ہے تبلیغی جماعت کے حلقوں میں بھی اسکی تعلیم ہوتی ہے اور ہر مکتب فکر کے لوگ اس سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں، پوری کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کا دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنا، بھوک پیاس سہنا، ان کی صفاتِ خوف و خشیت، نماز کا شغف اور ذوق و شوق اور ایثار و ہمدردی، بہادری و دلیری، علمی ولولہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرماں برداری اور امتثالِ حکم، اور عورتوں اور بچوں کے دینی جذبات سے متعلق مؤثر انداز میں واقعات لکھے گئے ہیں، ایک فصل میں حضور اقدس صلی علیہ وسلم کی ازواج و اولاد کا تذکرہ فرمایا ہے اور خاتمہ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اجمالی فضائل اور ان سے عقیدت رکھنے کے بارے میں ہدایات دی ہیں، پوری کتاب تقریبا پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں

۵۴۔ معجم المسند للامام احمد (غیر مطبوعہ) مسند امام احمد کی روایات ترتیب صحابہ پر ہیں جس میں احادیث کا تلاش کرنا بڑا مشکل ہے، اس رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی احادیث مع جلد و صفحہ درج کی گئی ہے، بہت مفید رسالہ ہے جس سے احادیث کا نکالنا بہت آسان ہے،

۵۵۔ معجم الصحابۃ التی اخرج عنہم ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ (غیر مطبوعہ)

اس کے بارے میں مؤلف کا ارشاد ہے کہ امام ابو داؤد الطیالسیؒ نے بھی مسند احمد کی طرح سے صحابہ کی روایات صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے نقل کی تھیں۔ جس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا تھا جو مراتب صحابہ سے واقف ہو، اس ناکارہ نے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کی،

۵۶۔ معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی (غیر مطبوعہ)

اس کے بارے میں ارشاد ہے تذکرۃ الحفاظ جلدوں میں طبع ہوئی ہے اور ہر جلد کی فہرست الگ ہے، اور اس میں بھی مشہور لقب اور کنیت سے رواۃ کو ذکر کیا گیا ہے، اس ناکارہ نے اس رسالہ میں چاروں جلدوں کی ایک فہرست مرتب کی تھی جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ناموں کی فہرست لکھی تھی اور ہر نام کو اس کے نام کے اعتبار سے اسی کے حرف میں لکھا تھا

۵۷۔ جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ (غیر مطبوعہ)

یہ رسالہ ذیقعدہ ۴۱ھ کے آخری جمعہ کو شروع کیا تھا، اس میں ان رواۃ کو جمع کیا تھا جن پر ملا علی قاری نے کچھ کلام کیا ہے، پہلے جزء کا التقاط ۲۹ ذی الحجہ ۴۱ھ بروز پنجشنبہ کو پورا ہوا،

۵۸۔ جزء المبہمات فی الاسانید والروایات (غیر مطبوعہ)

اس کے متعلق حضرت شیخ رح تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث کی اسانید میں بھی اور روایات میں بھی بہت سے نام مبہم آتے ہیں۔ اس ناکارہ نے ان سب کے نام دوسری احادیث سے تلاش کر کے لکھنے شروع کئے تھے اور اچھا خاصا ذخیرہ ہو گیا تھا

ان میں ان مبہمات کو چھوڑ دیا گیا جو تہذیب، تقریب، تعجیل وغیرہ میں آگئے ہیں

۵۹۔ حواشی وذیل التہذیب (غیر مطبوعہ) حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب تقریب، تعجیل وغیرہ پر حواشی تو سبھی پر لکھتا رہا، لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کراکر تہذیب کے موافق اس پر صفحات ڈال دیئے تھے تاکہ اس پر تہذیب کا استدراک اور ذیل لکھا جاوے، تہذیب پر حواشی تو لکھنے کی زیادہ نوبت آئی مگر اس ذیل پر لکھنے کی نوبت کم آئی

۶۰۔ جزء ما قال المحدثون فی الامام اعظم رضہ (غیر مطبوعہ) یہ کئی جزو کا رسالہ ہے جس میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ائمہ محدثین کے اقوال جرح وتعدیل اور ان پر کلام نقل کیا گیا ہے۔

۶۱۔ جزء ما یشکل علی الجارحین (غیر مطبوعہ) ائمہ جرح وتعدیل کے کلام میں بعض رجال کے متعلق جارحین کے کلام پر کچھ اشکالات پیش آتے ہیں اس رسالہ میں ان اشکالات کو جمع کیا گیا ہے۔

۶۲۔ جزء امراء المدینہ (غیر مطبوعہ) اکثر روایات میں امیر مدینہ کی عبارت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں، قال امیر المدینۃ کذا۔ فعل امیر المدینۃ کذا، اس رسالہ میں امراء مدینۃ کے ناموں کی تعیین اور ان کے امارۃ کے زمانہ کی انتہا وابتدا جمع کی گئی ہے، تاکہ واقعات میں امیر کی تعیین ہو سکے

۶۳۔ جزء طرق المدینۃ (غیر مطبوعہ) مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف آنے کے لئے چار راستے مشہور ومعروف ہیں، سلطانی، فرعی، غائر اور شرقی

اس رسالہ میں ان چاروں راستوں کی تفصیل اور ان کے منازل ذکر کئے گئے اور ان کے مختصر حالات بھی،

۶۴۔ الوقائع والدہور (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد خلفاء راشدین اور اس کے بعد سلاطین بنی امیہ وغیرہم کے حالات (اس میں درج ہیں) جلد اول میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جلد ثانی میں خلفاء راشدین کے، اور جلد ثالث میں ان کے بعد والوں کے، ۲۵ محرم ۴۲ھ یوم جمعہ کو ابتداء کی تھی، اس کے بعد سے ابتک جو نیا واقعہ ملتا رہا اس سال کی جلد میں نکال کر لکھتا رہا، اس کا سلسلہ ۸۸ھ تک چلتا رہا،

۶۵۔ المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوعہ) اس میں معروف کتب حدیث وفقہ اور معروف مؤلفین کے حالات اور ان کے احوال کے مواضع جن جن کتابوں میں تھے ان کے حوالے درج ہیں، اس کی ابتداء یکم ج ۲ ۴۷ھ کو ہوئی تھی، ۸۸ھ تک اس کا سلسلہ چلتا رہا،

۶۶۔ تلخیص المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوعہ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں مؤلفین کے نام اور مختصر حالات جمع کئے گئے اور تفصیل کے لئے رسالہ بالا کا حوالہ لکھدیا گیا،

۶۷۔ رسالہ مجدد دین ملت (غیر مطبوعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ میری امت میں ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا، جس کے متعلق ہر زمانہ کے محققین کے اپنی اپنی تحقیق کے موافق اکابر امت میں جو مجدد لکھے گئے ہیں

ان کی فہرست لکھی ہے ، اس رسالہ میں ان سب اکابر کے اقوال جو مختلف زمانوں میں مختلف اکابر نے لکھے ہیں چودھویں صدی تک کے جمع کئے گئے ہیں

۶۸۔ مشائخ تصوف (غیر مطبوعہ) اکابر صوفیاء کے مختصر حالات

یہ رسالہ مشائخ چشتیہ کے علاوہ ہے وہ مشائخ چشت کے ساتھ مخصوص تھا اور اس میں معروف صوفیا کے حالات درج ہیں ،

۶۹۔ الاعتدال فی مراتب الرجال مطبوع اس کے بارے میں

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۵۶ھ اور اوائل ۵۷ھ میں کانگریس اور لیگ کے اختلافات نے اتنی شدت اختیار کی کہ اکابر کی شان میں بیحد گستاخیاں اور بے ادبیاں ہوئیں ، اور بعض لوگوں نے دوسرے خیال کے امام کو فرائض جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں مصلے سے بھی ہٹا دیا ، اور جس جگہ جس فریق کا غلبہ ہوا اس جگہ دوسرے خیال کے مُردوں کو قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا ، اس سیہ کار کے پاس اس زمانہ میں خطوط کی بڑی بھرمار تھی ، علیحدہ علیحدہ جواب دینا بہت مشکل تھا ، اس کے باوجود لکھنا پڑتا تھا ، ایک عزیز نے میرے بہت سے خطوط کو جمع کر کے سب اشکالات کو ایک خط کی صورت میں لکھکر اس کے جواب کا مطالبہ کیا ، میں نے بھی علیحدہ علیحدہ جواب لکھنے سے اس کو آسان سمجھا ۔ کہ ایک کاپی پر اس کو مفصل نقل کرالیا ، اور ۲۹ شعبان ۱۳۵۷ھ کو یہ جواب ختم ہوا ، اس کے بعد ہر شخص کو مختصر جواب لکھنے کے بعد یہ لکھتا تفصیلی گفتگو زبانی ہوگی یہاں آجاؤ ، یہاں آنے پر اسکو کاپی دکھا دیتا اتفاق سے میرے چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحب) اور حضرت اقدس رائپوری

نور اللہ مرقدہما کو اس کا علم ہوگیا، دونوں نے بہت اصرار اس کی اشاعت کا کیا، بلکہ حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ نے تو میر آل علی صاحبؒ کو حکم دیا کہ وہ اور شاہ مسعود حسن صاحب مل کر اس کو طبع کرا دیں، جس پر میں نے یہ کہکر شدت سے انکار کر دیا کہ حضرت کسی دوسرے کے طبع کرانیکی ضرورت نہیں میں اسکو عوام میں پھیلانا نہیں چاہتا مخصوص کو دکھلا دیتا ہوں، اور پھر ان دونوں بزرگوں کے تعمیل ارشاد میں چند روز میں اسکو طبع کرالیا، حضرت مدنی قدس سرہ نے طبع کے بعد بہت پسند فرمایا اور ہمیشہ سفری بیگ میں اس کا نسخہ رکھا رہتا تھا، ان ہی بزرگوں کی برکت کا اثر تھا کہ یہ کتاب اندازہ سے زائد مقبول ہوئی سنجیدہ طبقہ اور علماء نے بہت پسند کیا بیس پچیس مطابع میں ہند و پاک کے کئی کئی مرتبہ طبع ہوئی، اور گذشتہ سال اس کے نمبر ۴ کا ترجمہ عزیزم مولوی عبد الرحیم متالا نے گجراتی میں کر کے درد اور دوا کے نام سے شائع کرایا، اور اس سال بمبئی کے احباب کے تقاضوں پر اس نمبر کو "مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج" کے نام سے اردو میں ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ کو شائع کرایا گیا، (اس نمبر کا عربی ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے جو عرب ممالک میں بہت مقبول ہے، اس کا تذکرہ انشاء اللہ تکمیل کے ذیل میں آئیگا۔)

(۷۰) **تاریخ مشائخ چشت** اس کتاب کا موضوع حضرات مشائخ چشت رحمۃ اللہ علیہم کے احوال مبارکہ ہیں اولاً سید الکونین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ لکھی ہے۔ پھر حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور احوال لکھے ہیں۔ یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرّہ کی پہلی تالیف ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں اس سے قبل چونکہ مستقل تالیف کی نوبت نہ آئی تھی اس لیے تبرکاً میں نے اپنی تالیف کے سلسلہ کی ابتداء مشائخ چشتیہ سے کی جس کی ہر کڑی باعث خیر و برکت اور انوار و ثمرات ہیں[1]

(۷۱) **تاریخ مظاہر** یہ کتاب مظاہر علوم سہارنپور کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کی دینی علمی اور عرفانی خدمات کا جائزہ لیا ہے اور ارتقائی منازل اور تدریجی نشو نما کا تذکرہ فرمایا ہے حالات سن تاسیس ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۲۲ھ تک کے احوال قلمبند

---

[1] یہ مسودہ ۱۳۴۹ھ سے لیکر ۱۳۹۲ھ تک غیر مطبوعہ ہی رہا پھر ۱۳۹۳ھ میں حضرت کے نواسہ مولوی محمد شاہد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے باضافہ سوانح حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور سے شائع کیا۔ پوری کتاب ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے

فرماتے ہیں مدرسین کے اسمار گرامی۔ ان کے اسباق۔ ابتدائی تنخواہوں میں اضافے فارغین کی تعداد اور ان کے اسمار سالانہ جلسے اور ان میں مشہور اکابر کی تشریف آوری۔ آئین مدرسہ اور دستور العمل وغیرہ وغیرہ امور کو بڑی جامعیت کے ساتھ تحریر فرمایا تھا یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے۔ عنوان تاریخ مظاہر ہے لیکن مظاہر علوم کے احوال ذیل ہیں اور بہت سی معلومات فراہم ہو گئی ہے

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے پچاس سال کے احوال لکھ کر مسودہ محفوظ رکھ رکھا تھا۔ مولوی محمد شاہد صاحب سلمہ کو اللہ جل شانہٗ نے نہ صرف یہ کہ اس پچاس سالہ تاریخ کو شائع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی بلکہ ۱۳۳۲ھ سے لیکر ۱۳۸۲ھ تک کے حالات لکھ کر کتاب کی تکمیل کر دی۔ اور اس طرح سے جامعہ مظاہر علوم کی صد سالہ تاریخ پر جامع کتاب وجود میں آگئی۔ اور "پدر نہ کرد پسر تمام کرد" کا مقولہ مولوی محمد شاہد سلمہ پر صادق آگیا پہلی جلد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی اور دوسری جلد مولوی محمد شاہد صاحب سلمہ کی تالیف ہے، دوسری جلد کے ختم پر مظاہر علوم کے صد سالہ ممبران و سرپرستان اور مہتممین کرام اور صدر مدرسی کے عہدہ پر فائز ہونے والے حضرات اور شعبۂ افتار سے وابستہ رہنے والے اکابر اور عام مدرسین کی فہرست دی گئی ہے۔

پھر ایک مستقل باب میں مظاہر علوم کے اٹھاون ممتاز فضلار کا تذکرہ کیا ہے شاید جلدی بہ تعداد کم کر کے اکتفا فرمایا ورنہ ممتاز فضلاء کی تعداد بہت زیادہ ہے

۷۶. نظام مظاہر علوم (غیر مطبوعہ) | مولانا شبیر علی صاحب

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب مظاہر علوم کے ابتداءً سرپرست بنے تو انھوں نے مدرسہ کے سابقہ نظام کے متعلق تحریراً اور تقریراً بہت سی معلومات دریافت کیں، اس کے جواب میں اس ناکارہ نے یہ بہت ہی اہم رسالہ لکھا تھا جس میں میرے کئی ماہ تتبع اور تلاش میں بھی خرچ ہوئے تھے بہت بڑی تقطیع کے تقریباً سو صفحے سے زائد تھے لیکن افسوس کہ اس سال مولانا مرحوم اولاً حجاز اور وہیں سے پاکستان تشریف لے گئے۔ اس رسالہ کے متعلق پاکستان پہونچنے کے بعد میں نے استفسار کیا تو مولانا مرحوم نے لکھا، مجھے یاد نہیں وہیں متروکات میں رہ گیا ہوگا۔ مولانا ظہور الحسن صاحب مقیم خانقاہ اشرفیہ اور مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم نائب مہتمم مظاہر علوم سے بھی دریافت کیا کہ شاید اُن کے پاس ہو، نہ ملا۔ اس کی نقل میرے کاغذات میں بھی نہایت باریک میرے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر وہ نمی کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپک گئے۔ مظاہر علوم کی نہایت مستند بہترین ابتدائی تاریخ تھی۔ جس کا مجھے بھی بے حد قلق ہے

۷۳- آپ بیتی (سات حصے) مطبوعہ

یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی خود نوشت سوانح حیات ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ مولانا سید محمد ثانی مرحوم نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح تالیف فرمائی۔ اور اس میں ایک باب مولانا علی میاں صاحب زید مجدھم سے لکھوا کر اضافہ کر دیا جو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے متعلق تھا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے پاس جب سوانح یوسفی مطبوعہ پہنچی تو اپنے بارے میں جو باب تھا اس کو دیکھ کر مولانا محمد ثانی مرحوم کو تحریر فرمایا کہ جو باتیں لکھنے کی تھیں وہ چھوڑ دیں اور جو نہ لکھنے کی تھیں وہ لکھ دیں اور اس خط میں اپنے بہت سے احوال اور اپنے اکابر کے واقعات تحریر فرمائے پھر یہ خط مستقل ایک رسالہ کی صورت میں "تنقید بر سوانح یوسفی" کے نام سے شائع ہو گیا جو ۱۵ ربیع الاخر ۱۳۸۱ھ کو لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ کے احباب و اصحاب نے تقاضا کیا کہ حضرت والا اپنی سوانح لکھوائیں تاکہ مزید معلومات اور تعلیم و تربیت اور تدریس وغیرہ کے واقعات عوام و خواص کے سامنے آجائیں۔

بتاریخ ۱۰ رجمادی الاخری ۱۳۹۰ھ آپ کو آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں علیگڑھ جانا ہوا اس سے پہلے ۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کو علیگڑھ کے اسپتال میں آنکھ کا اپریشن ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے بتایا کہ دس

بارہ دن قیام کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا ان ایام میں حضرت شیخ قدس سرہٗ نے آپ بیتی لکھانے کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ جتنا بھی وقت رات یا دن میں ملتا رہا۔ اس کا مسودہ تیار ہوتا رہا۔ اٹھارہ روزہ کے قیام میں آٹھ بابوں کا مسودہ تقریبا تیار ہو گیا بعض ابواب کے مضامین تو پورے ہو گئے۔ اور بعض ابواب کے مضامین بطور فہرست لکھے گئے۔ جن کی تکمیل سہارنپور آنے کے بعد ہوئی اس طرح سے آپ بیتی کے چھ حصے تیار ہو گئے۔ جو آپ کی حیات ہی میں شائع ہو گئے تھے۔

پہلا حصہ تو وہی تنقید بر سوانح یوسفی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ بیتی نمبر۲ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلا باب اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات کے بارے میں ہے۔ اور دوسرے باب میں زمانہ طالب علمی کے واقعات پھر تدریس و تالیفات کا تذکرہ ہے

آپ بیتی نمبر۳ باب سوم سے شروع ہے۔ اس کی ابتداء میں عنوان ہے"۔ بندہ کی چند بری عادتیں" پھر باب چہارم میں حوادث و شادیاں مذکور ہیں آپ بیتی نمبر۴ میں باب پنجم ہے جس میں تحدیث بالنعمہ کے طور پر حضرات اکابر سے اپنے تعلقات کی تفصیلات واضح فرمائی ہیں۔ پھر باب ششم میں حجوں کی تفصیلات مذکور ہیں۔

آپ بیتی نمبر۵ باب ہفتم سے شروع ہے جس میں تقسیم ہند کے واقعات مذکور ہیں اور باب ہشتم متفرقات پر مشتمل ہے

آپ بیتی نمبر۶ میں ابواب کے بجائے فصول قائم کی گئی ہیں اور پوری

آپ بیتی نمبر ۶ سترہ فصلوں پر مشتمل ہے۔ جو بہت ہی زیادہ کام کی چیز ہے
ان میں اکابر کا طرزِ تعلیم اور طلبہ کی تربیت اور اس کی اہمیت اکابر کا طلبِ علم
میں انہماک اکابر کا فقر و فاقہ اور تقویٰ نیز اُن کی تواضع وغیرہ کے واقعات
درج کیے گئے ہیں آپ بیتی نمبر ۶ کا سلسلہ چل رہا تھا کہ نمبر ۷ بھی تیار
ہوگئی۔ یہ بھی متفرق معلومات پر مشتمل ہے۔ مجموعی حیثیت سے پوری آپ بیتی
سولہ سو چالیس (۱۶۴۰) صفحات پر آئی۔ آپ بیتی کیا ہے معلومات کا ایک بیش
قیمت گلدستہ ہے مؤلف کے احوال کے ساتھ اکابر کی سوانح بھی اس
میں مدغم ہوگئی ہیں۔ پڑھنا شروع کرو تو کتاب ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں
چاہتا۔ زبان کی سادگی اور بیان کی سلاست اردو معلی سے کم نہیں نادر
واقعات، تنبیہات، مواعظ و حکم، پند و نصائح اور اخلاقیات سے پوری
کتاب بھرپور ہے

آپ بیتی نمبر ۷ میں حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت
مولینا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے مدارس میں
سلسلہ ذکر جاری کرنے کے بارے میں جو مکاتبت ہوئی تھی اس کا
تذکرہ ہے۔ نیز سفرِ حجاز سنہ ۱۳۹۳ھ اور سفرِ ہندوستان سنہ ۱۳۹۴ھ اور رمضان
المبارک سنہ ۱۳۹۴ھ اور سفرِ ہند سنہ ۱۳۹۵ھ اور رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۵ھ اور سفرِ ہند
سنہ ۱۳۹۶ھ اور سفرِ ہند سنہ ۱۳۹۷ھ کے احوال مذکور ہیں۔ آپ بیتی کا یہ حصہ
آخری ہے جو مدینہ منورہ میں یکم ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ میں اختتام کو پہنچا۔
اس کے ایک سال پانچ ماہ بعد یکم شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ میں وفات ہوگئی۔

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وبارک فی علومہ واعمالہ وجمیع تالیفاتہ۔

متفرق کتابیں

۴۷۔ قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (مطبوع) یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی بہت پرانی تالیف ہے، انگریزوں کے زمانہ میں جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کیا گیا تھا جس میں ہر بچہ کو ۱۱ سال کی عمر تک سرکاری اسکول میں پڑھنا لازمی تھا، اس سے قرآن مجید کی تعلیم خاص کر حفظ قرآن میں رکاوٹ ہوتی تھی اس کے خلاف آواز اٹھانے اور احتجاج کرنے کی سخت ضرورت تھی اسی کے پیش نظر یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، آپ کا اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ ۴۹ھ میں جبریہ تعلیم کا بہت زور ہوا جس کے خلاف حضرت حکیم الامۃ تھانوی اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہما نے بہت زیادہ مساعی جمیلہ فرمائیں چچا جان نے اس ناکارہ کی وساطت سے حضرت مدنی قدس سرہ کی صدارت میں متعدد جلسے بھی کرائے، حضرت تھانوی قدس سرہ ممبران اسمبلی کے نام خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں اس ناکارہ نے یہ ایک خط جو تقریبا بتیس صفحات پر طبع ہوا ہے لکھکر چھپوا کر ممبران اسمبلی اور دیگر سربرآوردہ مسلمانوں کے پاس بھیجا تھا، ۱۳ محرم ۱۳۵۰ھ میں لکھا گیا،

۷۵۔ رسالہ اسٹرائک (مطبوعہ) اس کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدارس عربیہ میں اسٹرائک کی روز افزوں وبا سے جتنی نفرت اس سیہ کار کو ہے اتنی شاید ہی کسی کو ہو، اور اس میں میرے دو بزرگ حضرت تھانوی اور حضرت مدنی نور اللہ مرقدہما بھی بہت مخالف تھے، روز افزوں اسٹرائک کی مصیبت کی وجہ سے یہ رسالہ ۱۲ ربیع الاول ۸۸ھ کو لکھا گیا جسمیں اکابر مذکورین کے ارشادات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

۷۶۔ میری محسن کتابیں (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں مؤلف ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مولانا الحاج ابو الحسن علی ندوی نے ایک زمانہ میں اخبارات میں اس عنوان پر مضامین لکھوانے کا تقاضا گیا تھا۔ اور اس ناکارہ پر تحریرا وتقریرا کئی دفعہ تقاضا کیا اس پر اس ناکارہ نے زبانی تو یوں کہا تھا کہ میری محسن کتابیں تو اباجان کا جوتا تھا، لیکن ان کے اصرار پر ایک رسالہ اس سلسلہ میں بھی تصنیف کرنا شروع کیا تھا، جس میں ہر دور کی اپنی پسندیدہ کتابیں لکھی تھیں مضمون ناقص رہ گیا پورا نہ ہو سکا،

(۷۷) مشرقی کا اسلام (غیر مطبوعہ) عنایت اللہ مشرقی کا تذکرہ اسکی کتابوں کو بھی ایک زمانے میں بہت کثرت سے دیکھا اور اسکی کفریات کو ایک رسالہ میں جمع کیا یہی رسالہ قاری سعید صاحب مفتی مظاہر علوم کے رسالہ " مشرقی کا اسلام" کا ماخذ ہے

۷۸ رسالہ التقدیر (غیر مطبوعہ) اس کے بارے میں آپ بیتی میں ارشاد ہے کہ ایک زمانے میں یہ مضمون رات دن دماغ میں چکر کھاتا تھا کہ آدمی کے مقدر میں جتنا ہوتا ہے اس سے زائد نہیں ملتا اور نہ اس سے کم ملتا ہے مثلاً اگر کسی کے مقدر میں مرغیاں کھانا ہے وہ بہرحالی مرغی کھاوے گا۔ حضرت بن کر کھاوے یا کما کر اپنے پیسوں کی کھائے یا لیڈر بن کر کھاوے اور اگر کوئی ہنر بھی اس کے پاس نہیں تو وہ کسی رئیس یا اعلیٰ حاکم کا خانسامہ بنے گا۔ اس کی بہت سی جزئیات لکھی تھیں جس کے مقدر میں جیل ہے وہ چوری یا ڈاکہ مار کر جیل میں جائے گا ورنہ سیاسی لیڈر بن کر تو جاوے ہی گا۔ اکابر کے قصے بھی اس میں لکھے تھے اور تعویذوں کی بدولت ہر آنے والے کے گھر کے حالات بھی پوچھ لیتا تھا کہ کیا آمد ہے کیا کھاتے ہو اور وہ سمجھ کر کہ تعویذ میں اس کی بھی ضرورت ہے سب بتلا دیتا تھا بڑی اونچی تنخواہوں والے بیماری کی وجہ سے حکیم ڈاکٹروں نے سب کچھ منع کر رکھا ہے اُبلی ہوئی دال یا بغیر گھی کا سالن وغیرہ وغیرہ، بغیر نام کے بہت سے قصے اس میں جمع کیے تھے جس کے مقدر میں موٹر کی سواری لکھی ہے وہ ہزار بارہ سو کما کر اپنی موٹر خریدے یا توفیق الٰہی سے حضرت جی بن جائے۔ یا لیڈر یا پھر ڈرائیور اس رسالہ کے پورا کرنے کا مجھے بھی ہمیشہ اشتیاق رہا۔ مگر مقدر نہ ہوا۔ اس میں واقعات بہت عبرت انگیز لکھے ہوئے ہیں۔ جو اس زمانہ کے اخبارات سے بھی نقل کیے تھے

۷۹ رسالہ فرائد حسینی (غیر مطبوعہ)

حضرت اقدس سیدی وسندی شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کی تشریف آوری پر بسا اوقات علمی تذکرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ اس میں کچھ مضامین عالیہ بندہ کے نزدیک قابل حفظ ہوتے تھے ان کو ایک رسالہ میں جمع کرتا رہتا تھا۔ بڑے اچھے مضامین ہیں مگر پورا ہونے کی اور طباعت کی نوبت نہیں آئی۔

۸۰ رسالہ رد مودودیت (غیر مطبوعہ)

اس کے بارے میں فرمایا کہ ۵۱ھ میں مودودیت کی کتابیں بہت کثرت سے پڑھنے کی نوبت آئی۔ تقریباً تین سو رسائل اور کتب مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی شب و روز جاگ کر پڑھیں۔ اور یادداشتیں ایک رسالہ کی صورت میں جمع کی تھیں۔ اور یہی رسالہ حضرت مدنی قدس سرہ کی اکثر تالیفات کا بھی ماخذ ہے۔ اور قاری سعید صاحب کی تالیف کشف حقیقت کا بھی ماخذ ہے اور اس ناکارہ نے تقریباً پچاس بڑی تقطیع کے صفحات پر خود بھی ایک رسالہ لکھا تھا باوجود اکابر اور احباب کے شدید اصرار کے طبع کی نوبت نہیں آئی یہ رسالہ میرے مسودات میں موجود ہے[۱]

---

[۱] رسالہ فتنہ مودودیت اس کے علاوہ ہے

۸۱ - فتنہ مودودیت (مطبوعہ)

یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا ایک خط ہے جو اپنے ہم نام مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے نام تحریر فرمایا تھا جب مودودی صاحب کی جماعت ابھری تو انکی تحریرات سے جو حضرات متاثر ہوئے تھے ان میں مولانا قدوسی بھی تھے دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور دونوں اداروں کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ انہوں نے ہر باطل تحریک کا مقابلہ کیا۔ جو اسلام کا نام لے کر اٹھی اور انہوں نے ہر اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی جو اسلام کے نام پر سامنے آیا اور زیغ وضلال کی دعوت لیکر آگے بڑھا۔ منکرین حدیث۔ منکرین ختم نبوت۔ نیچری فتنہ۔ خاکساری فتنہ اور رضاخانیت کے خلاف اکابر دارالعلوم ومظاہر علوم ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ مودودی صاحب اول تو ایک مضمون نگار صحافی آدمی تھے، روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں عرصہ تک

اکابر جمعیۃ علماء ہند کی ماتحتی میں ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے حیدر آباد دکن سے ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا۔ جس کے مضامین داعیانہ اور ناقدانہ ہوتے تھے۔ ان مضامین سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے تبلیغی جماعت کے کام نے شہرت پائی تو مودودی صاحب مرکز نظام الدین دہلی تشریف لائے اور وہاں سے میوات کا سفر کیا۔ سفر سے واپس ہو کر تبلیغی جماعت کی تعریف میں بہت بلند مضمون لکھا۔ جو ترجمان القرآن میں شایع ہوا۔ پھر انہوں نے اپنی جماعت کی تشکیل کر لی۔ جس میں چند ایسے حضرات شریک ہو گئے جو انکی تحریرات سے متاثر ہو گئے تھے۔ انکی جماعت کا کام آگے بڑھتا رہا اور مضامین کا تنوع ترجمان القرآن

میں اور دوسرے چھوٹے موٹے رسالوں کی صورت میں سامنے آتا رہا۔ مودودی صاحب نے چونکہ حضرات مفسرین ومحدثین سے اور علماء وفقہاء سے علم حاصل نہیں کیا تھا۔ انکا علم زیادہ تر مطالعہ ہی کا تھا۔ اور وہ ایک طرح کے خود رو عالم تھے۔ اس لیے ان کے مضامین میں ایسی چیزیں آنی شروع ہوئیں جو مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف تھیں علماء حق نے انکو انکی طرف متوجہ کیا۔ لیکن انکے ہاں رجوع کرنیکا سوال ہی نہیں تھا۔ حالانکہ صاحب حق کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ جب اسکی غلطی پر متنبہ کیا جائے تو فوراً اقرار کرلے اور اگر لکھ چکا ہو تو اس سے رجوع کا اعلان کردے۔ مودودی صاحب کی کتابوں اور مضامین میں سے جو چیزیں قابل تردید ہیں وہ یہ ہیں آزادیِ رائے۔ اسلاف سے بیزاری، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدعقیدگی، چاروں مذہبوں سے آزاد ہوکر نئی راہ، قرآن وحدیث کے مدارس سے دشمنی، تفسیر وحدیث کے ذخیروں سے بے نیازی وبے زاری،

ان امور کی وجہ سے علماء کرام نے مودودی صاحب اور انکی جماعت کی مخالفت کی۔ اور عوام کو انکے زیغ اور کجروی سے آگاہ فرمایا۔ لیکن جن کے قلوب میں مودودی صاحب کی محبت " اُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمْ " کے مرادف ہو چکی ہے ان سے تو امید نہیں کہ وہ ٹس سے مس ہوں علماء کرام کا کام کہدینا اور بتا دینا ہے وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مودودی صاحب کے زیغ وضلال پر متنبہ کرتے ہی رہتے ہیں؛ مولانا قدوسی صاحب مظاہر علوم کے پرانے مدرس تھے، جب انکی طرف سے مودودی صاحب کی جماعت کی تعریفیں شروع ہوئیں اور وہ ان کے پرجوش داعی

اور مبلغ بن گئے، تو اکابر مظاہر علوم نے ان سے گفتگو کی۔ اور ان سے عرض کیا کہ جماعت مذکورہ کے اجتماعات میں شرکت نہ کریں وہ اس پر راضی نہ ہوئے اسی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے انکے نام یہ خط تحریر فرمایا جو تاریخ تحریر سے ۲۶ سال کے بعد فتنہ مودودیت" کے نام شائع کیا گیا، بعض اداروں نے اس کو جماعت اسلامی ایک لمحہ فکریہ" کے نام سے بھی شائع کیا اس خط میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے مودودی صاحب کی چند موٹی موٹی بنیادی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی۔ اور ان عواقب و نتائج سے باخبر فرمایا جو ان چیزوں کو قبول کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں۔ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ قرآن و سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ انکے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہیئے جو قرآن و حدیث کے مغز کو پا چکے ہوں [1] - ہر صاحب فکر و نظر غور کرے کہ جب تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے بیزاری ہوگی تو دین کہاں سے ملے گا، اور ان کو چھوڑ کر قرآن و حدیث کا مغز کوئی کہاں سے پائیگا؛ بس اپنا ہی مغز کھپائے گا اور جو چاہے گا کہیگا

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے مودودی صاحب کی اس طرح کی عبارات باحوالہ اپنے خط میں تحریر فرمائیں۔ لیکن قدوسی صاحب مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے جماعت سے علیحدہ ہونا گوارا نہ کیا، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا یہ

---

[1] یہ عبارت "فتنہ مودودیت" میں باحوالہ موجود ہے

خط انکے مسودات کے ذخیرے میں سالہا سال سے محفوظ تھا اس کو شائع کرنے
کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کی گئی کہ یہ ایک ذاتی خط تھا۔ اور مکتوب الیہ
مدرسہ سے علیحدہ بھی ہو چکے پھر ان کی وفات بھی ہو چکی۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث
صاحب قدس سرہ کی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد آپکے نواسہ مولوی محمد شاہد سلمہ کو آپکے
بہت سے مسودات ہاتھ لگ گئے جن میں یہ خط بھی تھا اور اس عرصہ میں جماعت
کے لوگوں نے اہل حق کے خلاف بہت کچھ زہر اگل دیا تھا انہوں نے ضرورت
سمجھ کر بعنوان ،، فتنہ مودودیت ؛؛ شائع کر دیا۔ مودودی صاحب کی جماعت کو لفظ
،، فتنہ،، بہت کھلا، لیکن احقر کے نزدیک اس کا یہی نام مناسب تھا۔ اس نام سے
پوری طرح حقیقت آشکار ہو گئی اور اہل خرد پر یہ امر واضح ہو گیا کہ مودودی صاحب
کی بہت سی عبارات اہل سنت والجماعت کے مسلک سے علیحدہ ہیں اور
انکا طریق کار عامۃ المسلمین سے الگ ہے ،،

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا یہ مکتوب سوا سو ۱۲۵ صفحات پر
مشتمل ہے اس کے شروع میں مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری کا
تعارفی مقدمہ بھی ہے۔ [۱]

---

[۱] حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کا مذکورہ بالا خط جب شائع ہوا تو مودودی صاحب
کی جماعت میں کھلبلی مچ گئی، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ پر یہ الزام لگانا شروع
کیا کہ انہوں نے مودودی صاحب پر الزامات لگائے ہیں، ڈاکٹر انور علی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث
صاحب کی کتاب کا رد لکھا۔ اور ،، رد فتنہ مودودیت ،، اسکا نام تجویز کیا، درحقیقت یہ کوئی رد نہیں
ہے البتہ مودودی صاحب کی جماعت سے وابستگی رکھنے والوں کو اس سے یہ دھوکہ ضرور ہو جاتا ہے
کہ کتاب کا جواب لکھ دیا گیا اور شیخ الحدیث صاحب نے واقعی مودودی صاحب پر الزامات لگائے

(بقیہ حاشیہ) مجھے ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا رد تو مولانا عبدالقدوس رومی زید مجدہم مفتی شہر آگرہ لکھ رہے ہیں۔ جس کے بعض حصے ہمارے سامنے آچکے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا خوب مفصل جواب جناب کریم الدین صاحب ریٹائرڈ انجینیر انہار یوپی (ھند) نے لکھ دیا ہے "جو آئینہ رد فتنہ مودودیت" کے نام سے مکتبۃ الایمان حلیم آباد گریبی کھیتہ سرائے جونپور (یوپی) سے شائع ہوا ہے۔ جو ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے ناظرین کرام اس کو مطالعہ کریں گے۔ تو نام نہاد الزامات کی حقیقت انشاء اللہ تعالی واضح ہو جائیگی۔

درحقیقت اہل ضلال کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب اہل حق میں سے کوئی انکی تردید کرتا ہے تو اس پر الزام لگانے کا الزام لگا دیتے ہیں کہدیتے ہیں کہ پوری عبارت نقل نہیں کی جبکہ منقولہ عبارت اپنا مفہوم ادا کرنے کے لئے کافی و وافی ہوتی ہے۔ یہ بات تمام اہل الحاد میں مابہ الاشتراک ہے کہ وہ اپنے کو اہل حق بتاتے ہیں۔ اور اپنا اچھا نام تجویز کرتے ہیں اور یہ لوگ حاملان دین اور حفاظ قرآن وحدیث کو جنہوں نے دین کے مزاج کو سمجھا برے القاب سے یاد کرتے ہیں بلکہ دین سے خارج بتلاتے ہیں۔ خوارج کا ظہور ہوا تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کو گمراہ کہدیا اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے خلاف چلنے والا قرار دیدیا معتزلہ نکلے تو انہوں نے تمام اہل سنت والجماعت کو غلط عقائد کا حامل بتایا اور خود اپنا نام اہل التوحید اور اہل العدل والانصاف رکھ دیا۔ روافض کا وجود ہوا تو انہوں نے بجز چند صحابہ کے تمام صحابہ ہی کو کافر قرار دیدیا اور قرآن کی تحریف کے قائل ہو گئے اس پر انکا دعوی یہ ہے کہ ہم اہل ایمان ہیں حق پر ہیں۔ جو باطل کھل کر ابھرتا ہے وہ اپنے اوپر اچھا ہی لیبل لگاتا ہے اور تمام اہل حق کو اور مفسرین ومحدثین اور ائمہ وفقہاء کو راہ حق سے ہٹا ہوا بتاتا ہے جن لوگوں نے اہل حق سے دین نہیں سیکھا وہ ان لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں یہی حال مودودی صاحب کی جماعت کا ہے۔ کہ ان کے نزدیک علماء حق صحیح راہ پر نہیں۔ صحابہ کرام کی ذاتوں پر حملے کرتے ہیں، مجددین میں کیڑے ڈالتے ہیں، حدیث وتفسیر کے ذخیروں سے بیزاری کا اعلان کر چکے ہیں، دینی مدارس کے دشمن ہیں، اور اب تو انکی تحریک کا خلاصہ شیعیت کی تائید رہ گیا ہے، ایران کے شیعی انقلاب کو اسلامی انقلاب کہہ چکے ہیں اور اس پر ان کو اصرار ہے، جبکہ معلوم ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کو کافر کہتے ہیں اور قرآن پاک کی تحریف کے قائل ہیں۔ شیعیت کی تائید کی بنیاد مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت" سے ہی پڑ چکی ہے اور اب تو انکی جماعت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ جو ایران کے شیعی انقلاب کو اسلامی انقلاب کہہ رہے ہیں جس شخص نے خلفاً عن سلفٍ قرآن وحدیث کو اساتذہ سے نہ سیکھا اور وہ خود نہ عالم ہوا اور خود ہی سب کچھ ہوا اور اسے اپنی بات کی پچ بھی ہو وہ اپنے ماننے والوں کو کہیں بھی لیجا کر ڈبو سکتا ہے۔ مودودی صاحب کی تحریک

(بقیہ حاشیہ) کی چالیس سالہ محنتوں کا خلاصہ بالآخر شیعیت کی تائیدیں نکلا شیعوں کا تقیہ تو مشہور ہی ہے جماعت کا شروع کا امتحان کیا تھا اور انجام کیا نکلا۔ اور اب تو مودودی صاحب کی جماعت کا یہ کام رہ گیا ہے کہ مسجدوں پر قبضے کریں الیکشن لڑ لیا کریں۔ تبلیغی جماعت کی کاٹ کریں۔ اور علماء حق سے عوام کو بدظن کرنے کی سعی کرتے رہیں۔ مودودی صاحب کی جماعت کے حضرات بڑی محنت وکاوش کے ساتھ مودودی صاحب کی کتابوں کو اور انکے افکار وخیالات اور تحریرات کو پھیلاتے رہتے ہیں۔ مودودی صاحب کی تحریرات جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔ انکے بارے میں جب کوئی کچھ کہتا ہے تو لوگوں کو یوں کہہ کر بہلانے اور بہکانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مودودی صاحب اور جماعت اسلامی دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ جماعت کے افراد مودودی صاحب کے افکار وخیالات سے پوری طرح متفق ہوں۔ اور انکی ہندوستانی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ ہماری جماعت کا مودودی صاحب سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ کہ ہماری جماعت الگ ہے۔ اور پاکستان کی جماعت الگ ہے۔ لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جماعت سے جن کی اغراض پوری ہو رہی ہوں وہ تو کسی کلمہ خیر پر کیا غور کریں گے ہم نئے نئے متاثرین ومتعارفین اور ہمدردان جماعت کو غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آج کل جماعت اسلامی کے احباب نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مودودی صاحب کی تحریرات کے خلاف لکھنا اور بولنا مسلمانوں کے اتحاد کو ٹھیس لگانے کے مترادف ہے۔ ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں مسلمان اچھے خاصے طریقہ پر اتفاق واتحاد سے رہ رہے تھے مودودی صاحب نے اپنی تحریروں سے تفرقہ کی بنیاد ڈالی۔ جس سے ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا انکی جماعت کے جو لوگ اتحاد کے علمبردار بننا چاہتے ہیں وہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ مودودی صاحب نے جمہور اہل سنت کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور حضرات صحابہ عظام اور مجددین کرام کے خلاف لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اگر وہ لوگ اس کی ہمت کر لیں تو آج ہی اتحاد ہو جاتا ہے۔ نیز جماعت کے احباب یہ جو کہتے ہیں مودودی صاحب کی ذات اور جماعت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اس اعلان سے یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ انکی یہ بات کم از کم انکے نزدیک تو صحیح ہے یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ گمراہوں کے ساتھ اتحاد محمود نہیں۔ اتحاد وہی محمود ہے جو حق کے لیے ہو اور اہل حق کے ساتھ ہو۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کسی عربی اسلامی مدرسہ سے فارغ نہیں تھے اور انہوں نے قرآن وحدیث۔ تفسیر وحدیث کے اساتذہ سے نہیں پڑھا۔ تو انکی جماعت کے لوگ ان کی علمیت اور عالمیت ثابت کرنے کے لیے یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ مودودی صاحب نے حدیث کی تعلیم مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی سے حاصل کی لیکن یہ نہیں بتاتے کہ مودودی صاحب نے ان سے صحاح ستہ پڑھیں یا حدیث کی کوئی بھی ایک کتاب پوری پڑھی۔ یا صرف چند دن انکے پاس حاضر ہوئے جس پر حدیث دانی کا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ اور اگر بالفرض ان سے حدیث کی کتابیں پڑھی بھی ہوں

(بقیہ حاشیہ) توانکے پڑھنے سے کیا فائدہ ہوا! وہ تو حدیث میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ جن کے شاگرد مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث بھی تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تو حدیث و تفسیر کے پرانے ذخیروں کو ماننے والے اور انکی تعلیم دینے والے تھے۔ جب مودودی صاحب کے نزدیک تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں کو سامنے رکھکر تعلیم دینے کی ضرورت ختم ہو گئی اور مدرسوں کے طرز تعلیم کو بدلنے کے لیے فکرمند ہو گئے تو مودودی صاحب نے مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب سے جو کچھ حاصل کیا ہو گا وہ بیکار ہی رہا۔ پرانے طرز کے مولوی سے جوڑ لگا کر حدیث دانی کا دعویٰ کرنا ناسمجھوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مرادف ہے۔

چونکہ مودودی صاحب نے فرما دیا کہ قرآن و سنت کی تعلیم تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہ ہو اس لیے انکی جماعت کا کوئی بھی مدرسہ ھند و پاک میں ایسا نہیں کہ جس میں پرانی تفسیریں اور صحاح ستہ وغیرہ بالاستعاب پڑھائی جاتی ہوں آخر اپنے رہبر امیر کے ارشاد کے خلاف وہ ایسا کام کیوں کریں؟ نہ صرف یہ کہ انکے اپنے مدرسوں میں تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ جن مدرسوں میں ان کتابوں کی تعلیم ہے انکے مٹانے کے درپے ہیں۔ انکا سارا دین و ایمان بس یہی ہے کہ اجتماع کیا کریں اور مودودی صاحب کی کتابیں پڑھا اور سنا کریں۔ اور جنہوں نے تھوڑا بہت کچھ اسکولوں میں پڑھا ہے انکو علماء حق سے اور تفسیر و حدیث کے پرانی کتابوں سے دور کیا کریں انہیں یہ معلوم نہیں کہ دینی مدارس اور قرآن و حدیث کے حامل مٹ نہیں سکتے وہ تو صاحب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم کا مصداق ہیں حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے لٹریچر ہی پر جماعت کا وجود ہو اور جو جماعت کا بانی اور غیر منقسم ہندوستان میں جماعت کا امیر اول ہو۔ اس سے اور اس کی جماعت سے تعلق رکھنے والے اس کے افکار و خیالات کے مخالف نہیں ہو سکتے۔ جس کے تجربات شاہد ہیں۔ اور مشاہدہ میں یہ بات آرہی ہے کہ پوری جماعت مودودی صاحب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہے ان لوگوں کے نزدیک صحابہ سے غلطی ہونا ممکن ہے لیکن مودودی صاحب سے ان کے نزدیک غلطی نہیں ہو سکتی۔ زبانی طور پر کہدیتے ہیں کہ ہم ان کو معصوم نہیں مانتے لیکن مودودی صاحب کی کسی بات پر تنقید کی جائے تو تنقید کرنے والے کے گلے پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کو اپنی جہالت کے تیروں سے گھائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور حق ناحق میں تمیز کرنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کرتے ان لوگوں کے نزدیک ایمان و اسلام۔ اخلاص و تقوای دیانتداری، اقامت دین کی طلب و تڑپ صرف انہی کی جماعت پر مرکوز ہے۔ دنیا سازی کا یہ عالم ہے کہ پولنگ اسٹیشن میں گانے بجانے کے ریکارڈ لگا کر کراچی سے الیکشن لڑ چکے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے: اسی زمانہ میں ... بمعنی المعازف والقینات (مشکوٰۃ ص۴۶۸)

(۸۲) فضائل تجارت (مطبوعہ)

یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی آخری تالیف ہے ۵ صفر ۱۴۰۰ھ کو اختتام کو پہنچا اس کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ چچا جان مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دھلوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی حیات کے اخیر میں دو رسالوں کے لکھنے کا بہت زور سے حکم فرمایا تھا۔ ایک انفاق فی سبیل اللہ، اور دوسرا فضائل تجارت۔ ان دونوں میں سے فضائل انفاق تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے عرصہ ہوا کہ لکھا جا چکا اور فضائل صدقات کے نام سے شائع ہوا لیکن فضائل تجارت کے بارے میں باوجود انکی تاکیدی حکم کے ابتک لکھا نہ جاسکا۔ اب مدینہ منورہ کی چند سالہ قیام میں مدرسہ کی مشغولیت تو نہ رہی مگر اس کے بجائے امراض نے گھیر لیا۔ بار بار اس رسالہ کی یاد ستاتی رہی کہ آج سترہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ کو مسجد نبوی میں اس کی بسم اللہ کرادی۔ اللہ تعالےٰ اس مبارک کام کو پورا کرادے۔ تاکہ چچا جان کے اعمال حسنہ میں یہ بھی داخل ہو جائے، انتہی ملخصا،

شروع کتاب میں اولاً بہشتی زیور حصہ پنجم کے ضمیمہ سے بیس احادیث کا ترجمہ مع ضروری تشریحات درج فرمایا ہے اس کے بعد فصل قائم کرکے کمائی کی فضیلت کے بیان میں چند آیات اور احادیث مع ترجمہ تحریر فرمائی ہیں پھر کمائی کے ذرائع اور ان میں افضل کا بیان عنوان قائم فرمایا۔ اس میں بھی متعدد احادیث کا ترجمہ لکھا ہے اور اپنے اکابر کے واقعات درج کئے ہیں

(۸۳) فضائل زبان عربی (مطبوعہ)

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو پچپن ۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں عربی زبان کی فضیلت اور اس کے سیکھنے کی اہمیت واضح کی گئی ہے، اس رسالہ کا محرک ایک خواب ہے جو شوال ۱۳۹۵ھ میں حضرت شیخ قدس سرہ نے سہارنپور سے حجاز واپس ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ سفر براہ پاکستان تھا۔ خواب میں دیکھا کہ سید الکونین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں رسالہ سنا؟ حضرت شیخ نے یہ خواب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ رسالہ عربی میں تھا میرے لیے بڑا معروف تھا۔ بارہا کا دیکھا ہوا تھا۔ اس میں عربی زبان کے فضائل کی روایتیں تھیں، میں منشاء مبارک یہ سمجھا کہ عربی زبان کے فضائل میں اس رسالہ کی مدد سے اردو زبان میں کوئی رسالہ لکھوں۔ اور خواب ہی میں اس رسالہ کی بسم اللہ بھی کر دی اس کے بعد آنکھ کھل گئی یا اٹھا دیا گیا اٹھنے کے بعد خواب تو یاد رہا اور اس رسالہ کا نام ذہن سے بالکل نکل گیا رنج و قلق بھی بہت ہوا۔ دوسرے دن سفر شروع ہوا اور رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے بعد مختلف مواقع میں جانا ہوا۔ پندرہ سولہ ذیقعدہ کی درمیانی شب میں کراچی سے جدہ جانا ہوا ۲۸ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ اور پچیس صفر ۱۳۹۶ھ چہارشنبہ کی دوپہر کو قبل ظہر مسجد نبوی (صلی اللہ علی صاحبہ وسلم) میں اس رسالہ کی بسم اللہ کرا دی۔ (انتہی مختصراً) یہ رسالہ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ میں اختتام کو پہنچا۔

۸۴ تقریر بخاری شریف (مطبوعہ)

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ۱۳۲۶ھ سے

لے کر ۱۳۸۸ھ تک جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں بخاری شریف کا درس دیا، سینکڑوں تلامذہ نے آپ سے بخاری شریف پڑھی بہت سے حضرات نے آپ کی تقاریر درسیہ ضبط کیں، ضبط کرنیوالوں میں مولانا احسان الحق لائلپوری اور مولانا محمد سلمان صاحب سہارنپوری مدرس مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا محمد یونس صاحب جونپوری حال شیخ الحدیث مظاہر علوم بھی ہیں آخر الذکر نے ۱۳۸۰ھ اور ۱۳۸۱ھ میں دو سال حضرت شیخ قدس سرہ سے بخاری شریف پڑھی۔ ان تقاریر کو سامنے رکھکر ایک مجموعہ تیار کیا گیا۔ جو اولاً سہارنپور سے پھر کراچی سے شائع ہوا۔ ہمارے سامنے ابتک اس کے دو حصے آچکے ہیں۔ حصہ اول کے شروع میں مفصل مقدمہ ہے جس میں بہت سی ضروری باتیں متعلقہ صحیح بخاری و امام بخاری و متعلقہ اسانید و مراتب کتب حدیث اور انواع کتب حدیث آگئی ہیں، پھر "باب کیف کان بدؤ الوحی" سے شروع کر کے "کتاب الایمان" کے ختم پر حصہ اول ختم کر دیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر دوسرا حصہ کتاب العلم سے شروع ہو کر باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی پر جاکر ختم ہو گیا ہے دوسرے حصہ کے صفحات ایک سو بانوے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی تحقیقات نادرہ سے واقف ہونے کے لیے اس تقریر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے۔

۸۵۔ اکابر علماء دیوبند (مطبوعہ)

یہ کتاب بھی مدینہ منورہ میں تالیف فرمائی۔ سن تالیف ۱۳۹۸ھ ہے پورا نام یوں ہے "اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں"، پوری کتاب ایک سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرات اکابر علماء دیوبند کے احوال متعلقہ شغف نماز۔ اہتمام رمضان، انفاق فی سبیل اللہ، شوق حرمین شریفین احیاء سنت، زہد و تقوی۔ اور علم و عمل کی جامعیت وغیرہ جمع کیے گئے ہیں۔

۸۶۔ موت کی یاد (مطبوعہ)

یہ رسالہ تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب قدس سرہ کی نظم "درس عبرت اور مراقبہ موت"، ملحق کردی گئی ہے۔ اس کی تالیف کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ ماہنامہ بینات کراچی کے دو شمارے، بابت ماہ ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ ان میں دو قصیدے عربی زبان میں موت کی یاد کے بارے میں تھے یہ آپ کو بہت پسند آئے پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کو آپ بیتی ۷ میں نقل کر دیا جائے۔ بعض احباب نے رائے دی کہ فضائل صدقات حصہ دوم میں موت کی یاد کے بارے میں مضمون آگیا ہے۔ اس مضمون کو علیحدہ نقل کر دیا جائے اور یہ دونوں قصیدے اس میں ملحق کر دیئے جائیں اور یہ مجموعہ آپ بیتی کا ضمیمہ بنا دیا جائے۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے اس کو پسند فرمایا۔ اور یہ رسالہ موت کی یاد کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

۸۷۔ شریعت و طریقت کا تلازم (مطبوعہ)

حضرات اکابر دیوبند کا مسلک و مشرب یہ رہا ہے کہ کتاب و سنّت کے پابند رہیں اور ساتھ ہی تزکیہ نفوس کے لئے طریقت کو بھی اپناتے رہے کیونکہ دین سراپا عمل ہے اور عمل بغیر علم کے نہیں ہو سکتا اور علم کا نکھار تزکیہ نفس کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے طریقت کو بھی ساتھ ساتھ لیکر چلتے رہے، لیکن باوجود اس کے کہ طریقت کی ضرورت پر شدّت کے ساتھ زور دیا، شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا اور رسوم صوفیہ غیر شرعیہ کی کھُل کر تردید کی، کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے جو طریقت کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کو اپنانے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے جب اس کو محسوس کیا تو اس کے لئے مستقل ایک رسالہ تالیف فرمایا جو ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اصل مقصود تو یہ بتانا تھا کہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور جو ان دونوں کو الگ الگ سمجھتے ہیں اُن کی رائے درست نہیں ہے، لیکن رسالہ میں بہت سے ذیلی مباحث بھی تحریر میں آ گئے ہیں، اجتہاد و تقلید پر بھی روشنی ڈالی ہے عمل بالقرآن والحدیث کا مطلب واضح طور پر بتایا ہے جگہ جگہ حافظ ابن تیمیہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں اور صوفیاء کے شطحیات پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تحریر میں آ گئی ہیں۔

(۸۸) اکابر کا رمضان (مطبوعہ)

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ۱۳۴۹ھ میں فضائل رمضان کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ وہ بہت مقبول ہوا اور عوام و خواص کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ ماہ رمضان میں جگہ جگہ مساجد میں اس کا درس ہوتا رہا اور اب بھی ہوتا ہے، پھر تینتالیس سال کے بعد اس کا ضمیمہ بنام "اکابر رمضان" تحریر فرمایا جس میں حضرت حاجی صاحب حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت رائپوری اور اپنے والد صاحب اور چچا جان رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے معمولات درج فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ فضائل رمضان کے سائز پر اکثر صفحات پر مشتمل ہے۔ رجب ۱۳۹۲ھ میں اختتام کو پہنچا۔

۸۹۔ تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور انکے مفصل جوابات (مطبوعہ)

یہ رسالہ ۱۳۹۲ھ میں لکھا گیا۔ اس کا مضمون عنوان سے ظاہر ہے۔ تبلیغی جماعت پر جو اعتراضات کیے جاتے رہے ہیں وہ بذریعہ خطوط حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تک بھی پہنچتے رہے اور آپ انکے جوابات دیتے رہے۔ پھر جن اعتراضات کو ذرا اہم سمجھا انکے جوابات رسالہ ہذا میں تحریر فرما دیئے۔ اس رسالہ میں سولہ اشکالات کے جوابات دیئے گئے ہیں اور آخر

میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا ایک مضمون بھی ملحق فرما دیا ہے جو ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ میں شائع ہوا تھا، پورا رسالہ دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ جو دینی درد و فکر رکھنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے باقی جن کو اعتراض برائے اعتراض کرنے کی عادت ہے انکا منہ کسی طرح بھی بند نہیں کیا جاسکتا۔

۹۰- ڈاڑھی کا وجوب (مطبوعہ)

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کو یوں تو ہمیشہ ہی ڈاڑھی مونڈنے اور مقدار شرعی سے کم رکھنے سے نفرت تھی۔ جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیئے لیکن زندگی کے آخر چند سال ایسے گزرے جن میں اس معصیت سے نفرت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی تھی، بیعت میں بھی خصوصیت سے قطع لحیہ سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے اور مقطوع اللحیہ کو دیکھ کر طبیعت میں بھی جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ اور ہر مجمع میں اس کی نکیر فرماتے تھے۔ ڈاڑھی مونڈنے کی معصیت پر تنبیہ فرمانے کے لئے رسالہ "ڈاڑھی کا وجوب" تحریر فرمایا جو ۱۳۹۶ھ میں لکھا گیا۔ رسالہ مختصر ہے جو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اختصار کے باوجود ڈاڑھی سے متعلق ضروری چیزیں اس میں جمع ہو گئی ہیں رسالہ ہذا کی تالیف سے چار سال بعد اسکا عربی ترجمہ بھی کرایا جو "وجوب اعفاء اللحیہ" کے نام شائع ہوا۔

۹۱۔ حواشی اصول الشاشی۔ ہدایہ وغیرہ اس کے بارے میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ اصول الشاشی اس ناکارہ نے ۳۵ھ میں پڑھائی جیسا کہ تدریس کے نقشے میں گذر چکا اس کے بعد میں ایک دو دفعہ پڑھانے کی نوبت آئی اور ہدایہ ابتدائے شوال ۳۷ھ میں پڑھایا تھا اور اس کے بعد بھی تین یا چار بار پڑھانے کی نوبت آئی۔ ہر دفعہ میں حواشی کا اضافہ ہوتا رہا۔ اس ناکارہ نے جتنی کتابیں بھی پڑھائیں وہ اپنی ذاتی کتابوں میں پڑھائیں مدرسہ کی کتاب میں کوئی کتاب نہیں پڑھائی مجھے چونکہ لکھنے کا مرض شروع ہی سے ہے۔ اس لئے میری ہر کتاب پر جو میں نے پڑھائی قلیل وکثیر حواشی موجود ہیں۔

۹۲۔ شرح الفیہ اردو (غیر مطبوع) درس کے دوسرے سال جب الفیہ شروع کیا تو ساتھ ساتھ اس کی اردو شرح بھی شروع کی جو کل تین جلدوں میں پوری ہوئی پہلا جزو بہت مفصل شرح کے طور پر ہے اس کے بعد مختصر ہوتی چلی گئی اور ۱۸ر شعبان ۲۹ھ پنجشنبہ کو پوری ہوئی۔

۹۳۔ اردو شرح سلم (غیر مطبوع) جس سال میں سلم پڑھی یعنی ۳۲ھ میں مولانا عبد الوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت طویل تقریر فرماتے تھے۔ اور میں سبق کے ساتھ پنسل سے لکھا کرتا تھا۔

سبق کے بعد صاف کیا کرتا تھا یہ دونوں مسودے چند سال ہوئے تو پورے تھے اب چند سال سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

۹۴۔ اضافہ بر اشکال اقلیدس (غیر مطبوع) ۳۲ھ میں پڑھی تو کچھ اسوقت ایسا مزہ آیا کہ اس کے قواعد پر اپنی طرف سے شکلیں گھڑا کرتا تھا

حضرت شیخ قدس سرہ کی تالیفات کے تراجم

اللہ تعالیٰ شانہ جس کی محنتوں کو قبول فرماتا ہے اور جس کی کتابوں کا نفع عام فرماتا ہے دور دراز ممالک تک اس کا فیض پہونچادیتا ہے اور مختلف علاقوں کی زبانوں میں ان تالیفات کے تراجم کے لئے اہلِ علم مترجمین کو کھڑا کردیتا ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہ کی چند کتابیں عربی میں ہیں اور اکثر کتب اردو زبان میں تحریر فرمائی ہیں۔ ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں تو اردو جاننے والے بہت بڑی تعداد میں ہیں ان ممالک کے رہنے والوں نے ان کتب سے بہت زیادہ نفع اٹھایا اور آپ کی کتابوں کو بار بار بڑی تعداد میں شائع کیا۔ لیکن جن علاقوں میں اردو زبان عام نہیں تھی خصوصًا یورپ امریکہ افریقہ کے اہلِ علم نے اپنی اپنی زبانوں میں حضرت شیخ قدس سرہ کی کتابوں کے تراجم شائع کئے، ہماری معلومات کے مطابق جن زبانوں میں حضرت شیخ قدس سرہ کی کتابوں کے تراجم شائع ہوئے ہیں ان کی مختصر فہرست اجمالاً پیش کی جا[illegible]

(۱) عربی (۲) فارسی (۳) بنگلہ (۴) گجراتی (۵) تامل (۶) ملیالم (۷) ملیشیائی (۸) انگریزی (۹) فرانسیسی (۱۰) برمی (۱۱) جاپانی (۱۲) پشتو (۱۳) ترکی (۱۴) پرتگالی (۱۵) تھائی (۱۶) فلپائنی (۱۷) زولو (۱۸) مراٹھی (۱۹) تلگو (۲۰) آسامی (۲۱) سنگھالی (۲۲) کمبوڈی (۲۳) انڈونیشیائی (۲۴) سہیلی (۲۵) ازبک (۲۶) ٹادی (۲۷) ہندی (۲۸) کشمیری (۲۹) کینیائی (۳۰) سندھی۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا فضل ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی تالیفات کو دنیا کے چپہ چپہ میں پہونچادیا اور اہلِ علم کو اس کے ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تذییل

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے آپ بیتی ۲ کے اخیر میں جو اپنی تالیفات شمار کرائی ہیں۔ وہ بشمول آپ بیتی تراسی ۸۳ ہیں۔ تراسی کتابوں کے نام لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ اب تک انہی رسائل اور اجزاء کا پتہ چلا ہے۔ میرے اندازمیں ابھی پچیس تیس اور بھی ہیں۔ مولانا صدر الدین عامر انصاری مرحوم نے رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں مؤلفات شیخ الحدیث کے نام سے ایک رسالہ عربی میں تحریر فرمایا تھا۔ جس کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ: اِنَّ الْغَالِبَ اَنَّ الشَّیْخَ الْکَرِیْمَ بِنَفْسِہٖ رُبَمَا لَا یَکُوْنُ اَلْاٰنَ ذَاکِرًا کُلَّ مَاقَلَمَہٗ طِوَالَ ھٰذِہِ الْمُدَّۃِ الَّتِیْ تَزِیْدُ مِنْ نِصْفِ قَرْنٍ پھر آپ بیتی میں ذکر کردہ تالیفات کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں: وانا موقن بان مؤلفاتہ تزید علیھا بکثیر ولاتزال تزداد یومًا فیومًا۔ آپ بیتی میں جن تالیفات کا ذکر ہے ان کے علاوہ بھی حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تالیفات ہیں جو آپ کے سامنے ہی طبع ہوگئی تھیں، غالبًا بعض تو اس وجہ سے اس میں نہ آسکیں کہ آپ بیتی املاء کراتے وقت ذہن میں نہ آئیں اور بعض اس لئے شمار میں نہ آسکیں کہ آپ بیتی کے ختم ہونے کے بعد تحریر فرمائیں یا املاء کرائیں، مدینہ منورہ کے قیام میں احقر کو بعض

رسائل لکھنے کا حکم فرمایا اور اپنے ذاتی خرچ سے انکو طبع کرایا جنکا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حقوق الوالدین (مطبوعہ)

رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں جب احقر حرمین شریفین میں مستقل قیام کی نیت سے حاضر ہوا، اور مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں تو ہندوستان جارہا ہوں تم حقوق الوالدین کے متعلق احادیث جمع کر لینا اور اس سلسلہ میں درمنثور بھی دیکھ لینا، احقر نے تین فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل رسالہ لکھدیا، پھر جب حضرت شیخؒ ہندوستان سے واپس تشریف لائے تو خدمت اقدس میں پیش کر دیا حضرت قدس سرہٗ نے پسند بھی فرمایا اور شائع کرنے کا بھی حکم دیا اور اشاعت کے اخراجات دارالعلوم کراچی کو بھجوادیئے جب رسالہ چھپ کر خدمت عالی میں پہونچا تو ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک صاحب قیام پذیر ہیں ان کو میں نے دو نسخے دیدیئے ہیں اور انہی کی وجہ سے کتاب لکھوائی ہے۔

تکملۃ الاعتدال (مطبوعہ)

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ۱۳۵۷ھ میں ایک رسالہ لکھا تھا جسمیں چند سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تھے یہ سوالات حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہما کے سیاسی اختلافات کے متعلق تھے حضرت شیخ قدس سرہٗ نے تفصیل سے جواب لکھا جو الاعتدال فی مراتب الرجال یا اسلامی سیاست کے نام سے شائع ہوا تھا حضرت شیخؒ نے تو لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ ان

دونوں اکابر کے احباب جو خصوصی تعلق رکھتے ہیں انکو دکھایا جائے اور مقصد یہ تھا کہ معتقدین و مریدین دونوں حضرات کا مقام و مرتبہ پہچانیں اور کسی کے حق میں بدگوئی نہ کریں۔ پھر جب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہما کو مذکورہ رسالہ کی اطلاع ہوئی تو دونوں حضرات نے طباعت پر اصرار کیا لہذا رسالہ شائع کر دیا گیا پھر برسہا برس کے بعد مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت شیخؒ کے ذہن پر وارد ہوا کہ اس میں اضافہ کیا جائے اور دونوں حضرات کے باہم محبت اور تعلق خاص کے واقعات جمع کیے جائیں اور بتایا جائے کہ ان حضرات کے اختلاف اپنی اپنی شرعی رائے کی وجہ سے تھا اور نفسانیت کا اسمیں کوئی دخل نہ تھا دونوں بزرگ حضرات صحابہ کرامؓ کے نمونہ تھے کہ آپس کے انتہائی یگانگت کے تعلقات ہوتے ہوئے اپنے اپنے مسلک میں متشدد تھے۔

احقر کو حکم دیا کہ مذکورہ موضوع پر رسالہ لکھوں مدینہ منورہ میں کتابیں یاد نہ تھیں بعض احباب کے پاس جو رسائل تھے انہی کو سامنے رکھ کر ایک رسالہ لکھدیا اور حضرت شیخؒ نے اس کا نام تکملہ اعتدال فی مراتب الرجال تجویز فرمایا جو ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ ہند و پاک دونوں جگہ چھپ چکا ہے۔

فضائلِ صحابہؓ اور صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلاف کی حیثیت (مطبوعہ)

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت کو اجاگر کرنے اور امت مسلمہ کو ان کا صحیح مقام بتانے کا خاص اہتمام تھا۔

کتاب وسنت میں جو ان کے فضائل وارد ہوئے ہیں ان کے متعلق اپنی کتاب "حکایات صحابہؓ" کے اخیر میں مستقل طور پر ایک مضمون خاتمہ کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔

دوسری بات جس کے لئے آپ متفکر رہتے تھے وہ یہ تھی کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو باہمی اختلافات منقول ہیں ان سے متاثر ہوکر عامۃ المسلمین بدعقیدہ نہ ہوں اور کسی صحابی کے بارے میں بدظن نہ ہوجائیں۔ اس مقصد کے لئے احقر کو ایک رسالہ لکھنے کا حکم فرمایا جس کا نام "فضائلِ صحابہؓ اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق صحابۂ کرامؓ کے باہمی اختلاف کی حیثیت" تجویز فرمایا اور اس کا دیباچہ خود ہی املاء کرایا۔ احقر کو اس سلسلہ میں کچھ زیادہ کاوش نہیں کرنی پڑی۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین کو مرتب کردیا پورا رسالہ ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔

مجموعہ وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ (مطبوعہ)

حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ النعمان کی ایک وصیت احقر کو کہیں سے ملی تھی اس کا ترجمہ ماہنامہ البلاغ کراچی میں شائع کردیا تھا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اکابر کی کتابوں میں۔ [illegible] کرتے تھے مقصد یہ تھا کہ حاضرینِ مجلس کو دینی معلومات حاصل ہوں اور اکابر کی تحریر فرمودہ باتیں کان میں پڑجائیں جب ماہنامہ البلاغ کراچی میں حضرت امام صاحبؒ کی وصیت شائع ہوئی (جو انہوں نے اپنے شاگرد یوسف بن خالد سمتی مصریؒ

کو فرمائی تھی) تو حضرت شیخؒ نے اپنی مجلس میں انہوں نے اپنے کو سنوایا اور ترجمہ کو پسند فرمایا اور خواہش ظاہر فرمائی کہ امام صاحبؒ کی دوسری وصایا بھی شائع کی جائیں احقر نے "مناقب الامام الاعظم" اور "حسن التقاضی فی سیر الامام ابی یوسف القاضی" میں تلاش کیا تو دیگر وصایا بھی مل گئیں پانچ وصیتیں مع ترجمہ جمع کر کے حضرت شیخؒ کی خدمت میں مجموعہ پیش کر دیا جس میں مندرجۂ ذیل حضرات کو وصیتیں فرمائی ہیں :-

امام ابو یوسفؒ، یوسف بن خالد سمتی، حماد بن امام ابی حنیفہ، نوح بن ابی مریم اور پانچویں وصیت عام ہے جو اکابر تلامذہ کو فرمائی تھی جس کے راوی خود امام ابو یوسف ہیں۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے مجموعۂ وصایا کو پسند فرمایا اور اپنے خرچ سے اسکو شائع فرمایا۔ جن حضرات کے نام یہ وصایا ہیں ان کا تعارف بھی دیباچہ میں لکھدیا ہے۔ پورا رسالہ تقریباً ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

انعام الباری فی شرح اشعار البخاری

(مطبوعہ)

ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں حضرت شیخ قدس سرہٗ ہندوستان سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے اس سفر میں مولانا انعام الحسنؒ (سابق امیر جماعت تبلیغ) بھی حضرت شیخ کے ساتھ تھے جدہ پہونچے تو مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے بیان کیا کہ میں نے پرسوں خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ بخاری شریف کے جملہ اشعار کو ایک جگہ جمع کر کے ترجمہ کر دوں اس کی تعبیر تو ظاہر تھی کہ مولانا انعام الحسن صاحب اس کام کا بیڑہ اٹھائیں لیکن انہوں نے

خواب۔ بیان کرتے کے ساتھ ہی اپنی بیماری کا عذر کر دیا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ کو مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الف الف صلوٰۃ و تحیہ میں بیٹھ کر بسم اللہ لکھوا کر احقر سے فرمایا کہ اس کام کو مکمل کر دے احقر نے بخاری شریف میں وارد شدہ اشعار کی فہرست بنائی، اشعار کا ترجمہ اور شرح لکھا اور شروح حدیث میں دیکھ کر اشعار کا شانِ ورود بھی لکھ دیا اور یہ بھی لکھا کہ فلاں شعر کس کا ہے اور کس نے پڑھا اور کیوں پڑھا نیز صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کے حل کرنے کے لئے جن دیگر اشعار کا جاننا اور سمجھنا ضروری تھا ان کا بھی اضافہ کر دیا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے پوری کتاب کا مسودہ سُنا اور بطور تعارف ایک ضروری مضمون املا کرایا اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے نام کی مناسبت (جن کا خواب اس رسالہ کی تالیف کا سبب بنا) اس رسالہ کا نام "انعام الباری فی شرح اشعار البخاری" تجویز فرمایا۔ رسالہ لکھتے وقت متون حدیث میں صحاحِ ستّہ کے علاوہ جمع الفوائد، مشکوٰۃ المصابیح، مستدرک حاکم بھی سامنے رہیں، اور اشعار کی تشریح اور دیگر مضامین کے لئے فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور اوجز المسالک، بذل المجہود سے استفادہ کیا اور [illegible] کو مقصد نہیں بنایا بلکہ اشعار مذکورہ سے متعلق جو واقعات اور روایات حدیث اور شروح حدیث میں ملیں ان کو بھی تفصیل سے درج کر دیا۔ پورا رسالہ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

الحمد للہ سوانح عمری کی پہلی جلد مکمل ہوئی والحمد للہ اولاً و آخراً اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین بحرمۃ سید المرسلین۔